مطالب القرآن

فی

دروس الفرقان

سورۂ الانفال

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے دیے گئے دروسِ قرآن

قرآنِ مجید کی تفسیر خود قرآنِ مجید سے

مدیر: پروفیسر ڈاکٹر منظور الحق

ادارہ طلوع اسلام رجسٹرڈ 25 بی گلبرگ 2 لاہور

مطالب القرآن

فی

دروس الفرقان

سورۂ الانفال

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے دیے گئے دروسِ قرآن

قرآنِ مجید کی تفسیر خود قرآنِ مجید سے

ادارہ طلوع اسلام رجسٹرڈ 25 بی گلبرگ 2 لاہور

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	.....	مطالب القرآن فی دروس الفرقان (سورۃ الانفال)
دروس	.....	از: جناب غلام احمد پرویز رحمۃ اللہ علیہ
ناشر	.....	بزمِ طلوع اسلام، لاہور
زیر اہتمام	.....	ادارہ طلوع اسلام 25بی 2 گلبرگ، لاہور
	.....	فون نمبر 5714546-5753666
ایڈیشن اول	.....	دسمبر 2016ء
مطبع	.....	باقریونس پرنٹنگ پریس، لاہور

ادارہ طلوع اسلام رجسٹرڈ کی طرف سے شائع کردہ لٹریچر کی جملہ آمدنی قرآنی فکر کو عام کرنے پر صرف ہوتی ہے۔

سرٹیفکیٹ تصحیح

انتساب

رسالت مآب خاتم النبیین ﷺ کے نام

جو کافۃ للناس اور رحمۃ للعالمین بن کر آیا اور اپنے ساتھ وہ نظامِ عدل وحریت لایا جو انسان کو دنیا بھر کی غلامی سے آزادی دلانے کا کفیل تھا۔ یہ پیغام کوئی انوکھا پیغام اور یہ تعلیم کوئی نئی تعلیم نہ تھی۔ صداقت جہاں کہیں بھی تھی اُسی کتاب مبین کا کوئی نہ کوئی ورق تھی جو محمد ﷺ کی وساطت سے دنیا کو ملی۔ روشنی جس مقام میں بھی تھی وہ اسی قندیلِ آسمانی کی کوئی نہ کوئی کرن تھی جو قلبِ نبوی ﷺ میں اتاری گئی۔ شامِ جاں نواز نے جہاں کہیں بھی عطر بیزی وعنبر فشانی کی وہ لالہ ویاسمین کی ان ہی پتیوں کی رہینِ منت تھی جن کا گلدستہ اس نبی آخر الزمان ﷺ کے مقدس ہاتھوں محرابِ کعبہ میں رکھا گیا۔ پیغامِ محمدی ﷺ کیا ہے؟ ان ہی اوراق کی شیرازہ بندی جنہیں حوادثِ ارضی وسماوی کی تیز آندھیوں نے صحنِ کائنات میں اِدھر اُدھر بکھیر دیا تھا۔ اور مقامِ محمدی ﷺ کیا ہے؟ ان ہی درخشندہ وتابندہ ذراتِ نادرہ کا پیکرِ حُسن وزیبائی جن کی حقیقی آب وتاب کو ان کے ستائش گروں کی غلو آمیز عقیدت کی رنگینیوں نے مستور کر رکھا تھا۔ وہاں یہ جوہر الگ الگ پڑے تھے' یہاں یہ پیکرِ جلال وجمال ان سب کا حسین مجموعہ تھا۔ وہاں یہ الفاظ بکھرے ہوئے تھے' یہاں ایک ایسے عدیم النظیر مصرعہ میں آب وتاب سے موزوں ہوگئے تھے جو ضمیرِ کائنات میں قرنہا قرن سے پہلو بدل رہا تھا۔ وہ موتی تھے' یہ مالا تھی۔ وہ پتیاں تھیں' یہ پھول تھا۔ وہ ذرے تھے' یہ چٹان تھی۔ وہ قطرے تھے' یہ سمندر تھا۔ وہ ستارے تھے' یہ کہکشاں تھی۔ وہ افراد تھے' یہ ملت تھی۔ وہ نقطے تھے' یہ خطِ مستقیم تھا۔ وہ ابتداء تھی' یہ انتہا تھا۔

خلق و تقدیر و ہدایت ابتداست
رحمۃ للعالمینؐ انتہا ست

خدائے جلیل نے اپنے بندوں سے جو کچھ کہنا تھا آخری مرتبہ کہہ دیا۔ شرفِ انسانیت کی تکمیل کے لیے جو قوانین دیئے جانے تھے وہ اپنی انتہائی شکل میں دیدیئے گئے۔ اس کے بعد انسان کو اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے کسی دوسری مشعلِ راہ کی ضرورت اور کسی اور ہادیٔ طریقت کی احتیاج نہ رہی۔ اب انسانیت کے مقام بلند تک پہنچنے کے لیے وہی ایک صراطِ مستقیم ہے جس پر اس ذاتِ اقدس واعظم ﷺ کے نقوشِ قدم جگمگ جگمگ کر رہے ہیں اور جنہیں دیکھ کر ہر دیدہ ور پکار اٹھتا ہے کہ

مقامِ خویش اگر خواہی دریں دیر
بحق ' دل بند و راہ مصطفیٰؐ رو

[معراجِ انسانیت ص ۴۷ از۔ علامہ پرویز رحمۃ اللہ علیہ]

اسوۂ حسنہ

ہمارا ایمان ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کے کسی ارشاد یا حضور ﷺ کے کسی عمل کی صداقت سے اِنکار کرتا ہے، ہمارے نزدیک وہ مسلمان ہی نہیں کہلا سکتا، اِس لیے کہ حضور ﷺ کے ارشادات و اعمالِ حیات سے تو وہ ماڈل ترتیب پاتا ہے جسے خدا نے ''اسوۂ حسنہ'' قرار دیا ہے۔ اِس اسوۂ حسنہ سے انکار، نہ صرف انکارِ رسالت ہے، بلکہ ارشادِ خداوندی سے انکار ہے۔ اس انکار کے بعد، کوئی شخص مسلمان کیسے رہ سکتا ہے؟ اِسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اس اسوۂ حسنہ کو خود قرآن میں محفوظ کر دیا ہے۔

[طلوع اسلام۔ اگست ۱۹۸۱ء]

قیصر و کسریٰ کے استبداد اور احبار و رھبان کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی انسانیت کو
آزادی سے ہم کنار کرنے والے قائدِ انسانیت ﷺ تجھ پہ لاکھوں سلام

خلق و تقدیر و ہدایت ابتدا ست
رحمۃ للعالمینی انتہا ست

[محمد اشرف ظفر]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مشمولات **سورہ الانفال**
مطالب القرآن فی دروس الفرقان

ٹریننگ نکل چکی ہے۔
26-10-16
بدھ والے دن

پہلا باب: **سورۃ الانفال** (آیات 1 تا 4)

ہمارے ہاں لفظ نفل کا استعمال جو حقیقت کے خلاف ہے --------- 17
انفال کے لفظ کا لغوی مفہوم اور اس کا استعمال ---------- 18
قرآن حکیم میں اللہ اور رسول کے الفاظ صرف اسلامی
حکومت کے لیے مختص ہیں ---------- 18
غیر قرآنی معاشرے کی صورت میں ذاتی تحفظ کرنا
بڑا ضروری ہے ---------- 19
ہمارے ہاں کیے گئے قرآنی تراجم معیار پر پورے ہی
نہیں اترتے۔لفظ صلح کا قرا انی مفہوم تو کسی کی کمی کو
پورا کرنا ہوتا ہے ---------- 19
قرآن حکیم کے الفاظ کی حرمت کو نظر انداز کرنے والی
قومیں ذہنی طور پر مفلوج ہو جاتی ہے ---------- 20
مومن کی زندگی قرآن حکیم کے آئینہ میں ---------- 21
قرآن حکیم کی روشنی میں لفظ شرح صدر کا متعین مفہوم
سینے کا کھل جانا' کشادہ ہو جانا ---------- 21
دل و دماغ کو کھلا رکھنے کے بعد مومن کا پہلا قدم حق و باطل
کے ٹکراؤ کو قبول کرنا ہے ---------- 22
شہادت کا کلمہ قرآنی نصب العین کی صداقت پر یقین محکم
کا متقاضی ہوتا ہے ---------- 22
بندہ مومن کے ایمان کی پختگی' جذبۂ ایمانی اور قوانین پر
توکل کی ایک محسوس مثال ---------- 23
ہمارے ہاں توکل کے متعلق پایا جانے والا مفہوم حقیقت
سے بعید ہے ---------- 23
نہایت ہی مختصر الفاظ میں قرآنی نظام حیات کی تفسیر
'نظام صلوٰۃ کو قائم کرنا ہے ---------- 24
لفظ صلوٰۃ اور زکوٰۃ کے مروجہ تراجم کے مطابق عمل
پیرائی کی شکل وصورت اور تجزیہ ---------- 24
اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا قرآنی مفہوم ---------- 25
قابلِ عتماد اور پھر مومن کہلوانے والوں کے معیار کی نشاندہی ------ 25
مومنِ حقا کے لیے سب سے پہلا مرحلہ اس کی روٹی کے حصول
کا ہے جو اسے خدا کے دستر خوان سے حاصل کرنی ہوگی ---------- 26
مومن حقا کے اس اجمالی تعارف کے بعد جنگ بدر کا ذکر --------- 26
صدا وّل کی تاریخ میں صحابہ کے دو گروہوں کا ذکر اور
قرآن حکیم میں ان کا مقام ---------- 27
فتح مکہ کے قبل اسلام لانے والوں کے متعلق قرآن حکیم
یومنون بالغیب کے الفاظ سے پکارتا ہے ---------- 28
ایمان بالغیب کا حقیقت کشا مفہوم ---------- 28
ایمان بالغیب لانے والوں کو بڑی صعوبات تو برداشت
کرنی پڑیں گی ---------- 29
بالغیب ایمان لانے والوں کے ارادے بلند اور بڑے
صبر آزما ہوتے ہیں ---------- 30
کس قدر خوش بخت تھے وہ لوگ کہ جنہیں نبی آخر الزماں
کی صحبت میں رفاقت کا شرف حاصل ہوا۔ان سب کو
ہزاروں سلام ---------- 30

خدا تعالیٰ نے ان تمام صحابہ اکرامؓ کے دلوں کو باہمی
الفت کی شراب طہور سے بریز کر دیا ---------- 30
باہمی آہنگیٔ قلب ونگاہ کی قدر و قیمت کو تو کسی ترازو میں
تولا جا سکتا ہی نہیں ---------- 31
صحابہ اکرام ؓ کے باہمی روابط کی نوعیت ---------- 31
قرآن حکیم انسان کو وہ کچھ بنا دیتا ہے جو خدا کے قانون کی
منشا ہوتی ہے ---------- 31
صحابہ کبار و کرام ؓ کی ایمانی قوت اور دل و دماغ
کی ہم آہنگی پر قرآن حکیم کی طرف سے تحسین و آفریں
کے پھول ---------- 32
باہمی طور پر احسان کی عملی شکل اور اس کی ایک عجیب
وغریب مثال ---------- 32
نبی اکرم e والذین معہ کی باہمی رفاقت کا نتیجہ ---------- 33
ملت اسلامیہ کے حسین وجمیل دور کی شکل وصورت کو
نظروں سے اوجھل کرنے کی ایک گہری سازش کی نشان دہی ------ 33
کمرے کی چار دیواری سے باہر میدانِ جنگ کا منظر
اور پھر قرآن حکیم کی وعید ---------- 34
تیرے نشتر کی زد شریانِ قیس ناتوان تک ہے ---------- 34
میدان جنگ میں 70 ہزار صحابہ ؓ کی شہادت اور
وہ بھی آپس میں (معاذ اللہ) ---------- 34
ہمارے ہاں کی تاریخ کا حقائق سے کوئی واسطہ نہیں ہے ---------- 35
خلافت راشدہ کا 10 سال تک کے زمانے کی کوئی
فائیل کہیں موجود نہیں ---------- 36
نبی اکرمؐ کے حالات کی تحقیق کا معیار ---------- 36
دورِ رسالت کی تاریخ کو ماپنے کا معیار ---------- 37
یورپ کے معاندین کے لیے تاریخ کا ماخذ اور علامہ پرویزؒ
کی طرف سے سیرتِ نبی پر لکھی گئی معراج انسانیت کا ذکر -------- 37
علامہ پرویزؒ پر حدیث کو نہ ماننے کا الزام اور اس کی حقیقت -------- 38
حدیث کے معاملے میں ابوالکلام آزاد کا فرمان قابلِ غور ہے ------ 38
ملت اسلامیہ کے لیے یہ لازم ہے کہ اس دور کی تاریخ
قرآن حکیم کی روشنی میں مرتب کرے ---------- 38
قرآن حکیم کی روشنی میں مومنِ حقا کی عملی زندگی کے حقوق -------- 39
قرآن حکیم اپنے ماننے والوں کو کسی زمین کے ٹکڑے
کے ساتھ وابستہ نہیں کرتا ---------- 39
بدر کے رستہ میں اہل قریش کا ایک ہزار افراد کی
قوت کے ساتھ مدینے پر حملہ ---------- 39
مکہ سے ہجرت کرنے والوں کی دفاعی قوت تین سو تیرہ
مجاہدین اور 2 گھوڑے ---------- 40
میدان جنگ میں حضور ﷺ کی رب کریم کے دربار
میں حاضری کی نوعیت ---------- 40

دوسرا باب: **سورۃ الانفال** (آیات 5 تا 18)

تجدید یادداشت ---------- 43
مومن حقا کا معیارِ زندگی اور اصول حیات ---------- 43
اسلام کے متعلق مخالفین کا جذبہ انتقام ---------- 43
حق کو قبول کرنے کے سلسلہ میں کسی قسم کی کوئی زبردستی نہیں ------- 44
ہجرت کے صرف ایک سال کے بعد جماعت مومنین
اپنے ہاں جہانِ نَو کی نوید سے پوری طرح سرشار تھی ---------- 44
جنگ بدر کے وقت اہل مکہ اور مدینہ کے انصار کی معاشرتی
زندگی کی نوعیت اور اس کے باوجود کامیابی ---------- 44
یہودیوں، عیسائیوں اور ایرانیوں کے برعکس اہل قریش
کی مذہبی عقیدت واجبی سی تھی ---------- 45
جنگ بدر کی اصل وجہ قریش کا نسلی تفاخر تھا جس کی وہ
حفاظت کرنا چاہتے تھے ---------- 45
اہل قریش کی تمدنی زندگی کی کیفیت اور ان کی طرف
سے مخالفت کی وجہ ---------- 46
ہجرت کا بنیادی مقصد ایک آزاد فضا میں قرآنی حکومت

کا قیام تھا جو قریش کے لیے خطرے کی گھنٹی تھی ---------- 46
اہل قریش نے اپنے نظام کو بچانے کے لیے نبی اکرمؐ
کی سخت مخالفت شروع کر دی ---------- 47
اہل قریش کا ایک ہزار افراد کے ساتھ مدینہ پر حملہ ---------- 48
دین اسلام کا خاصہ صرف یہی نہیں کہ وہ بزورِ شمشیر نہیں
پھیلا بلکہ وہ تو دوسروں کی عبادت گاہوں کو تحفظ فراہم کرتا ہے ----- 49
اس قسم کی مذہبی آزادی تو کرہ ارض پر کسی کتاب میں موجود نہیں ---- 49
ہندوستان میں ہزار سالہ حکمرانی کا نتیجہ یہ کہ وہاں ایک
دن بھی نظام صلوٰۃ قائم نہ ہوا ---------- 50
جنگ کے میدان میں اترنے کی پہلی اجازت ---------- 50
آغازِ جنگ سے قبل باہمی مشورے کی نوعیت ---------- 51
جنگ شروع کرنے کے سلسلہ میں ایک دوسری رائے
جو یقیناً اخلاص پر مبنی تھی ---------- 51
حق کو حق ثابت کرنے کے لیے جان کی قربانی ایک
بڑی عظیم حقیقت تھی ---------- 52
جنگ کی مطلوبہ تیاری نہ ہونے کے باوجود فیصلہ کن
جذبہ صادقہ کی ایک عملی مثال ---------- 53
فاتح کی حیثیت سے نبی اکرم ﷺ کا وہ حسن سلوک کہ
جس کی مثال آج تک نوع انسانی پیش نہیں کر سکی ---------- 53
کسی دوسرے کو راہ حق پر لانے کا ایک سنہری اصول ---------- 53
نبی اکرم ﷺ کی ایک چمکتی ہوئی حدیث جنگ کے سلسلہ
میں ایک مقام کا تعین ---------- 54
اسلام میں سربراہ مملکت کا مقام تو ایک امام کی حیثیت رکھتا ہے ----- 54
جنگ کا بگل بجنے سے قبل آپ ﷺ کی خدا تعالیٰ کے حضور محویت میں ڈوبی
حالت میں دعا ---------- 55
جنگ کے دوران بدر کے میدان میں فرشتوں کے اترنے کی
نوعیت اور ہمارے ہاں کے لاجواب قصے اور بیانات ---------- 55
دورانِ جنگ فرشتوں کے اترنے کی حقیقی نوعیت ---------- 56
فرشتوں کے متعلق قرآن حکیم نے فرمایا ہے کہ تم
انہیں دیکھ نہیں سکتے تھے ---------- 56
ملت اسلامیہ کو اس کی تاریخی افسانوں نے تباہ کیا ہے ---------- 56
اطمینان قلب کی دولت انسان میں نفسیاتی تغیر پیدا کر دیتی ہے ---- 57
کائناتی قوتیں مومن ہو یا کافر وہ ہر انسان کے سامنے
سجدہ ریز ہیں ---------- 57
نفسیاتی طور تغیر نفس کی شکل میں یہ کائناتی قوتیں جو میدان
جنگ میں استحکام کا باعث بنتی ہے ---------- 57
ملتِ اسلامیہ کی کمزوری کی بنیادی وجہ داخلی تبدیلی کے
بغیر ڈی ریفارم ہے ---------- 58
انسانوں پر ملائکہ کا نزول تو ہمیشہ ان کے اُن اعمال سے
مشروط ہوتا ہے جو وہ کرتے ہیں ---------- 58
عملی طور پر قوانین خداوندی پر ایمان انسان کے دل سے
خوف وحزن نکال دیتا ہے ---------- 58
خدا کی طرف سے ملنے والا ضابطہ زندگی نہ تو کسی دور کے
لیے ہے اور نہ ہی کسی انسان تک محدود ---------- 59
ذات خداوندی نے جو کچھ بھی کہنا تھا وہ اپنے آخری نبی ﷺ
کو کہہ دیا اور پھر اُسے قیامت تک محفوظ بھی کر دیا ---------- 59
میدان جنگ میں اگر یقین محکم اور جذبہ صادقہ ہو تو
قرآن حکیم کے مطابق ایک ایک مرد مومن دس دس پر
بھاری ہوتا ہے ---------- 60
امام مہدی کا بمعہ فرشتوں اور توپوں کے ساتھ آنے کا تصور ------- 60
دلوں کی آسودہ حالی خون جگر کی محتاج ہوتی ہے ---------- 61
میدان بدر میں مخالفین کو شکست کی بنیادی وجہ غور وفکر
سے کام نہ لینا تھا ---------- 61
ہمارے ہاں کے تراجم ''شیطان کی پلیدی کو دور کرنا'' چہ معنی ------- 61
عربی زبان میں شیطان کا لفظ شدتِ پیاس کے معنی میں
بھی استعمال ہوتا ہے ---------- 62

مروجہ تراجم کی ایک اور مثال ---------- 62
جہاد کی غرض وغایت سے سرشار فوج اور مفاد عاملہ کو پیش
نظر رکھنے والی فوج کی ابتداء اور انتہا میں فرق ---------- 63
میدان جنگ کی تصویر کشی اور شہادت کے آبگینوں سے
بہریاب ہونے والوں کے نورانی چہروں کی بیتابی کا
منظر اور ہمارے ہاں کے تراجم ---------- 63
جنگِ بدر میں حصہ لینے والے مجاہدین کو قرآن حکیم کی وارننگ ------ 64
یاد رہے قرآنِ حکیم کی یہ وارننگ فرشتوں کے لیے نہیں
بلکہ یہ مجاہدین کے لیے تھی ---------- 64
انسانوں کی منفعت کی خاطر خدا تعالیٰ کی طرف سے پیش
کردہ پروگرام انسانوں کے ہاتھوں ہی سے مکمل ہوتا ہے -------- 64
میدانِ جنگ میں پایہ تکمیل تک پہنچنے والے پروگرام کی
شکل وصورت کا ایک ولولہ انگیز منظر ---------- 65
قضا کے تیر نبی اکرم ﷺ کی کمان کے بغیر نشانے تک پہنچ
ہی نہیں سکتے تھے ---------- 65
میدان جنگ میں نبی اکرم ﷺ اور رفقائے نبوت کی
ثابت قدمی کہاں اور ہمارے ہاں کے یہ تفسیری قصے کہاں -------- 66
یہ امت خرافات میں کھوگئی یہ امت روایات میں کھوگئی ---------- 66
معجزوں کا تصور رکھنے والوں کے پاس ان آیات کا
کیا جواب ہے؟ ---------- 67
خدا کسی کو نہیں آزماتا بلکہ انسان خود کو آزماتا ہے ---------- 67

تیسرا باب: **سورۃ الانفال** (آیات 19 تا 25)

قرآن حکیم کی بنیادی تعلیم کے ہی یہ خلاف ہے کہ کسی
کو زبردستی مسلمان بنایا جائے یا کسی کے ملک کو فتح کیا جائے ------ 68
جنگ بدر کی فتح کے بعد مفتوح قوم کو آئندہ کے لیے
اپنی حرکتوں سے باز رہنے کی وارننگ ---------- 69
ہجرت کے سلسلہ میں مکہ کے اندر باقی رہ جانے والے
کی حالتِ زار پر قرآن حکیم کا اہل مدینہ کو مدافعت کا حکم ---------- 70
جنگ کے سلسلہ میں دو اہم پہلوؤں کی وضاحت کو پیش
نظر رکھنا ضروری ہے ---------- 70
قرآن حکیم کی کوئی آیت منسوخ نہیں ---------- 71
قرآنِ حکیم کا فلسفہ حیات دنیا کی ہر مظلوم قوم کا تحفظ کرنا
فرض قرار دیتا ہے ---------- 71
خدا کو پکارنا اس کے قانون کو پکارنا ہوتا ہے ---------- 72
قرآن حکیم کے نزدیک انسانی زندگی کو احسن طریق سے
سرانجام دینے کے لیے ایک نظام کے تحت ایک امت کا
ہونا ضروری ہے ---------- 72
قرآن حکیم کو اگر سمجھنا مقصود ہو تو مناظروں سے نہیں بلکہ
اسے حقائق سے سمجھئے ---------- 73
کائنات کی پستیوں اور بلندیوں کا ایک ایک ذرہ غیر
متبدل قانون کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے ---------- 73
ملتِ اسلامیہ کے لیے جہاد کی اہمیت اور اس کی نوعیت ---------- 74
جہاد کا قدم اوّل ہر کسی مظلوم کی حفاظت ہے ---------- 74
قوانین خداوندی کی راہنمائی انسانی نفسیات میں ایک
انقلابِ عظیم پیدا کرنے کا باعث بنتی ہے ---------- 75
قرآن حکیم کے بیان کردہ اصولوں کی بنیاد پر حاصل ہونے والی استقامت کی
نوعیت دس گنا زیادہ بڑھ جاتی ہے ---------- 75
جان دینے کی خاطر دل ودماغ کی ہم آہنگی کی قوت تو
دس آدمی سو پر بھاری ہوتے ہیں ---------- 76
حضرت عمر فاروق کے سوال پر ہرمزان کا ایک بصیرت
افروز شکل میں اعترافِ حقیقت ---------- 76
آج مراکش سے انڈونیشیا تک ملتِ اسلامیہ کا وہ بیرذخار
جس کا انگ انگ دوسروں کے رحم وکرم کا رہین منت ہے -------- 77
خدا کے ساتھ تعلق اس کی کتاب سے ہی وابستہ ہے اور
وہ کتاب اللہ کا نظام ہے جسے عملاً متشکل کرنا ہوگا ---------- 77
دو اڑھائی سو سال بعد اکٹھی کی گئیں روایات کو نبی اکرم ﷺ

کی طرف منسوب کر دیا گیا ---------- 78
قرآنی نظامِ حیات کی جگہ مذہبی تصورات اور عقائد
ونظریات کی بھرمار ---------- 78
اللہ اور رسول کی اطاعت کا مفہوم خدا کے اس نظام کی
اطاعت ہے جو نبی اکرم ﷺ نے متعین فرمایا ---------- 78
رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد رسول کی اطاعت
کیسے کی جائے گی؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اعلان ---------- 79
خدا کے نام پر قائم ہونے والی اتھارٹی کی اطاعت ہی خدا
اور رسول ﷺ کی اطاعت کہلائے گی ---------- 79
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک اتھارٹی کے فیصلہ
کی اہمیت بڑی واضح اور اہم تھی ---------- 80
نبی اکرم ﷺ کے متعلق یہ سوال کہ آپ ﷺ کو کہاں
دفن کیا جائے گا' معاملہ خلیفہ وقت کے کہنے پر طے ہوا ---------- 80
احادیث مبارکہ کو اکٹھا کرنے کا اہم کام آپ ﷺ کے
جانشینوںؓ نے کیوں سرانجام نہ دیا؟ ---------- 80
حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں مملکت کے اندر قرآن حکیم
کے ایک لاکھ نسخے موجود تھے ---------- 81
مملکت کی طرف سے قائم کردہ اتھارٹی کے بغیر کوئی متعین
تعریف' انتشار کا باعث ہوتی ہے ---------- 81
ہزار سال سے ملت میں خلفشار کی اصل وجہ انفرادی طور
پر مختلف انداز کی آئین سازی ہے ---------- 81
سننا اور اطاعت کرنا اس کے لیے ملٹری کی مثال
ہمارے سامنے ہے ---------- 82
آخر کار کتاب مبین کا عطا کردہ نظامِ حیات ہی انسانیت
کے لیے آسودہ حالی کا باعث بن سکے گا ---------- 82
قرآن حکیم تو سننے سنانے میں اور دیکھنے دیکھنے میں بڑا
فرق بیان کرتا ہے ---------- 83
صدیوں سے ایک ایک رات میں پورے کا پورا قرآن
حکیم سنا جاتا اور سنایا جاتا ہے لیکن حالت یہ ہے کہ حالات
دن بدن ناگفتہ بہ ہو رہے ہیں ---------- 83
قرآن حکیم کے مروجہ تراجم کے متعلق تو یہی کہا جا سکتا ہے
کہ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی ---------- 84
قرآن حکیم کا اندازِ بیاں جس کو سمجھنے میں کسی قسم کی کوئی
الجھن باقی نہیں رہتی ---------- 84
دل و دماغ کی رضامندی کے بغیر کوئی عمل نتیجہ ثمر بار نہیں ہو سکتا ---- 84
قرآن حکیم کے نزدیک کسی کی بات کو سننے کا معیار ---------- 85
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی ---------- 85
خدا تعالیٰ کی راہ میں جان دینے کا انداز ہی نرالا ہے ---------- 85
قرآن حکیم کی عربی زبان میں اعراب کی اہمیت ---------- 86
نظام عطا بن واصل جیسے خطیب کی شعلہ بیانی اپنی مثال آپ تھی ---- 86
اسلامی یا قرآنی نظام مملکت کے لیے اللہ اور رسول کی
اصطلاح کا استعمال کیا یہ کافی نہ تھا؟ ---------- 87
قرآن حکیم کی آیت 8:24 کا عام ترجمے کے برعکس اس
کو صحیح انداز میں سمجھنے کی کوشش اور لفظ مرء کا حقیقی مفہوم ---------- 88
جہاد زندگی کے اس موڑ پر سود و زیاں کا فیصلہ کرنا ہوگا ---------- 88
معاشرتی اور تمدنی خرابیوں کے باعث پیدا ہونے والی
تباہی کی نوعیت ---------- 89
مشرقی پاکستان کی داستانِ غم تو سبق آموز داستان ہے ---------- 89
مکافاتِ عمل کے تحت قوموں کی سطح پر کی گئی بدعملیوں
کو انفرادی نیکیاں نہیں بچا سکتیں ---------- 89
خدا کا قانون قوموں کا اعمال کا پیچھا عقاب کی مانند کرتا ہے -------- 90

چوتھا باب: **سورۃ الانفال** (آیات 26 تا 32)

مکے سے مدینہ ہجرت کر کے آنے والوں کی حالت
اور قریش کی طرف سے لشکر جرار کے ساتھ حملہ ---------- 91
قدرت کی طرف سے مشکل سے مشکل مقام سے آسانی
کے ساتھ گذر جانے کے لیے ایک جذبۂ محرکہ کی نشاندہی --------- 92

قوم کی کمزور حالت افراد کو ہمیشہ خوف وحزن میں مبتلا رکھتی ہے ---- 92
وحی کا ایک ایک لفظ خود خدا کی طرف سے ہی انتخاب
کردہ ہوتا ہے ---------- 93
خدا تعالیٰ کی طرف سے لفظ پناہ کا استعمال ایک عظیم
حقیقت کا ترجمان ہے ---------- 93
قوموں کی قوت کا مدار افراد کی بجائے جماعت پر منحصر ہوتا ہے ----- 93
انسانی معاشرے میں جنت کا حصول یا انفرادی نجات
کی مروجہ سوچ، یہ سب غیر قرآنی تصورات ہیں ---------- 94
مذہب تو ایک انفرادی چیز ہے لہٰذا اس کرہ ارض پر جب بھی
قرآن حکیم کا ظہور ہوا تو وہ صرف ایک نظام کے ذریعے
مملکت کے ذریعے ہی ہوگا ---------- 94
تراجم کے ذریعے قرآن حکیم سمجھ میں آ ہی نہیں سکتا لفظ
فَاٰوٰکُم کا مفہوم ---------- 95
انسانی زندگی کے متعلق مذہب کی پیدا کردہ سوچ اور
خدا تعالیٰ کی طرف سے متاعِ حیات کی نوعیت ---------- 95
مذہبی دنیا میں لفظ شکر کے محدود تصور کے برعکس اس کا
حقیقی مفہوم ایک عظیم پروگرام کی نشاندہی ہے ---------- 96
پروگرام کی تکمیل کے دوران احتیاط کو یقینی طور پر پیش
نظر رکھنے کی تلقین ---------- 96
لفظ Faith کے معنی بھروسہ کرنے کے ہوتے ہیں، خیانت
نہ کرنے کے ہوتے ہیں ---------- 97
لفظ آمین کا حقیقی مفہوم ---------- 97
المومن یعنی جس پر ہر کوئی مکمل طور پر بھروسہ کر سکے ---------- 98
قرآنی نظام حیات کے سلسلہ میں سب سے پہلے اہم چیز
بھروسہ ہے اور امانت ہے ---------- 98
قرآن حکیم نے مملکت کے اقتدار کو قوم کی امامت قرار دیا ہے ----- 99
کسی چیز کا بطورِ امانت حاصل کرنا اور پھر اسے بطورِ
امانت واپس کرنا، یہی ایمان کا ثبوت ہے ---------- 99
زندگی کی مستقل اقدار کے برعکس مفاد عاجلہ کے ٹکراؤ
کی نوعیت اور اس سے محفوظ رہنے کی تاکید ---------- 100
قرآن حکیم کے نزدیک ماں باپ کے اپنے بچوں کے
ساتھ باہمی تعلقات کی نوعیت اور اس کی تفصیل ---------- 100
موسموں کے لحاظ سے سات سات ہزار میل پرندوں کی
ہجرت بغیر کسی نشاندہی کے ---------- 101
پرندوں کے بچوں کے سلسلہ میں ایک اور حیران کن بات ---------- 101
حیوانی زندگی اور انسانی زندگی میں پایا جانے والا بنیادی
فرق اختیار و ارادے کا ہے ---------- 102
افزائش نسل کے سلسلہ میں حیوانات کی جہلت کی ایک اور مثال ---- 102
حیوانی سطح زندگی کے بعد انسانی سطح زندگی کی اقدار کی
قدر و قیمت کا معاملہ ---------- 103
کفر اور ایمان کی زندگی میں کشمکش کا انحصار حلال وحرام
میں فرق پیدا کرنے میں ہے ---------- 103
بل ہم اضل کی کیفیت کا عملی مظاہرہ ---------- 103
اجتماعی طور پر کافر اور مومن میں فرق ---------- 104
انسان کو اپنی جرأت اور مردانگی کا ثبوت دینا ہوگا ---------- 104
آدمی کے بعد انسان، انسان کے بعد مومن اور متقی اور متقی
کے بعد متقیوں کی امامت کے حصول کی دعا ---------- 104
آج کرہ ارض پر انسانی زندگی دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے ---------- 105
تصوف کی طرف سے پیش کردہ فلسفہ حیات ---------- 105
مومن کی زندگی کا شعار یہ ہے کہ خود کو ہمیشہ فتنہ
سے محفوظ رکھتا ہے ---------- 105
انسانی زندگی مختلف لوازمات کا مجموعہ ہے جن سے
انسان کو نبرد آزما ہوتے ہوئے کندن بن کر نکلنا ہے ---------- 106
طبعی زندگی کی ضروریات کو پورا کرنے کے دوران ان
چیزوں کی نشاندہی جس کو پیش نظر رکھنا از بس ضروری ہے ---------- 106
قرآن حکیم کی ہدایات کو سامنے نہ رکھنے کا نتیجہ جہنم ہے،

تباہی ہے، بربادی ہے ---------- 107
ہم ہیں کہ جہنم میں موجود ہونے کے باوجود، جہنم کو
محسوس نہیں کرتے ---------- 107
قرآن حکیم کے نزدیک سانس لینے کا نام زندگی نہیں ہے --------- 108
اگر کائنات کا خلاق بھی انسانی معاشرے کی بیماری سے
آگاہ نہ ہو تو پھر کون ہوگا ---------- 108
قرآنی قوانین کی نگہداشت کا نتیجہ محسوس شکل میں دنیا
کی امامت اور فضل عظیم کی شکل میں برآمد ہوتا ہے ---------- 109
فضلِ عظیم تو انسانی سوچ سے کہیں زیادہ اہمیت کا حامل ہے ------- 109
کہاں ہمارے ہاں کے تراجم کی نوعیت اور کہاں جنگ بدر
کے لیے یوم الفرقان کی معرکہ آرائیاں ---------- 109
جنگ بدر کے سلسلہ میں شرکت کرنے والوں کی لازوال
قربانی کی نوعیت اور یوم الفرقان کی عظمت ---------- 110
نبی اکرم ﷺ کے خلاف کفار کی طرف سے ہونے والی
مختلف تدبیروں کا ذکر ---------- 110
عالم اسباب میں ہر پروگرام کی تکمیل اسباب کی ہی
رہین منت ہوتی ہے ---------- 111
خالق کائنات کی طرف سے نوع انسانی کی حد تک ہر دور،
ہر قوم کے ایک ایک فرد کو کھلا چیلنج ---------- 111
قرآن حکیم کے پیش کردہ نظام حیات کے مقابلے میں
کوئی انسان بھی اک سورۃ تک بھی پیش نہیں کر سکے گا ---------- 112
خدا کے ہاں نظام حکومت کا طریق اور لفظ عذاب کا
مفہوم اور پھر مغضوب علیہ قوم کی کیفیت ---------- 112
صدیوں سے ملت اسلامیہ کی اس زبوں حالی کی بنیادی
وجہ صرف سوچ کا فقدان ہے ---------- 113

پانچواں باب: **سورۃ الانفال** (آیات 33 تا 41)

قرآن حکیم کے نزدیک غور وفکر کی اہمیت کے برعکس
انسانوں کی تکذیبی روش ---------- 114
قرآن حکیم کی اصطلاحات کا بنیادی مفہوم سمجھے بغیر قرآن حکیم
کا پیش کردہ فلسفہ حیات سمجھ میں نہیں آسکتا ---------- 115
نزولِ قرآن حکیم کے وقت مذہب پرستی کے باعث انسانی
ذہن فوق الفطرت باتوں کا عادی تھا ---------- 115
قرآن حکیم میں جنگ بدر سے لے کر فتح مکہ تک ہونے
والی جنگوں کا ذکر ---------- 116
قرآن حکیم نے اپنے ہاں استعمال ہونے والے الفاظ
کے علاوہ اپنی تمام اصطلاحات کا مفہوم بھی مکمل طور پر
پیش کر رکھا ہے ---------- 116
علامہ غلام احمد پرویزؒ کی طرف سے مرتب ہونے والی
لغات القرآن کی خصوصیات ---------- 116
آج کے دور میں قرآن حکیم کی اصطلاحات کو سمجھنے کا طریق ------- 117
اہل قریش پر یہودی اور عیسائی مذہب پرست قوموں
کے اثرات ---------- 117
پورے حجاز میں نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس کے مقام
بلند کی اہمیت لیکن نبوت کے اعلان پر مخالفت کی
یہ کیفیت کیوں؟ ---------- 118
نبوت کے فرائض منصبی ادا کرنے کے سلسلہ میں آپ ﷺ
کی عظمت کی گواہی خدائے علیم نے دی ---------- 118
خدا کے نبی کے لیے تو ہجرت بھی احکام الٰہی کے بغیر
قبل از وقت نہیں ہوتی ---------- 119
خدائے رحیم وکریم کی رحمانیت تو انسان کو آخری حد تک
صحیح روش اختیار کا موقعہ فراہم کرتی ہے ---------- 120
میدان بدر میں قریش کو اس قدر ذلت امیز شکست ہوئی
کہ انہیں شرم کے مارے رونے کی بھی اجازت نہ تھی ---------- 120
قرآن حکیم کے الفاظ میں عذاب کی یہ شکل تھی ---------- 121
کعبہ کا مملکت اسلامیہ کا مرکز قرار پانا نبی اکرم ﷺ
کی شدت آرزو کے اظہار کی تکمیل تھی ---------- 121

فتح مکہ کا جذبہ محرکہ کعبہ کو مرکزِ ملت کا مقام عطا کرنا تھا
جہاں سے الناس کے لیے خدا کی حاکمیت کی آواز بلند ہو ---------121
کعبہ کی موجودہ کیفیت کے سلسلہ میں ہمارا کردار ----------122
قبل از اسلام کعبہ کی عظمت اور وہاں ہونے والے اجتماعات
کی نوعیت----------122
حج کے پروگرام میں یا اجتماعات میں پیدا ہونے والی
رکاوٹوں کا ذکر ----------122
آج ہمارے ہاں حج اور مناسک حج کی ادائیگی کی عملی
شکل وصورت----------123
مناسک حج کے سلسلہ میں شیطان کو سنگ سار کرنے کی نوعیت -----123
خانہ کعبہ کو مرکز ملت کے تحت اقدارِ خداوندی کی فرمارروائی
کے مقصد کو پورا کرنے کے راستے میں کون لوگ حائل ہیں --------124
دین خداوندی میں فرقے پیدا کرنے والا شخص تو مشرک ہے ------124
کعبے میں چار مصلّوں کے وجود کا ذکر ----------125
جنگ بدر کا منتہا کعبے کی تولیت کو اہل توحید کے ہاتھ میں دینا تھا ----125
سال بسال دارالعلوموں سے فارغ ہونے والوں کا
معاملہ اور پھر قدم قدم پر تعمیر ہونے والی مساجد اور باہمی جھگڑوں کا سلسلہ
دراز ----------125
خدا تعالیٰ کے راستے میں رکاوٹ بننے کی خاطر مال ودولت
خرچ کرنے والوں کی ناکامی کا ذکر ----------126
میدان جنگ میں کسی قوم کی شکست میدان سیاست کی
مغلوبیت کے مقابلے کوئی معنے ہی نہیں رکھتی----------127
پچیس لاکھ مغضوب علیہ قوم کے ہاتھوں بیس تیس کروڑ
مسلمان قوم شکست سے دوچار ہوئی ----------127
تاریخ عالم میں ملت اسلامیہ کو اس قدر ذلت امیز شکست
ہونے کی وجہ جواز ----------127
الٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دعا نے کام کیا----------128
ایک لاکھ فوج کو خود ہندوؤں کے سپرد کر دیا گیا----------128
قدرت کے نزدیک مکافاتِ عمل کا ترازو بدقماش
اور طیب قوموں کو علیحدہ علیحدہ کر دیتا ہے ----------129
لفظ خبیث اور طیب کے مفہوم کی وضاحت ----------129
کسی قانون کی حکمرانی اس وقت شروع ہوگی جب وہ نافذ ہوگا -----130
قرآن حکیم میں بیان کردہ تاریخی واقعات کو بیان
کرنے کا مقصد ----------130
کسی سرکش فتنہ کو ختم کرنے کا تو مقصد دوسروں کی مذہبی
آزادی کا تحفظ کرنا ہے ----------131
قرآن حکیم کے نزدیک قانون کا احترام تو دل ودماغ
کی رضامندی سے مشروط ہے ----------132
لفظ اطاعت کا لغوی مفہوم----------132
عربوں کے ہاں کی معاشرتی اور تمدنی زندگی کی کیفیت ----------133
اہل عرب تو دشمن کی عورتوں کو بھی مالِ غنیمت ہی تصور کرتے
تھے اور یہی کچھ آج کیا جارہا ہے ----------133
قرآن حکیم کے نزدیک جنگ کے اغراض ومقاصد ----------134
مجاہدین کے لیے جذبہ محرکہ کے پیش نظر ان کی اپنی
ذات کی نشوونما ہوتی ہے ----------134
جہاد کا جذبہ کسی صورت میں بھی حرام قرار نہیں دیا گیا
اور نہ ہی کسی کو زبردستی مسلمان بنایا گیا----------135
عہد فاروقی t میں ایران کی فتح کا مختصر سا ذکر اور مالِ
غنیمت کی تفصیل ----------135
سربراہ مملکت کا کردار ہی مملکت کے افراد کو متاثر کرتا ہے ---------136

چھٹا باب: **سورۃ الانفال** (آیات 42 تا 54)

بیماری کی نقاہت کے باوجود محترم پرویز صاحب کی
طرف سے ڈیڑھ گھنٹے کا پورا درس جس میں جنگ بدر کا
پس منظر بیان کیا گیا ہے ----------137
دینِ خداوندی کے تحت کعبہ کو نہ تو یاترا کا مقام تھا اور نہ
ہی کسی کو مہنت یا پجاری بننے کی اجازت تھی ----------138

اہل قریش کی طرف سے مخاصمت کی اصل وجہ وہاں
قریش کی ممتاز پوزیشن کو خطرہ تھا---139
مدینہ منورہ کے انصار کے علاوہ مہاجرین مکہ کے بے
سازوسامان آنے والوں کی معاشی حالت کا ذکر ---139
شام سے مکے کی طرف مدینے کے قریب سے ایک
گزرنے والے ایک قافلے کا تفصیلی ذکر اور پھر قرآن حکیم
کا ارشاد ---140
قرآن حکیم کے نزدیک انسانی زندگی کا ایک اہم ترین اصول ---141
زندگی قدم قدم پر اپنے استحکام کے لیے انسانی صلاحیتوں
کے ٹیسٹ کی طلب گار ہے ---141
زندہ رہنے کے لیے انسان کو عافیتوں کے حصاروں سے
نکلنا ہوگا ---141
خوف وحزن کی گرفتگی ہمیشہ بے شرف زندگی کے جال میں
الجھی رہتی ہے ---142
حیات جاوداں تو ہر آن ٹکراؤ کے ثبوت کی طلب گار ہے ---142
جنگِ بدر کی کامیابی اور کامرانی نے مستقبل کی کامیابیوں
پر تصدیق مثبت کر دی---143
زندگی میں خطرات کا مقابلہ کیے بغیر انسانی صلاحیتیں
نشوونما پا ہی نہیں سکتیں ---144
عزم وہمت کے تحت اصول حیات پر مبنی زندگی انسانی
نفسیات میں ایک اچھا انقلاب پیدا کر دیتی ہے کہ کوئی
چیز مشکل نہیں رہتی ---144
ایمان کی پختگی انسان میں یقین محکم پیدا کر دیتی ہے ---144
انسانی ذات کی پختگی کے سلسلہ میں تغیر نفس ایک لازمی جز ہے ---145
جنگ بدر میں کفار کی قلبی کیفیت میں ایک بنیادی فرق تھا ---146
انسانی زندگی کے تمام امور کے فیصلے تو خدا تعالیٰ کے
اٹل قوانین کے مطابق ہوتے ہیں ---146
اقدار خداوندی کے نفاذ کی خاطر ہر ہر قدم پر عقل وفکر کو
پیش نظر رکھنا ذکر اللہ کہلاتا ہے ---147
لفظ تنازع کا بنیادی مفہوم اور اس کا عملی نتیجہ انسانی
صلاحیتوں کو پاش پاش کرنے کا ہے ---147
زندگی ایک اکائی ہے اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہی نہیں جا سکتا ----148
جو گھر کی زندگی میں راست باز نہیں وہ باہر بھی نہیں ---148
شیطان کی طرف سے غلط اعمال کو مزین بنا کر دکھانا'
بڑا خطرناک حربہ ہوتا ہے ---149
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک قول کہ مومن نہ دھوکہ دیتا ہے
اور نہ دھوکہ کھاتا ہے ---149
اصول پرستی اور پاکیزگی سیرت انسان کے لیے سب
سے بڑی قوت ہے ---150
خدا کی راہ میں جان دینے والوں کی قوت ایمانی کی نوعیت --------150
ابنائے نفسیات کے نزدیک حقیقت نزع کی کیفیت ---150
غلط نظام کی بنا پر قوموں کی تباہی وبربادی کے عذاب کی کیفیت ----151
عربوں کے ہاں زبان بنانے کا طریق اور لفظ شدید العقاب
کا مفہوم اور اس کا استعمال ---151
عالمی سطح تک لفظ تقدیر کا غلط مفہوم اور اس کے اثرات ---152
انسان ہو یا کوئی قوم اس کو پہلے خود اپنے اندر نفسانی
تبدیلی پیدا کرنی ہوگی---152
ذات خداوندی انسانی اعمال کے مطابق ہی اس کے
نتائج مرتب کرتی ہے ---153
لفظ تغیر کا وہ مفہوم جس کے تحت محرب اسے استعمال کرتے تھے-----153
سفر زندگی کے دوران اگر کسی قوم کے انتظامی امور میں
فرق آجائے تو پھر منزل کا حصول یقیناً مشکل ہو جاتا ہے ---------154
عمل صالح کے لیے ایمان کی ضرورت ایک لازمی جز ہے --------154
جیسا ایمان ویسا عمل' ویسا کردار۔ جیسی روح ویسے فرشتے ---------155
بچوں کی تعلیم وتربیت کا تمام تر انحصار ان کی نفسیاتی بنیاد پر
استوار ہوتا ہے ---155

آج ہم جس قومی سطح پر معاشرتی تباہ حالی اور آوارگی کا رونا
رو رہے ہیں اس کی وجہ جواز ---------- 155
قرآن حکیم کے ارشاد کے مطابق قوموں کا عروج وزوال
نفسانی تبدیلی کا رہین منت ہوتا ہے ---------- 156
قوموں کو جہان نو سے ہم کنار کرنے کے سلسلہ میں سب
سے بڑا معجزہ صرف نفسانی تبدیلی ہے اور یہی سنت
رسول ﷺ ہے ---------- 156

ساتواں باب: **سورۃ الانفال** (آیات 55 تا 60)

انسانی نفسیات دو قسم کی مظہر ہوتی ہیں ایک کفر اور دوسری ایمان ---- 158
کفر کی زندگی اور Value کے مطابق زندگی میں
فرق کی نوعیت ---------- 159
کسی زبان کے اندر محاوروں کی اہمیت اور ہماری کوتاہ
نظری۔ مال صدقۂ جان اور جان صدقۂ آبرو کا حقیقی مفہوم -------- 159
Value کی قدر و قیمت کی وضاحت ---------- 160
شب قدر کی اہمیت دراصل قرآن حکیم کے نزول کی
اہمیت ہے جو انسانی Value اور حیوانی Value میں فرق کرتا ہے 160
انسانی Value اور حیوانی Values ہمیشہ اپنی اپنی جگہ
ایک جیسی ہی رہتی ہیں ---------- 160
کفر اور ایمان کا سوال تو حیوانات کے سلسلہ میں پیدا ہی
نہیں ہوتا یہ فرق تو انسانی اقدار میں پڑتا ہے ---------- 161
ایمان کی بنیاد یقین محکم پر استوار ہوتی ہے ---------- 161
عقل وبصیرت اور دلیل و براہین کے بغیر عیسائیت کے
ہاں گناہوں کی معافی کے لیے خون بہا کے عقیدے
کی وضاحت ---------- 163
قرآن حکیم کے فرمان کے مطابق خون بہا کے تصور
کی حقیقت اور پھر ایمان لانے کی بنیادی خصوصیت ---------- 163
ایمان یقین کے بغیر مکمل ہی نہیں ہوسکتا جبکہ یقین محکم
دلیل و براہین کا متقاضی ہوتا ہے ---------- 163
قرآن حکیم کے نزدیک دلیل و براہین کی اہمیت اور
توہم پرستی کی وجوہات ---------- 164
حیوانی سطح زندگی کے برعکس انسانی سطح زندگی کی قدر و قیمت ------- 164
تیسری جماعت چاندی کی انگوٹھی پہ سونے کا چڑھاؤ ---------- 165
انسانی ذات کا استحکام ہی اصل جوہرِ حیات ہے ---------- 165
لفظ کفر وا اور شرا الدوآب کا لغوی اور قرآنی مفہوم اور
ہمارے ہاں کے تراجم ---------- 166
حیوانی سطح زندگی میں انسانی صلاحیتیں پامال ہوجاتی ہیں --------- 166
انسانی زندگی کی اقدار پر یقین رکھنا شرطِ اوّلین ---------- 166
زندگی کے معاملے میں قرآنی اقدار کو پیش نظر نہ رکھنا
ہی حیوانی زندگی ہے ---------- 167
ہمارے ہاں مسلمان اور کافر کے لفظ کے استعمال کی نوعیت
اور پھر الہام اور شفاعت کا تصور عیسائیوں کے نزدیک کفارے کا
پایا جانے والا عقیدہ ---------- 167
جنگ اور جہنم کے متعلق قرآنِ حکیم کا فرمان ---------- 168
قرآن حکیم میں لفظ نظر اور بصر کے استعمال کا انداز اور
بصر کی اہمیت ---------- 168
کسی کے ساتھ کئے گئے معاہدہ کی یا وعدہ کی پاس داری
کی قدر و منزلت ---------- 169
پاکستان ریڈیو پر ایک بہت بڑے علامہ صاحب کی
طرف سے قرآنِ حکیم پر ایک تفسیری بیان ---------- 171
کیا قرآن حکیم میں ربط نہیں یہ مجمل ہے، نامکمل ہے، اس
میں تضاد بھی ہے؟ ---------- 171
قرآنی اقدار سے لاتعلقی کا نتیجہ اور پھر اس کا اعلاج ---------- 172
انسانی اقدار سے لاتعلقی کے علاوہ دنیا بھر کی قوموں
کے ہاں آج مذہب صرف چند ایک رسومات کا نام ہے ---------- 172
باہمی طور پر کئے جانے والے معاہدہ کے متعلق قرآن حکیم
کی واضح اور دوٹوک ہدایات ---------- 173

دوسروں پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے اپنی سرحدوں پر
گھوڑے کس کر باندو ---------- 174
سقوطِ ڈھاکہ ہمارے لیے ایک بہت بڑا تازیانہ تھا
جس کی ترجمانی پارلیمنٹ میں انداگاندھی کی تقریر تھی ---------- 174
اکھنڈ بھارت کے پروگرام کا اصل مقصد قرآنی نظام
حیات کی مخالفت تھی اور ہے ---------- 175
ہندو یا انگریز دین کی مخالفت مذہب کی حفاظت کی
آڑ میں کرتا تھا ---------- 175
قرآنی حکومت یا اسلامی مملکت کی سرحدوں کی حفاظت
دین کے نظام کی حفاظت کرنا ہے ---------- 175
فوج کے علاوہ باقی قوم کا فریضہ اور فی سبیل اللہ کے
حکم کی وضاحت ---------- 176
قرآن حکیم کا پورا معاشی نظام فی سبیل اللہ' انفاق' متاع
اور زکوٰۃ کے اِن چار لفظوں پر محیط ہے اور اسی کا نام دین
اسلام ہے ---------- 176
نظام سرمایہ داری کی بنیاد لینے پر ہے دینے پر نہیں ---------- 177
قرآن حکیم کے معاشی نظام کی مثال تو مصر کے بازار میں
حضرت یوسفؑ کو فروخت کرنے اور زلیخا کے خریدنے
کا معاملہ ہے ---------- 177

آٹھواں باب: **سورۃ الانفال** (آیات 61 تا اختتام)

وحی کا مقصود یہ ہے کہ نوع انسانی باہمی جنگ وجدل کی
بجائے انسانیت کی سطح پر علم وحکمت کے اس مقام تک
پہنچ جائے کہ جنگ از خود ہتھیار رکھ دے ---------- 180
قرآن حکیم کی روشنی میں اُمت مسلمہ کا فریضہ ظلم کا خاتمہ
ہے جس کے لیے قتال کی اجازت ہے ---------- 180
آج کرہ ارض پر کوئی قوم بھی اپنے اوپر کئے گئے ظلم کا
تدارک نہیں کر سکتی ---------- 181
قرآنی معاشرے کی بنیاد پر امت مسلمہ کا وجود ناگزیر
ہے تاکہ ملت اسلامیہ ہر قسم کی سیاسی اور مذہبی فرقہ بندی
سے آزاد ہو ---------- 181
ہندوستان میں جہاد کے متعلق انگریز کی طرف سے کی
جانے والی ایک گہری سازش ---------- 181
پچھلی آیات کی چند ایک جھلکیں جو میدان جنگ کے
لیے ضروری ہیں ---------- 182
خدائے علیم کی طرف سے ملنے والی رہنمائی یقیناً نتیجہ خیز
ثابت ہوگی ---------- 183
میدان جنگ میں بھی جذباتی کیفیت کی بجائے تدبر
اور عقل وہوش سے کام لینا ہوگا ---------- 183
فوری طور پر پہلے ہی کسی شخص کے متعلق بدگمانی نہیں
کر لینی چاہیے ---------- 183
حضرت عمر فاروق کا ایک عظیم قول اور قرآنی راہنمائی کا طریق ----- 184
لفظ حَسْبَکَ اللّٰہُ کا عملی مفہوم ---------- 185
نصرتِ خداوندی کا مفہوم خدا کی طرف سے راہنمائی
کا ملنا ہوتا ہے ---------- 185
رسول اکرمؐ کے ساتھ جماعتِ مومنین کی جانفشانی
اور رفاقت کی اہمیت ---------- 185
جماعت مومنین کی رفاقت کی خصوصیت قرآن حکیم
کے الفاظ میں کہ ان کے دل ایک دوسرے کے
ساتھ ملے ہوئے ہوں ---------- 186
عربوں کے ہاں لفظ تالیف یا الفت کی عملی شکل
اور اس کی قدر ومنزلت ---------- 186
باہمی طور پر دلوں کی اس ہم آہنگی کا تمام تر دارومدار
فکر قرآنی کا ہی زمین منت تھا ---------- 186
نبی اکرمؐ کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے زادِ راہ کی
وضاحت اور ہمارے ہاں کے تراجم کا نتیجہ ---------- 187

آپؐ کی زندگی کے بعد خود ساختہ تاریخ کے تحت مومنین
کو جنگ جمل کی شکل میں دو صفحوں میں کھڑا کر دیا---------- 187
تاریخ ان مومنین حقہ کو ایک دوسرے کے ساتھ لڑا بھی
رہی ہے اور پھر ہم ان کو شہید بھی کہہ رہے ہیں ---------- 188
10 ہزار کے بعد دوسری جنگ میں 70 ہزار شہید ہوئے
علاوہ ازیں لفظ من کے سلسلہ میں کئے گئے تراجم کی نوعیت-------- 188
لفظ حرض، کا حقیقی مفہوم یعنی تعلیم و تربیت کی کمیوں کو
پورا کرنے کے ہوتے ہیں ---------- 189
نوع انسانی میں نبی اکرمؐ کا مقامِ بلند تو کمانڈر ان چیف
کی حیثیت سے تھا اور ہے ---------- 189
مقام نبوتؐ کے بعد مقام مومن حاصل کرنے کے لیے
مختلف شرائط کی تفصیل ---------- 190
1965 کی جنگ میں واہگہ سرحد پر سکھوں کے لیے
شراب کے ڈرم کے ڈرم ---------- 191
میدان جنگ میں وحی کی طرف سے دی گئی راہنمائی کے
نقوش اور ہماری حالتِ زار ---------- 191
ایک بار پھر غلط تراجم کی وہ کیفیت جو قابل غور ہے ---------- 191
جنگ کے بعد مالِ غنیمت کے سلسلہ میں دی گئی راہنمائی
اور اس کا نتیجہ ---------- 192
وحی کے نزدیک جنگ کے محرکات کے تعین کرنے کا
بنیادی مقصد ---------- 193
اسلام کی پہلی جنگ بدر کے سلسلہ میں مجاہدین کے لیے
قرآن حکیم کی طرف سے دی گئیں ہدایات---------- 193
جنگ کے سلسلہ میں قرآن حکیم کی طرف سے قیدیوں
کے ساتھ کیا جانے والا سلوک اور آج کی جنیوا کنونشن ---------- 194
جنگ کے قیدیوں کے سلسلہ میں ایک قدم اور آگے
بڑھانے کا نتیجہ ---------- 195
جنگِ بدر کے بعد ایک نئی امت کی تشکیل اور اس کی خصوصیات ----- 195
کفار کی عمل داری میں اسلامی مملکت کا قیام کسی طرح
بھی ممکن نہیں ہوسکتا ---------- 196
وحی کی طرف سے 14 سو سال پیشتر ملنے والے قوانین آج
بھی انسانیت کے لیے راہنمائی کا باعث ہیں اور رہیں گے ------- 196
کفر خواہ کسی شکل میں ہو دین کی مخالفت میں ہمیشہ یہ یک
جان ہوتا ہے ---------- 197
وہ تمام صحابہ اکرامؓ جنہوں نے ہجرت کی اور جنہوں نے
ان کو پناہ دی یہ سب کے سب مومن حقاً تھے ---------- 197
تین سو سال کے بعد لکھی گئی تاریخ نے ملت اسلامیہ
کو تباہ کر دیا ہے ---------- 198
مجموعہ بخاری کے متعلق جمعیت اہلحدیث کے صدر مولانا
اسماعیل مرحوم کا فرمان ---------- 198
مرتد کی سزا قتل کے متعلق مفتی محمود صاحب اور جناب
مولانا مودودی صاحبؒ کا فتویٰ ---------- 198
قرآن حکیم کی روشنی میں ایک نئی تاریخ مرتب کرنے کی ضرورت --- 199
تمدنی زندگی میں حقوق کے معاملہ میں قرآن حکیم کی وضاحت ----- 200
صحابہ اکرام کی خصوصیات اور قرآن حکیم---------- 200

پہلا باب: **سورۃ الانفال** (آیات 1 تا 4)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(نومبر 1972ء کی تاریخ کے درس کے آخر میں سورۃ الاعراف کے ختم ہونے کے بعد' سورۃ الانفال کی آیت نمبر 1 کا درس)۔

ہمارے ہاں لفظ نفل کا استعمال جو حقیقت کے خلاف ہے

انفال' لفظی اعتبار سے نفل کی جمع ہے۔ ہمارے ہاں تو یہ نفل یہ ہو گئے نا کہ یہ جو پڑھتے ہیں ہر نماز کے بعد وہ نفل ہوتے ہیں۔ اور وہ مقام ہوتا ہے نفل پڑھنا۔ یہ اللہ میاں سے کچھ نذر مانتے ہیں منت مانتے ہیں کہ میرا یہ کام ہو جائے تو میں اتنے روپوں کی نیاز دوں اتنے روپے فلاں کام کے لیے دوں۔ ہمارے ہاں کاروباری ذہنیت ہوتی ہیں ان کی کیفیت ہوتی ہے کام تو ان کو روز اللہ میاں سے پڑھتے ہیں۔ تو وہ یہ پھر منت مانا کرتے ہیں کہ ''اے اللہ! ایس سودے دے وچ مینوں ہزار روپیہ بچ جائے نا تے میں سو نفل پڑھاں' یعنی پیسہ نہ دینا پووے او ہدے اچ'' کاروباری تھے نا۔ ویسے نیاز بھی عام طور پہ سوا روپے کی ہوتی ہے' پہلے زمانے میں ہمارے بچپن میں تو پانچ پیسے کی ہوتی تھی۔ لیکن بہر حال ''اے اللہ میاں نال وی سودا کر دے نیں'' اگر اس سودے میں مجھے ہزار روپے کا نفع ہو جائے تو میں سو نفل پڑھوں ''پلیوں نہ جائے''۔ وہ مرنے لگا تھا تو وہ جان نکل نہیں رہی تھی تو پاس والے نے کہا' بڑی جان کنی کے عذاب سے موت آ رہی ہے' سخت عذاب ہو رہا ہے' کچھ دے اللہ کے نام پہ' کہنے لگا جان تو دے رہا ہوں اور کیا دوں۔ انفال نفل کی جمع ہے' نفل کے معنی ہمارے ہاں یہ ہوتے ہیں۔ عظیم چیز ہیں یہ قرآن کے پروگرام۔ آپ کو یاد ہے قرآن کے معاشی پروگرام کی انتہا یہ ہے کہ **يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ** (2:219) یہ پوچھتے کہ ہم جو کچھ ہمارے پاس ہے' اس میں سے دوسروں کی ضروریات کے لیے کتنا دیدیں' کہا جتنا تمہاری اپنی ضرورت سے زائد ہے سارے کا سارا' تم نے رکھ کے کیا کرنا ہے زائد از ضرورت۔ سورۃ اعراف میں (7:199) **خُذِ الْعَفْوَ** ہے **وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ** جہاں آیا تھا۔ حضور ﷺ سے یہ کہا کہ اب اس معاشی نظام کی انتہا تک' آخری منزل تک پہنچ گئے ہیں' وہاں اب صورت یہ ہوگی کہ جتنا بھی دوسروں کی ضرورت سے زائد ہے ان سے کہو کہ بڑی محنت سے کمائی کریں اور اس کے بعد کم از کم اپنی

ضروریات کے لیے رکھ کے باقی جتنا بھی ہے' وہ انسانیت کی' ضرورت مندوں کی ضروریات کے لیے دیدیں' جن کی ضروریات ان کی محنت سے پوری نہیں ہوتیں۔ اور وہ انفرادی چیز نہیں ہے' یہ ایک نظام ہے جہاں یہ چیز اکٹھی ہوگی اور ضرورت کے مطابق تقسیم کی جائے گی۔

انفال کے لفظ کا لغوی مفہوم اور اس کا استعمال

یہ جو زائد ہوتا ہے کسی کے پاس' کوئی چیز زائد جو ہوتی ہے' ایک چیز تو واجب ہو جاتی ہے نا اور ایک ہوتی ہے اس سے زیادہ بڑھوتی کی چیز' اسے عربی زبان میں نفل کہتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ چیز جو وہاں کہی گئی تھی نا کہ زائد از ضرورت جو ہے وہ دیدینا چاہیے' اسی کے لیے یہ لفظ انفال آیا ہے یہاں۔ ہمارے ہاں عام طور پہ اس کے معنی مال غنیمت کے کیے جاتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں یہ صحیح نہیں کیونکہ اسی سورۃ میں ذرا آگے چل کے غنیمت کا لفظ الگ آیا ہے اور ایک دفعہ نہیں کئی مقامات پہ قرآن میں غنیمت کا لفظ آیا ہے (8:41,8:69,48:19-20)۔ وہ مال غنیمت اور ہے' میدان جنگ میں دشمن کا مال جو ہاتھ آ جائے' وہ مال غنیمت ہوتا ہے۔ اس کے لیے احکام بھی اور ہیں کہ اتنا حصہ حکومت کے خزانے میں آئے گا اتنا حصہ سپاہیوں میں بانٹا جائے گا' یہ احکام اور ہیں۔ یہاں انفال کہا ہے قرآن نے' اس لیے یہ مال غنیمت کے متعلق نہیں' میں سمجھتا ہوں کہ یہ وہی چیز ہے زائد از ضروریات ان میں ہو سکتی ہیں یا تو یہ کہ مرکز اور صوبوں کے درمیان وہ معاشی فیصلے ہوں۔ ان میں ہو سکتا ہے کہ صوبوں کی تحویل میں ہم کچھ بجٹ دیدیں ان سے کہیں کہ اپنے ترقیاتی پروگرام اس خرچ میں سے تم کرتے رہو۔ سال کے بعد بجٹ کے آخر میں جا کے وہاں سے جو بچ جائے' وہ بھی انفال میں داخل ہو جائے۔ اور یہ افراد کے پاس ان کی ضروریات سے زائد ہوگا وہ بھی انفال میں داخل ہوگا۔

قرآن حکیم میں اللہ اور رسول کے الفاظ صرف اسلامی حکومت کے لیے مختص ہیں

کہا یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡاَنۡفَالِ (8:1) یہ پوچھتے ہیں تم سے کہ جو ضرورت سے زائد چیز بچ جائے ہمارے پاس' وہ کس کا مال ہے۔ کہا قُلِ الۡاَنۡفَالُ لِلّٰہِ وَ الرَّسُوۡلِ (8:1) قرآن میں جہاں بھی اللہ اور رسول آتا ہے عزیزانِ من! وہ مرکز اسلامی حکومت کا ہوتا ہے۔ جو بھی اسلامی حکومت ہو' یاد رکھیے! مسلمانوں کی حکومت نہیں' اسلامی حکومت۔ اس میں بڑا فرق ہے۔ اسلامی حکومت گویا نوعِ انسانی کی عالمگیر نشو ونما کے لیے وجود میں آتی ہے۔ اس کی جو سنٹرل اتھارٹی ہوتی ہے' مرکزی اتھارٹی جو ہوتی ہے اُسے قرآنِ کریم نے اللہ اور رسول کی اصطلاح سے تعبیر کیا ہے۔ اصل میں تو حکومت خدا ہی کی ہوتی ہے لیکن سب سے پہلے چونکہ اس کے رسول نے اسے عملاً قائم کیا تھا اس لیے یہ مرکزی اتھارٹی جو تھی اس اعتبار سے یہ رسول ہو جاتا ہے۔ قرآنِ کریم میں بڑے مقامات آئیں گے جہاں بڑی وضاحت سے یہ بات کہی گئی ہے کہ یہ جو سنٹرل اتھارٹی ہے جس کے اوپر کوئی اتھارٹی نہیں ہوتی۔ یہ اس کے لیے یہ اصطلاح آتی ہے۔ کہا یہ گیا کہ یہ جو ہے افراد کی زائد از ضرورت کی یہ چیزیں' کہا کہ یہ جو ہے یہ کسی کے پاس رہنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

غیر قرآنی معاشرے کی صورت میں ذاتی تحفظ کرنا بڑا ضروری ہے

میں نے عرض کیا ہے کہ اسلامی حکومت میں تمام افراد معاشرہ کی بنیادی ضروریاتِ زندگی بہم پہنچانا حکومت کا فریضہ ہوتا ہے۔ تو جب ضروریات کی ذمہ داری حکومت پہ آ جاتی ہے تو زائد از ضرورت جو کسی کے پاس ہے' وہ رکھنا کاہے کے لیے ہے۔ یہ تو ہم رکھتے ہیں نا کہ کل کو اگر وقت پڑ گیا تو کوئی بھی مدد نہیں کرتا' ایسے برے وقت کے لیے ہم یہ کچھ رکھ لیتے ہیں۔ اور نہایت ضروری ہے یاد رکھو! ایسے معاشرے میں جہاں قرآن کا معاشی نظام نہ ہو' بڑا ہی ضروری ہے کہ ہر ایک اپنے اپنے متعلق کچھ کر لے کوئی کسی کی مدد نہیں کرتا اس معاشرے کے اندر۔ اور پھر بیچارے وہ جو اولاد کو' چھوٹے چھوٹے بچوں کو چھوڑ کے مر جاتے ہیں ان کا تو پوچھو نہیں کیا حشر ہوتا ہے (2:266,4:9)۔ لیکن اسلامی مملکت تو اس طرح سے افراد کو نہیں چھوڑتی وہ پوری ذمہ داری نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ (6:151) تمہاری بھی اور تمہاری اولاد کی بھی رزق کی ذمہ داری ہمارے اوپر ہے۔ تو جب یہ رزق کی ذمہ داری لے لے تو یہ دردِ سر ہم مول کا ہے کے لیے لیں کہ خوامخوہ کے لیے یہ اپنے ہاں رکھا ہوا ہے۔ کاہے کے لیے رکھا ہوا ہے' کہا اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اس زندگی کی روزمرہ کی ضروریات وہاں سے پوری ہوتی چلی جاتی ہیں۔ وقت پڑنے کے اوپر تم میں سے کوئی بھی یتیم نہیں رہے گا۔ یتیم کے معنی تنہا رہ جانے والا ہے نا' صرف وہی نہیں کہ جس کے ماں باپ مر جائیں۔ ہم ذمہ دار ہیں تمہارے بھی تمہاری اولاد کے رزق کے بھی۔ تو یہ تم نے خوامخوہ کے لیے دردِ سر مول کیوں لینا ہے۔ یہاں تو صورت یہ ہوتی ہے کہ

آلامِ روزگار کو آساں بنا دیا
جو غم ملا اسے غمِ جاناں بنا دیا

جو مشکل آ کے پڑی' ریفر کی حکومت کی طرف' اس نے حل کر دیا۔ تم نے کاہے کے لیے رکھنا ہے۔ کہا کہ یہ اللہ اور رسول کے لیے ہے۔

ہمارے ہاں کیے گئے قرآنی تراجم معیار پر پورے ہی نہیں اترتے۔ لفظ صلح کا قرآنی مفہوم تو کسی کی کمی کو پورا کرنا ہوتا ہے

فَاتَّقُوا اللّٰهَ (8:1) یاد رکھو! احکامِ خداوندی کی نگہداشت کرو' ان کی خلاف ورزی کے تباہ کن نتائج سے خوف کھاؤ' احتیاط برتو' ان قوانین کی نگہداشت کرو۔ آگے لفظ ہے وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ (8:1) ۔ عام ترجمہ: آپس میں صلح صفائی رکھو۔ میں عرض کر رہا ہوں کہ کس کس مقام پہ میں کھڑا ہو کے کہتا چلا جاؤں کہ ترجمہ دیکھیے اور دیکھیے کہ یہ خود عربی زبان میں قرآن کریم کے دسرے مقامات میں۔ عزیزانِ من! یہی طریقہ ہے قرآن سمجھنے کا کہ محاورۂ عرب سے سمجھئے کہ عربی زبان میں اس کے معنی کیا لیے جاتے تھے' قرآنِ کریم نے اس کی تشریح دوسرے مقامات میں کیا کی ہے۔ صلح کے معنی ہمارے ہاں تو یہ جھگڑا مٹا دینا ''صلح صفائی والی گل ہے نا'' کہ صلح کر لو صاحب۔ بلکہ ایک صلح تو اور بھی ہوتی ہے ''صلح مارنا اینوں کیندے نیں ساڈے' پتہ نئیں پنجابی اچ ای ہوندی اے یا ہور تھاں وی ہوندی ہیگی' جیہڑا روٹی کھان ڈیا ہووے نا' دوجے نو دینی نہ ہووے تے ایویں کہہ دتا آ کھاؤ بھئی' اینوں کیندے نیں صلح مارنا'' ۔ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ

بَیۡنِکُمۡ (8:1) صلح کے تو معنی ہی عجیب ہیں عزیزانِ من! کہا یہ تھا نا کہ جو تمہاری ضرورت سے زائد ہے دیدو تا کہ جن میں کمی واقع ہوگئی ہے ان کی کمی پوری ہوجائے۔ یہ بنیادی معنی ہی اس لفظ کے یہ ہیں کہ جس میں کوئی کمی ہوجائے اس کی کمی کو پورا کر دینا' اس کو صلح کہتے ہیں۔ یہ بعد میں جو 'صلح کرادو ایک دوسرے کے ساتھ' ہے نا یہ بھی یہ ہوتا ہے۔ جھگڑا ہوتا ہے جہاں ایک شخص سمجھتا ہے کہ میری کوئی چیز جو ہے وہ دوسرا لے گیا ہے۔ اس میں وہ کمی ہوتی ہے نا' صلح کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس سے وہ چیز لے کے ''ایہدے جیہڑا گھاٹا پے گیا اے نا'' وہ اس میں ڈال دوتا کہ یہ برابر ہوجائیں۔ یہ تھا بنیادی معنی اس کے۔ اب صلح صفائی سے رہو کے معنی یہ ہیں کہ ''جیہڑا تہاڈے کولوں زوراز وری لے جائے' لے جائے فساد نہ کریا کرو' ٹھیک ہے بابا اللہ تیرا بھلا کرے اللہ سانوں ہور دویوے گا''۔

قرآن حکیم کے الفاظ کی حرمت کو نظر انداز کرنے والی قومیں ذہنی طور پر مفلوج ہوجاتی ہے

امت خرافات میں کھوگئی۔ ربط دیکھیے کیسا عجیب چلا آ رہا ہے۔ زائد از ضرورت مرکز میں جمع کردو' ارے بابا تمہاری ضرورتیں تو پوری ہو رہی ہیں۔ ایسے بھی ہیں جن کی ضروریات اس طرح سے پوری نہیں ہوتیں' مرکز کہاں سے ضروریات ان کی پوری کرتا چلا جائے گا' مرکز کے پاس کوئی اس طرح قارون کے خزانے ہیں جن کو اکھیڑتا جائے گا۔ وہ کرتا تو یونہی جائے گا کہ تمہارے پاس جو زائد از ضرورت ہے' جس میں ابھی کمی واقع ہوئی ہے اس کی کمی کو ہم پورا کر دیں گے۔ وَ اَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَیۡنِکُمۡ آپس میں تمہارے ہاں کی یہ چیز پوری ہوجائے گی' تو مرکز نے تو کچھ نہیں لینا اس میں سے۔ وَ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ (8:1) اِنۡ یہاں دو ہی معنوں میں آ سکتا ہے یہ کہ کیونکہ تم نے اس چیز کا خود اقرار کیا ہوا ہے کہ ہم یہ زندگی بسر کریں گے' اس واسطے اس مرکز کے احکام کی اطاعت تمہارے اوپر فرض ہے۔ اور دوسرے معنی اس کے اگر لیتے ہیں تو یہی کہ اگر تم مؤمنوں کی زندگی چاہتے ہو تو پھر تمہیں اس مرکزی اتھارٹی کی اطاعت کرنی پڑے گی۔ اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ وَ اِذَا تُلِیَتۡ عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتُہٗ زَادَتۡہُمۡ اِیۡمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّہِمۡ یَتَوَکَّلُوۡنَ (8:2) مومن تو وہ ہیں۔ بڑی بات آ گئی صاحب۔ ہر شخص معلوم کرنا چاہتا ہے کہ صاحب مومن پھر کسے کہا گیا۔ بات یہاں دو تین آیتوں کے اندر آئی ہے' تفصیل اس کی لمبی ہے' اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ ربط قائم رکھنے کے لیے اسے آئندہ درس پہ اٹھا رکھتے ہیں۔ کیونکہ قرآن نے بڑے زور سے کہا ہے اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ مؤمنین تو ہوتے ہی یہ ہیں۔ اگلی دفعہ ہم دیکھیں گے کہ پھر مومن کون ہوتے ہیں۔ آج ہم سورۃ الانفال کی پہلی آیت تک ہی رہے ہیں دوسرے آیت سے آئندہ لے لیں گے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ

❀.....❀.....❀

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم . بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیزانِ من!

آج نومبر 1972ء کی 19 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ الانفال کی دوسری آیت سے ہو رہا ہے۔ (8:2)

اس سورۃ کی پہلی آیت میں جیسا کہ سابقہ درس میں میں نے عرض کیا تھا وہ بنیادی سوال سامنے آ گیا تھا کہ اپنی ضرورت سے زائد جو کچھ کسی کے پاس ہے اس کے متعلق کیا کیا جائے۔ تو جواب یہ دیا گیا تھا کہ اسے اسلامی حکومت کی تحویل میں دیا جائے تا کہ جن کی ضروریات پوری نہیں ہو رہیں وہ انہیں دیدیا جائے کسی نے اپنے پاس زائد از ضرورت رکھ کر کرنا کیا ہے۔ تو یہ اصول ہے بنیادی جو دیا گیا۔

مومن کی زندگی قرآن حکیم کے آئینہ میں

اب اس کے بعد بات چلتی ہے مؤمنین کی' اس لیے کہ یہ جو اصول ہے اس کا اطلاق بھی تو مؤمنین پر ہی ہونا ہے نا۔ مؤمنین کے متعلق کہا' یہاں کچھ زیادہ تفصیل سے ان کی خصوصیات نہیں بتائی گئیں' اصولی طور پر دو تین باتیں بتائیں اور وہ اصول بیان کرنے کے بعد پھر وہ واقعہ شروع کر دیا کہ جہاں پتہ چلے کہ ان اصولوں پر تعمیل پھر مؤمنین کیسے کرتے تھے۔ بڑا عجیب؟؟ ربط ہوتا ہے ان آیات کے اندر' ذرا گہرائی میں جانا پڑتا ہے' کڑی سے کڑی ملتی چلی جاتی ہے۔ تیاری کے لیے تو پہلی چیز یہ ہے کہ زائد از ضرورت کسی کے پاس نہ رہے اور کسی کی ضرورت رکی ہوئی نہ رہے۔ اب اس کے بعد مؤمنین کا ذکر آیا' وہاں یہ تھا وَ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ (8:1) پہلی شرط تو یہی تھی کہ تم ان قوانین خداوندی کی اطاعت کرو کہ جن کا نفاذ اس مرکز سے ہوتا ہے جسے خدا اور رسول کہا گیا ہے' اگر تم مومن ہو تو۔ مومن ہونے کی پہلی شرط بنیادی تو یہ ہوگئی۔ اب یہ کہا کہ اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ (8:2) آؤ تمہیں بتائیں کہ مؤمنین کی خصوصیت کیا ہے مومن کہتے کس کو ہیں وہ ہوتا ہے کیسا ہے۔ اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ (8:2) دو چیزیں کہیں ایک تو یہ ہے کہ جب بھی قوانین خداوندی کا کہیں ذکر آئے اجمالی طور پر؟؟ کے طور پر' مجموعی حیثیت سے ان کی بات ہو کہ ہمارا نظام خدا کی متعین کی ہوئی اقدار اور اصولوں کے مطابق چلے گا' مومن وہ ہے کہ جس کے اندر ان اقدار کی نمود ہو اور وہ اپنے معاملات میں ہمیشہ یہ ملحوظ رکھیں کہ اقدارِ خداوندی مجھے کیا کہتی ہیں۔ جب یہ اس قسم کا کہیں یوں تذکرہ ہو یا جس وقت یہ چیز اس کے سامنے آئے

قرآن حکیم کی روشنی میں لفظ شرح صدر کا متعین مفہوم سینے کا کھل جانا' کشادہ ہو جانا

وَجِلَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ عجیب لفظ ہے یہ' عام ترجمہ تو یہ ہوتا ہے کہ دل میں گداز پیدا ہوتا ہے یا نرم ہو جاتا ہے۔ دل کی نرمی یا دل کا گداز یہ وہ چیز ہے کہ جسے ہم کہتے ہیں Receptive Mind ہو جاتا ہے' پہلی چیز یہ ہے Psychologically کہ اس کا دل Receptive ہو جاتا ہے بات سننے کے لیے Attentive ہو جاتا ہے دل میں وہ گداز پیدا ہوتا ہے۔ اس چیز کو تسلیم کرنے کے لیے وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے' تفاوت نہیں رہتی' سرکشی کا موڈ نہیں پھر ہوتا۔ یہاں سے وہ چیز آئے گی جسے ہم کہیں گے جھکاؤ کا موڈ۔ اصل

چیز یہی ہے کہ جب یہ چیز عمومی حیثیت سے بھی سامنے آئے کہ آؤ بھئی اسلامی نظام کے متعلق کچھ بات کریں قوانینِ خداوندی کے متعلق دیکھیں کہ ہم نے کیا کرنا ہے تو پہلی چیز ان کے ہاں یہ ہوتی ہے کہ ان کا موڈ Receptive ہو جاتا ہے۔ Mind اس چیز کو قبول کرنے کے لیے کشادہ ہو جاتا ہے۔ اس کو قرآن نے شرح صدر کہا ہے' سینے کا کھل جانا۔ تو یاد رکھیے کسی تعلیم کے سمجھنے کے لیے اور سمجھنے کے بعد اس پر عمل کرنے کے لیے پہلی چیز جو Attitude of Mind ہے یہ بنیادی سوال ہے۔ کتنی اچھی سے اچھی باتیں ہو رہی ہوں' آپ اگر دل کی کشاد سے اسے نہیں سن رہے' آپ دیکھیں گے اس کا کوئی اثر آپ نہیں لیں گے۔ اگر اثر ہی نہیں لیں گے تو اس کے بعد اس پہ عمل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔ تو پہلی چیز تو یہ ہے کہ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ ایک؟؟ تذکرے سے ان کا Mind جو ہے Receptive Attitude اس کے اندر آ جاتا ہے وہ تیار ہو جاتا ہے اس کا اثر قبول کرنے کے لیے۔ اور اس کے بعد ہے وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ (8:2) اور پھر جب احکامِ خداوندی ان کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔

دل و دماغ کو کھلا رکھنے کے بعد مومن کا پہلا قدم حق و باطل کے ٹکراؤ کو قبول کرنا ہے

اب ان احکام کا آگے جہاں ذکر شروع ہوگا دیکھیے گا کہ وہ احکام کس قسم کے آتے ہیں' اجمالاً یہ کہ ٹکراؤ ہوتا ہے قدم قدم کے اوپر مخالفت کی قوتوں کا' باطل کی قوتوں کا اور اس ٹکراؤ کے اندر جس قدر مشکلات' صعوبات' دشواریاں' تکالیف آتی ہیں' اس کا تو علم ہے ہمیں۔ یہ ساری دنیا کے اندر مخالفت کی قوتیں' باطل نظام مختلف گوشوں کے اندر کارفرما ہوتا ہے' ان سب کے خلاف اعلان جنگ کرنا ہوتا ہے۔ یہ اعلان جنگ' وہ چمک کے آ جاتا ہے واقعہ جو حدیث میں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس مکے میں مدینے کے جب انصار میں سے ایک وفد' ایک گروہ گیا تھا اسلام لانے کے لیے تو وہ آ رہے تھے آٹھ دس آدمی تھے ان کا ایک امیر تھا ساتھ' تو وہ آ کے اور جسے اسلام لانا کہتے ہیں اس چیز کا اعلان کرنا' اسے تسلیم کرنا' اس کی شہادت دینا کہ خدا کے علاوہ کسی اور کی محکومیت جائز نہیں ہے۔ تو وہ آ کر یہ کر رہے تھے تو یہ ان کا جو امیر تھا یہ کھڑا تھا دروازے میں' یہ انہیں آواز دے کے کہتا ہے کہ دیکھو بڑی خوشی کی بات ہے جو یہ کچھ تم کر رہے ہو لیکن یہ جو تم اقرار اور اعلان کر رہے ہو' اس کا عملی مفہوم بھی تمہیں پتہ ہے کیا ہے۔ اُنہوں نے کہا کیا ہے' اس نے کہا یہ اعلانِ جنگ ہے عرب اور عجم کے خلاف' تیار ہو اس کے لیے۔ بڑی بات تھی۔ اُنہوں نے سمجھا تھا کہ

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

شہادت کا کلمہ قرآنی نصب العین کی صداقت پر یقین محکم کا متقاضی ہوتا ہے

اُس نے کہا کہ یہی شہادت کا کلمہ پڑھ کے نہ سمجھ لو کہ مسلمان ہو جانا ہے' یہ عرب اور عجم کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ اور واقعی یہ اعلانِ جنگ تھا' عرب اور عجم دونوں کے خلاف اعلانِ جنگ تھا۔ عرب اور عجم کیا وہ جب کہتا ہے لا الٰہ تو وہ جتنے بھی الٰہ ہیں دنیا میں ان سب کو؟؟ کر دیتا ہے ان سب کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہے۔ اسی لیے یہ جامع جو اصطلاح ہے عرب اور عجم کی اس کے معنی ہیں

ساری دنیا کے خلاف' مشرق اور مغرب جیسے ہم آج کہدیں۔ جب اس قسم کے احکام ان کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں تو کیا اس سے پھر وہ گھبرا جاتے ہیں' اس سے ان کو خوف آتا ہے' قدموں میں لغزش آ جاتی ہے' وہ یہ سمجھتے ہیں کہ نہ صاحب یہ معاملہ ہمارے بس کا نہیں ہے' اعراض برتتے ہیں' گریز کی راہیں نکالتے ہیں اس کے بعد۔ کہا نہیں! زَادَتۡهُمۡ اِيۡمَانًا (8:2) اس سے ان کا ایمان اور مستحکم ہو جاتا ہے' اپنے نصب العین کی صداقت پر جو یقین تھا اور مستحکم ہو جاتا ہے' ان کا جو عزم تھا وہ اور راسخ ہو جاتا ہے۔ اور اس کے بعد ہے وَّ عَلٰى رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُوۡنَ (8:2) ان کو Confidence پیدا ہو جاتا ہے خدا کے قوانین کے اوپر' اور زیادہ Confidence پیدا ہو جاتا ہے۔

بندہ مومن کے ایمان کی پختگی' جذبۂ ایمانی اور قوانین پر توکل کی ایک محسوس مثال

Confidence کا تو میں نے آپ کو بتایا تھا نا کہ وہ ہوائی جہاز سے وہ جو پیراشوٹ کی چھتری ہاتھ میں لے کے چھلانگ لگاتا ہے۔ آپ ذرا دیکھیے اس کا ایمان اور اس کا توکل' پندرہ سولہ' بیس ہزار فٹ کی بلندی پر وہ پرواز کر رہا ہوتا ہے خلا میں' وہاں سے وہ کودتا ہے' دیکھیے تو سہی اس کودنے کے لیے کتنے بڑے ایمان کی ضرورت ہے کہ یہ جو قانون ہے کہ یہ جو چھتری مجھے ساتھ دی گئی ہے' کودنے کے ساتھ ہی یہ کھل جائے گی اور اس میں پھر توکل' اتنا بڑا بھروسہ' اتنا Confidence اتنا کہ یہ اتنی بلندی سے جو میں کودونگا کوئی ضرب نہیں مجھے پہنچے گا نہایت حفاظت سے میں زمین کے اوپر چلا جاؤنگا۔ اسے کہتے ہیں توکل۔

ہمارے ہاں توکل کے متعلق پایا جانے والا مفہوم حقیقت سے بعید ہے

اور ایک تو ہمارے ہاں ''سائیں توکل شاہ ہوندے نیں نا بیٹھے ہوئے'' بیٹھے ہیں رب توکل پہ ''او پتہ ہے رب توکل دے معنی کی ہوندے نیں' تسی کماؤ اسی کھاواں گے' چار دن او مرید نہ لے کے جان تے اوناں پوچھو فیر سائیں توکل شاہ نوں''۔ یہ امت خرافات میں کھو گئی۔ توکل یہ ہے ان قوانین کی محکمیت پہ اتنا کامل بھروسہ کہ یہ کبھی دغا نہیں دے سکتے۔ تو یہ جو کہا ہے ان قوانین میں کہ ایسا ہوگا' ایسا ہو کر رہے گا' یہ ہے وہ یقین' یہ ہے وہ Confidence جس سے آدمی آگے بڑھتا ہے۔ ورنہ اتنی بڑی چیز کہ بیس ہزار فٹ کی بلندی سے چھلانگ لگا دے' ہو ہی نہیں سکتا اگر اتنا بڑا ایمان محکم اور اتنا بڑا Confidence اس کے اوپر نہ ہو تو۔ یہ Confidence جو ہے' بنتی تو وہ بعد میں ہے وہ چھتری' پہلے تو اس کے لیے ایک فارمولا ہوتا ہے جو لکھا جاتا ہے' Scientific Basis کے اوپر یہ بات ہوتی ہے۔ قانون کہتے ہی اس کو ہیں۔ تو قرآنِ کریم نے جو قوانین دیے ہیں ان کی محکمیت کا یہ عالم ہے کہ جب ان کو Practice میں لایا جائے گا تو جو کچھ اس نے وہاں کہا ہے کہ یہ ایسا ہو کر رہے گا' ویسا ہو کر رہتا ہے۔ اس فارمولے پہ یہ یقین کہ ایسا ہو کر رہے گا اور جب عمل میں لایا جائے تو یہ بھروسہ کہ اب ایسا ہونا ہے یہ ہے وہ چیز کہ زَادَتۡهُمۡ اِيۡمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُوۡنَ (8:2)۔ آپ دیکھتے ہیں کہ پہلا ہی مرحلہ کتنا بڑا سخت اور مشکل تھا' اتنا بڑا محکم ایمان اور پھر یہ دیکھیے کہ کوئی بڑے اور اہم مراحل ہی سامنے آنے ہیں ناجن کے لیے یہ اتنی تاکید کی جاتی ہے کہ ایسا یقین کامل ہونا چاہیے تمہیں۔ جس نے سڑک پہ چلنا ہے اسے اس پیراشوٹ کے متعلق نہ کسی فارمولے دینے کی

ضرورت نہ سمجھانے کی' نہ یقین پیدا کرنے کی' نہ ایمان کی بات' نہ Confidence کا بھروسہ' سوال ہی نہیں ہے۔ یہ تو اس کے لیے ہے نا کہ جس نے واقعی بیس ہزار فٹ کی بلندی سے کودنا ہے۔ اب مومن کی پہلی صفت تو اس چھلانگ لگانے والے کی کیفیت ہوئی' اتنا یقین محکم۔ اور اس کے بعد کہا کہ اس یقینِ محکم کے بعد یہ ہے پروگرام جو تم نے دینا ہے۔ اور وہی جو میں کہا کرتا ہوں کہ

تفصیل معنیٔ غمِ الفت طویل ہے
اور ویسے تو خفیف سا اک دل میں درد ہے

نہایت ہی مختصر الفاظ میں قرآنی نظام حیات کی تفسیر' نظام صلوٰۃ کو قائم کرنا ہے

اور اس کی تفصیل میں جایئے تو پوچھیے نہیں کتابوں کی کتابیں لکھیے۔ اس پروگرام کے اجمال میں اگر آپ جایئے دو ہی باتیں یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ (8:3) بات ختم ہوئی صاحب۔ نظامِ صلوٰۃ قائم کرتے ہیں اور جو کچھ بھی انہیں دیا جاتا ہے اسے کھلا رکھتے ہیں۔ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ کا ترجمہ تو ہو گیا کہ نماز پڑھتے ہیں اور یہ جو چیز ہے اس میں سے کھلا رکھتے ہیں' وہ خیرات دیدیتے ہیں۔ خیرات کے چار پیسے اس میں سے دیے اور نماز پڑھ لی۔ اتنا بڑا مرحلہ جس کی تیاری کے لیے یہ کہا گیا ہے کہ انہیں اتنا بڑا یقین کامل ہونا چاہیے اس کے اوپر۔ اگر یہی کرانا ہے تو آپ پوچھیں تو سہی اس کے لیے بھی یہ کوئی ایسا مرحلہ تھا جس کے لیے پہلے یہ کہا جاتا کہ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ Receptive Mind تمہارا ہونا چاہیے' پھر جب یہ چیز سامنے آئے تو یقین محکم ہونا چاہیے' پھر تمہیں اس پہ بھروسہ ہونا چاہیے کہ ایسا ہو کے رہے گا۔ تو ہے نا کوئی بہت ہی بڑا مرحلہ اس کے بعد۔

لفظ صلوٰۃ اور زکوٰۃ کے مروجہ تراجم کے مطابق عمل پیرائی کی شکل وصورت اور تجزیہ

اور مرحلہ اس کے بعد یہ بتایا کہ وہ نماز پڑھ لیا کرو اور چار پیسے غریب کو راستے میں دے آیا کرو' بات ختم ہو گئی' بات بنتی نہیں ہے۔ یہ سارے مفہوم اس زمانے کے ہیں جب انہوں نے کچھ سہل انگاری اختیار کی۔ اقامتِ صلوٰۃ تو صرف نماز تک محدود ہو گئی۔ حالانکہ یہ چیز اب تو چودہ برس سے یہاں سامنے آپ احباب کے آ رہی ہے۔ یہ ایک نظام ہے اور صلوٰۃ کے معنی ہیں کسی کے اتباع میں اس کے پیچھے پیچھے چلے جانا۔ اس طرح سے پیچھے چلے جانا کہ اس میں اور اپنے درمیان فاصلہ نہ رہے' کوئی درمیان میں تیسرا نہ آئے' اسے کہتے ہیں صلوٰۃ۔ مصلی کہتے ہیں اس گھوڑے کو جو ریس کے اندر پہلے گھوڑے کے پیچھے اس طرح جائے کہ اس کی کنوتیاں اس کی پشت کے ساتھ ساتھ رہیں اور اس طرح سے تسلسل پوری ریس میں ایسے رہے۔ اس نے کہا کہ اِنَّ رَبِّیۡ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ (11:56) تمہارا خدا صراط مستقیم پہ جا رہا ہے تم اس کے بعد چاہو کہ اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ اور پھر مصلی بنو' یوں چلو' وہ آگے آگے جا رہا ہے ساتھ ساتھ تم اس کے چلے جاؤ' آگے نہیں بڑھ رہے' برابر پہ بھی نہیں جا رہے کہ بہرحال اس کا مقام خدا کا مقام ہے۔ لیکن پیچھے بھی نہیں ایسا ہٹنا کہ تمہارے اور اس کے درمیان کوئی اور آ جائے۔ کیا انداز ہیں صاحب اس قرآن کے!! کیا الفاظ ہیں جو یہ اختیار کرتا ہے۔ اس قسم کا نظام قائم کرنا جس میں ہر فردِ معاشرہ قوانینِ خداوندی کا اس طرح سے اتباع کرتا چلا جائے کہ اس میں اور ان کے درمیان کوئی چیز نہ ہو۔ کوئی چیز

آ جائے تو شرک ہو گیا یہ۔ اور اس کے بعد جو کچھ بھی تمہیں دیا ہوا ہے یہ (رزقنٰھم) ہے یہاں' رزق سامانِ زیست کو کہتے ہیں ہر وہ شے جس پہ زندگی کا دارومدار ہے۔ اب وہ طبعی زندگی ہو تو پھر اس کے لیے طبعی ضروریات اور اس کے بعد اگر انسان کی انسانی زندگی ہے تو انسانی صلاحیتیں' انسان کی ذات کا تعلق ہے تو کردار کی صلاحیتیں۔ ہر چیز اس میں آ جاتی ہے۔ ان چیزوں کے لیے وہ جن کے اوپر ان تمام چیزوں کا دارومدار ہے وہ جو دیا ہوا ہو' (نفق) کے معنی ہوتے ہیں کہ اس کے اوپر بند نہ لگا کے رکھو۔ نفق کہتے ہی ہیں اس میانی کو اس تھیلی کو کہ جس کے ایک طرف سے کچھ ڈالا جائے اور دوسری طرف کا منہ کھلا ہو' ادھر سے نکلتا جائے۔ جب منہ بند کر دیں گے اس کا تو پھر اس کے لیے یہ لفظ نہیں آئے گا۔

اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا قرآنی مفہوم

وہ جو جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ (104:2) وہ ہے ایسی تھیلی کہ جس کا ایک طرف ڈالنے کا تو منہ کھلا ہو اور نکلنے کا منہ بند کر دیا جائے اُسے اس نے جہنم بتایا ہے۔ یہ ہے وہ تھیلی' آتا جو ہے نکلتا جائے تمہاری ضرورت کے لیے جتنا ہے وہ لے لیجیے اور یہ پھر حرکت آنی ہے آگے جانے دیجیے۔ تکذیبِ دین وہ کرتا ہے کہ یَمۡنَعُوۡنَ الۡمَاعُوۡنَ (107:7) جسے کہا ہے کہ رزق کو جسے بہنے والے سرچشمے کی طرح جانا چاہیے تھا' اس کے سامنے تم بند لگا دیتے ہو کہ تمہارا ہی کھیت سیراب ہو' آگے پانی جائے ہی نہیں۔ نفق کے معنی ہوتے ہیں کہ تمہارا بھی سیراب ہو اور پھر پانی آگے بھی چلتا چلا جائے۔ دو ہی چیزیں بتائیں۔ اسی کو اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کہتے ہیں۔ جیسا میں نے عرض کیا ہے اقامت صلوٰۃ وہ اب نماز ہو گئی۔ ایتائے زکوٰۃ سال کے بعد کروڑ ہا کروڑ روپیہ جمع کیا ہوا' ڈھائی پرسنٹ اس میں سے نکالا اور اس کے بعد باقی سارا حلال وطیب ہو گیا۔ کہا کہ یہ ہے جو کچھ کرنا ہے اور ان مؤمنین کے متعلق جو ایسا کرتے ہیں۔

قابلِ اعتماد اور پھر مومن کہلوانے والوں کے معیار کی نشاندہی

عزیزانِ من! پھر سن رکھیے بات اگر اتنی ہی تھی کہ یہ نماز پڑھنا اور یہ خیرات یا زکوٰۃ دیدینا' اس کے لیے پہلا مرحلہ' اتنا یقین محکم اتنا بڑا Confidence اور آگے یہ ہے کہ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا (8:4) یہ ہیں مؤمنِ حقا کہے اور سچے مؤمن۔ سوچیے تو سہی کہ کیا اتنے سے آپ آج کسی کو بھی کہہ سکتے ہیں یہ مومن ہو گیا جو نماز پڑھتا ہو اس طرح سے زکوٰۃ دیتا ہو۔ مومن ہونا تو بہت آگے کی چیز ہے اتنا سا کرنے والے کو وہ جو مومنوں کے معیار ہیں ہمارے ہاں کے' اتنا سا کرنے والے کو تو وہ قابل اعتماد بھی قرار نہیں دیتے تھے۔ یاد ہے نا حضرتِ عمرؓ کے پاس جب وہ مقدمے میں آیا تھا ایک شخص' اُنہوںؓ نے کہا تھا کہ کوئی گواہ لاؤ تو اس نے کہا میں لاتا ہوں' کہےؓ لگے اعتبار کے قابل ہونا چاہیے' کہنے لگے جی بڑے اعتبار کے قابل ہے' کہےؓ لگے کہ کون شخص ہے' کہا کہ فلاں ہے' پوچھاؓ کہ کیسے تمہیں معلوم ہے اعتبار کے قابل ہے' کبھی اس کے ساتھ پڑوس میں رہے ہو' کہنے لگے جی پڑوس میں تو نہیں رہا اس کے کبھی' کہےؓ لگے کبھی اس کے ساتھ سفر کیا ہے' کہنے لگے نہیں سفر بھی نہیں کیا' کہےؓ لگے کہ کبھی کوئی معاملہ کاروباری کیا ہے اس کے ساتھ' کہنے لگے یہ تو نہیں کیا۔ وہ کہےؓ لگے کہ پھر تم نے اس کو مسجد میں اٹھتے بیٹھتے دیکھا ہو گا اور اس سے سمجھ لیا قابل اعتبار ہے' جاؤ کوئی اعتبار والا آدمی لے کے آؤ۔ مؤمن تو میں

نے کہا ہے بہت بڑی چیز ہے۔ اتنی سی چیز سے تو قابل اعتماد بھی شمار نہیں ہوتا اور پھر ہمارے سامنے تو روزمرہ کا ہے' چودہ سو سال پہلے کیوں جائیں حضرت عمرؓ کا واقعہ ہی دہرانے کے لیے۔ کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ جو دو چیزیں پوری کرتے ہیں' نماز پڑھنے والے اور زکوٰۃ دیدینے والے یا خیرات کرنے والے' کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ واقعی مومن ہیں۔ مومن ہی نہیں ہے

مومنِ حقا کے لیے سب سے پہلا مرحلہ اس کی روٹی کے حصول کا ہے جو اسے خدا کے دسترخوان سے حاصل کرنی ہوگی

اُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا۔ بات آگے آتی ہے کہ یہ مومن حقا ہونے کے لیے کرنا کیا پڑتا ہے۔ وہی جو پہلے اجمال دیا ہے' اس کی تفصیل آ رہی ہے۔ قرآن کا تو انداز ہی ایسا ہے وہ تو زیادہ انتظار ہی نہیں دیکھنے دیتا ہمیں' وہ تو جھٹ سے لے آتا ہے بات کو۔ ابھی ابھی اسی کے بعد اسی سانس میں بات آتی ہے۔ لیکن بات یہاں ایک اور آ گئی۔ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا (8:4) یہ ہیں مومن حقا۔ لَھُمۡ دَرَجٰتٌ عِنۡدَ رَبِّھِمۡ (8:4) خدا کے ہاں ان کے بڑے مدارج ہیں۔ مَّغۡفِرَۃٌ (8:4) سامانِ حفاظت ہے ہر قسم کے نقصان کے خلاف۔ وَّ رِزۡقٌ کَرِیۡمٌ (8:4) رزق ہے باعزت رزق ہے' وہ رزق نہیں ہے کہ جس رزق سے موت اچھی۔

اے طائر لا ہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

قرآن نے اسی لیے جب مؤمن کے لیے رزق کہا ہے تو رزقِ کریم کہا ہے۔

ایں خدا نانے بے دِید جانے برد
آں خدا نے دہد نے دِہد

یہ بھی روٹی دیتے ہیں' روٹی دیتے ہی جان نکال لیتے ہیں۔ ایک وہ ہے کہ جان بھی دیتا ہے اور روٹی بھی ساتھ دیتا ہے' رزق کریم دیتا ہے۔ بڑی چیز ہے عزیزانِ من! دنیا کے اندر عزت کے ساتھ روٹی ملنا۔ اور یہ اسی صورت میں مل سکتی ہے کہ روٹی کسی انسان کو دوسرے انسان کے ہاتھ سے نہ ملے۔

جب جھکا تو غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن

اسی لیے کفر کہا گیا ہے ایسے رزق کو' کسی انسان کا ممنونِ احسان نہ ہونا پڑے انسان کو روٹی کی خاطر' پھر ہے یہ انسانیت' یہ انسان کہلانے کا مستحق اس وقت ہوتا ہے۔ مومن تو بہت آگے جا کے ابھی آتا ہے۔ رزق کریم۔ مومن حقا جو ہیں ان کے متعلق کہا لَھُمۡ دَرَجٰتٌ عِنۡدَ رَبِّھِمۡ وَ مَغۡفِرَۃٌ وَّ رِزۡقٌ کَرِیۡمٌ (8:4) اس سے زیادہ اور کیا چاہیے۔

مومن حقا کے اس اجمالی تعارف کے بعد جنگ بدر کا ذکر

سوال یہ ہے کہ یہاں قرآنِ کریم نے مومنِ حقا کہا ہے' کوئی مثال بھی دی ہے مومن حقا کی۔ قرآنِ کریم میں ایک اور مقام پر یہی

لفظ آتے ہیں۔اس مقام پر اجمالاً کہا ہے اور دوسرے مقام پہ قرآنِ کریم نے اس کی تفصیل دی ہے کہ آؤ تمہیں بتائیں مومن حقا کون ہیں ۔ یہاں تو یہ کہا ہے ناکہ کیسے ہوتے ہیں وہاں یہ بتایا ہے کہ کون ہیں جنہیں مومن کہا جائے گا۔اسی سورۃ الانفال کی آخری دو آیتیں ۔ یہ ساری سورۃ انفال آپ دیکھیں گے اس میں جنگ بدر کے واقعات درج ہیں زیادہ' بڑی تفصیل سے یہ چیزیں آئی ہیں۔ابھی میں عرض کرونگا کہ وہ جنگ کس نازک مرحلے پہ ہوئی تھی اور اس کی اہمیت کیا تھی۔لیکن یہاں میں عرض کرونگا کہ اس سورۃ انفال میں اسی کا ذکر آ رہا ہے اور اس کے آخر میں یہ دو آیتیں آ رہی ہیں۔وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا (8:74) وہ لوگ کہ جنہوں نے ایمان کے بعد ہجرت کی' مہاجر کی حیثیت سے یہاں آ گئے' وہ لوگ کہ جنہوں نے ایمان کے بعد ان آنے والوں کو پناہ دی اور ان کی مدد کی۔ یہ دو ہی گروہ ہیں

صدر اوّل کی تاریخ میں صحابہ کے دو گروہوں کا ذکر اور قرآن حکیم میں ان کا مقام

عزیزانِ من! صدرِ اول کی تاریخ میں جنہیں ہم مہاجرین اور انصار کہتے ہیں' یہ سارے صحابہؓ ان دو گروہوں کے اندر بٹے ہوئے تھے' بجز ان کے کہ جو اس کے بعد اب اعراب وغیرہ میں سے اسلام لائے' وہ بعد کے اسلام لانے والے ہیں۔ یہ جو ہیں سابقون الاولون صحابہ کبارؓ یہ انہی دو گروہوں میں بٹتے ہیں مہاجر اور انصار۔ یہاں دونوں کا ذکر آ گیا ہے جنہوں نے ہجرت کی مہاجرین اور جنہوں نے ان کی نصرت کی انصار۔مہاجر اور انصار ان کے متعلق ہے اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا (8:74) یہ ہیں مومن حقا' یہ ہیں پکے اور سچے مومن۔لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (8:74) رزق کریم وہی الفاظ ہیں جو وہاں آئے ہیں۔غور فرمایا آپ نے کہ قرآنِ کریم نے بلند ترین مقام بتایا ہے مؤمن کا اور ان میں سے شہادت دی ہے بعض کے متعلق کہ وہ مومن حقا تھے۔خدا شہادت دے رہا ہے ان کے مومن حقا ہونے کی' اس سے بڑی شہادت تو ہو ہی نہیں سکتی اور اس سے واضح تر الفاظ میں نہیں ہوسکتی۔خدا شہادت دینے والا' رسول کی وساطت سے یہ چیز شہادت ہم تک پہنچتی ہے' قرآن کی دفتین کے اندر محفوظ ہو جاتی ہے' ابہام کوئی نہیں ہے مہاجر اور انصار سارے گروہ اس میں آ جاتے ہیں۔اور مومن حقا کہا جاتا ہے انہیں' اس سے بلند درجہ بھی کوئی اور ہوسکتا ہے۔ان مؤمنین کے متعلق دو گروہ اس میں آ گئے شروع میں ہی جنہوں نے ہجرت کی انہوں نے جہاد کیا' کچھ وہ بھی تھے کہ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بعد میں ہجرت کی وہ بعد میں شامل ہو کے ان کے ساتھ آئے' ان کے متعلق قرآنِ کریم کیا کہتا ہے۔وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ (9:100) ان کا تو ذکر ہی آپ دیکھتے ہیں کس طرح قرآن جھوم جھوم کے کس وجد' مسرت سے کرتا ہے۔وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ پہل کی جنہوں نے ہجرت میں' جہاد میں' انصار ہونے میں اس نصرت کے اندر' ان کے متعلق جو یہ کہا گیا تھا نا کہ مومن حقا اور یہ سارا کچھ۔ یہ بعد والے جو ہیں ان کے متعلق بھی بات یوں نہیں چھوڑ دی اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ (9:100) اور پھر جو ان کے بعد بھی حسن کارانہ انداز سے اسلام میں اسی طرح سے اتَّبَعُوْهُمْ بالکل ان کے اتباع میں' اسی طرح سے' وہ بھی اسلام لائے ان سب کے متعلق کہا رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ (9:100) نہ انہیں خدا سے کوئی شکایت رہی نہ خدا کا ان کے خلاف کوئی

گلہ۔ کیسے حسین الفاظ ہیں!! نہ انہیں کوئی خدا سے شکایت رہی نہ خدا کو ان سے کوئی گلہ رہا۔ کیسا عمدہ تعلق ہے یہ۔ یہ سارے ہیں مہاجر انصار اور ان کے بعد ان کے اتباع میں جو اسی طرح سے اسلام لائے تھے' ان سب کے متعلق یہ ہے۔ وہی جو ہم ہر صحابیؓ کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں یہ قرآن کے الفاظ ہیں۔ تو یہ تمام ایسے تھے وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا (9:100) ان کے لیے خدا نے تیار کر رکھے ہیں' یہ تو آنے والے بعد میں ہیں' ان مہمانوں کے استقبال کے لیے اور ان کے فروکش ہونے کے لیے پہلے سے یہ انتظامات کر رکھے ہوئے ہیں' تیار ہیں ان کے لیے جنتیں۔ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (9:100) کتنی بڑی Achievement ہے یہ جو کچھ اس سے حاصل ہو جائے۔ آپ دیکھیے عزیزانِ من! انکے اندر جنہیں ہم صحابہ کبارؓ کہتے ہیں پورا گروہ اس کے اندر آ جاتا ہے

فتح مکہ کے قبل اسلام لانے والوں کے متعلق قرآن حکیم یومنون بالغیب کے الفاظ سے پکارتا ہے

اور آگے چلیے ایک تیسری سٹیج آتی ہے۔ اس دوران میں مخالفین سے بڑی جنگیں ہوئیں۔ قریشِ مکہ نے بڑی مخالفت کی' انکے خلاف بڑی لڑائیاں ہوئیں۔ آخر میں فتحِ مکہ ہوا اور فتح مکہ کے بعد یہ لوگ بھی اسلام لائے۔ اب یہ دیکھیے قرآنِ کریم کس طرح سے یہ Stages بیان کر رہا ہے۔ یہ پہلے تو السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کہا قرآن نے' اور میں عرض کر دوں یہ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ ہونا جو ہے کسی تحریک کا یہ واقعی بڑا بلند مقام ہے۔ یعنی جو سب سے پہل کرتا ہے اس کے سامنے تو سوائے مشکلات کے' دشواریوں کے' مخالفتوں کے تزاحم کے تصادم کے کچھ اور ہوتا ہی نہیں۔ اور ابھی اس تحریک کے نتائج بھی سامنے نہیں آئے ہوتے۔ یہ ہے جسے وہ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کہتا ہے۔

ایمان بالغیب کا حقیقت کشا مفہوم

ایمان بالغیب کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ان دیکھے خدا پر ایمان لاؤ۔ ساری دنیا جس خدا پہ ایمان لاتی ہے' وہ ان دیکھا ہی تو ہے اور پھر اس خدا کے اوپر ایمان تو آپ زیادہ سے زیادہ دلائل سے لا سکتے ہیں' دیکھ تو سکتے نہیں' ملے بھی کبھی اس سے نہیں۔ یہ یؤمنون بالغیب کیا ہے' یہ ہے کہ کوئی تحریک کوئی نظام جس کو پیش کیا جائے اور اس کے متعلق کہا جائے کہ اس کے نتائج یہ برآمد ہونگے۔ تو نتائج آپ کے سامنے نہیں' مثال کوئی آپ کے سامنے نہیں' نامساعد اور مشکلات جو ہیں وہ سامنے آ رہی ہیں' جو شخص اس پہ لبیک کہہ کے ان کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے' ساتھ ہوتا ہے' یہ ایمان لاتا ہے ان اَن دیکھے نتائج کے اوپر جو ہنوز سامنے نہیں ہیں' اسے یقین ہے کہ آئیں گے ایک دن سامنے۔ کسی تحریک' نظام فارمولے' قانون کے اَن دیکھے نتائج کے اوپر یقین رکھتے ہیں وہ' یہ ہے ایمان بالغیب۔ اور بڑی چیز ہے صاحب۔ جیسا کہ میں سمجھایا کرتا ہوں ہمارے ہاں تو یہ کیفیت تھی کہ یہ ہمارے ہاں عام طور پہ کھیتوں میں یہ پنجاب میں بھی گیہوں کی پیداوار اوسط کوئی بیس من پچیس من زیادہ سے زیادہ فی ایکڑ ہوتی تھی۔ یہ کچھ عرصہ پہلے جب یہ میکسیکو کا بیج لائے ہیں تو اس کے متعلق یہ کہا گیا کہ صاحب اگر اس کو اس طریق سے بویا جائے گا تو سو من سوا سو من ڈیڑھ سو من تک گندم ہوگی۔ مذاق کرتے تھے زمیندار' ہنستے تھے' سو من ایکڑ کا کبھی سنا بھی ہے باپ دادا سے۔ جو بتایا جاتا تھا کہ صاحب اس عام گیہوں کے بونے میں اور اس کے بونے میں بڑی دشواریاں تھیں'

بڑا زیادہ پانی دینا پڑتا تھا' کھادنئی قسم کی ڈالنی پڑتی تھی' یہ سب کچھ ہو رہا تھا صاحب۔ زمیندار تیار نہیں ہوتا تھا' وہ کہتا تھا کہ پتہ نہیں ''اک تے ولیتوں بیج آیا تے اوتھوں کھاد آئی ہیگی' اے ساڈا ستیاای ناس نہ ہو جائے''۔ پھر وہ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ (114:5) ان کے ہاں صاحب کہ نہیں صاحب یہ سب کہنے کی باتیں ہیں' کچھ نہیں ہوتا۔ یہ زراعت کے محکمے والے جا جا کے ان کو سمجھاتے تھے' بہت کم تھے جو ایمان بالغیب کے لیے تیار ہوتے تھے کہ ایسا ہوگا۔ پھر اس کے بعد انہوں نے اپنے ماڈل فارم جو تھے اس میں اسے بو کر دکھایا اور جب اس کے بعد وہ فصل کاٹی اور انہوں نے دیکھا کہ واقعی سو من ہوتا ہے تو اس سے اگلے سال کیفیت یہ تھی کہ بیج ملتا نہیں تھا اس گیہوں کا۔ ایمان بالغیب ان کا تھا جنہوں نے پہلے اس چیز کو سمجھ کر' سوچ کر' ان پہ بھروسہ کر کے' یہاں آتا ہے ان پہ بھروسہ کر کے' کہنے والے کی بات پہ بھروسہ بھی ہونا چاہیے۔ اور بھروسہ وہی تھا جو رسول کی صداقت پہ ہوتا ہے کہ اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اس لیے یہ بھی جو کہتا ہے جھوٹ نہیں بولتا۔ یہ لوگ ان ہمارے یہ زراعت والے بھی' بات مانتے کیوں نہیں تھے سیدھی بات' غالباً اس لیے کہ انہیں اس طرح یقین نہیں ہوگا کہ انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا ورنہ تو شروع ہو جاتے۔ یہ پہلی چیز جو ہے رسالت پہ ایمان لانا وہ یہ چیز ہوتی ہے کہ اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اس لیے یہ بات اگرچہ بظاہر کچھ ناممکن سی نظر آتی ہے لیکن جب اس نے کبھی پہلے جھوٹ نہیں بولا تو اب بھی جھوٹ نہیں بولا ہوگا اس لیے ہمیں کر ہی لینا چاہیے۔

ایمان بالغیب لانے والوں کو بڑی صعوبات تو برداشت کرنی پڑیں گی

لیکن ہے یہ ایمان بالغیب ہی' جو اس کے لیے تیار ہو جاتا ہے تمام مشکلات اور صعوبات کو برداشت کرتا ہے ایک یقین کے اوپر ایک ایمان کے اوپر۔ بڑی چیز ہے عزیزانِ من! اور ان میں سے تو پھر پتہ نہیں کتنے ہیں کہ اس نظام کے نتائج کو سامنے آنے سے پہلے پہلے ہی جانیں بھی دیدیتے ہیں۔ انہوں نے تو یہ نتائج دیکھے ہی نہیں ہوتے۔ ان کے حصے میں تو مشکلات ہی آتی ہیں' صعوبات ہی آتی ہیں۔ سوچیے تو سہی کہ فتح مکہ تک کی جو جنگیں اتنی ہوئیں کم از کم بیاسی کے قریب غزوات اور یہ جنگیں تھیں' چھوٹی چھوٹی جھڑپیں اور بڑی بڑی جنگیں۔ یعنی ساری زندگی ان کی اس میں گذر گئی' کتنے شہید ہوئے' باقیوں کی زندگی اس میں گذر گئی' شہید ہونے والوں نے کچھ دیکھا بھی نہیں اس کا۔ بعد میں آنے والوں کے لیے ہو سکتا ہے کہ ان کے نام بھی کسی کو یاد نہ ہوں۔ لیکن ان کا مقام کتنا اونچا ہوتا ہے جو میں مثال دیا کرتا ہوں عزیزانِ من! یہ بنیاد کی اینٹیں ہیں کسی عمارت کی' بنیاد کی اینٹیں نظر بھی نہیں آتیں کسی کو' وہ چھپی ہوئی رہتی ہیں اور سارا بوجھ عمارت کا اپنے سر کے اوپر لیے ہوئے ہوتی ہیں کبھی نیچے سے یہ نہیں کہتیں کہ تم جو آ کے عمارت کے سامنے کھڑے ہو کے کہتے ہو' محراب کتنی خوبصورت بنائی اس نے' گنبد کیسا اعلیٰ درجے کا ہے' دیواریں آپ دیکھیے کتنی مستحکم ہیں' نقش و نگار بھی کیسے عمدہ ہیں۔ اُنہوں نے کبھی بھی نیچے سے یہ نہیں کہا کہ یہ بھی کہو کہ اس کی بنیاد کتنی مستحکم ہے۔ ان کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی لَا نُرِیۡدُ مِنۡکُمۡ جَزَآءً وَّلَا شُکُوۡرًا ہم تو تم سے کوئی بدلا تو ایک طرف شکریے کے بھی متمنی نہیں ہیں۔ بنیاد کی اینٹیں وہ ہوتی ہیں عزیزانِ من! آنے والے نظام اور تحریک کا سارا بوجھ اپنے کندھوں پہ لیے ہوئے' ہر ایک نگاہوں سے اوجھل' کوئی اس کی تعریف بھی نہیں کرتا۔ یہ ہوتے ہیں السّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ۔ کہا کہ یہ جو ہیں السّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ بہت بڑا درجہ ہے۔

بالغیب ایمان لانے والوں کے ارادے بلند اور بڑے صبر آزما ہوتے ہیں

بہرحال ان کے بعد بھی آنے والے اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ نہایت حسن کارانہ انداز سے آنے والے پھر ان کے ساتھ شامل ہوئے' انہوں نے بھی ہجرت کی انہوں نے بھی جہاد کیا' بڑا مقام ان کا بھی۔ ان کے بعد بھی آئے۔ کہا کہ یہ ٹھیک ہے لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ (57:10) یہ ٹھیک ہے کہ جو اس نظام کے نتائج مرتب ہونے سے پہلے جنہوں نے یہ ساتھ دیا' سب کچھ صرف کیا' جانیں بھی دیں اور وہ کہ جنہوں نے اس کے نتائج دیکھنے کے بعد قبول کیا' کہا ان دونوں میں فرق تو ضرور ہے' یقیناً فرق ہے ان دونوں میں۔ کہا فرق ضرور ہے اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا (57:10) ان کے مدارج ان کے مقابلے میں جو بعد میں آئے ہیں یقیناً ان بلند مدارج ہیں۔ ہونے چاہئیں تھے بلند مدارج۔ لیکن یہ جو بعد میں آئے ہیں کیا بس یہ Condemn ہو گئے کہ ان کا کیا ہے' نہیں صاحب وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (57:10) خدا کے جو خوشگوار وعدے ہیں وہ ان سب کے لیے ہیں۔ یہ تو اندر آنے کے لیے مختلف طریقے ہیں۔ مختلف اس کے لیے مدارج ہیں ان سب کے لیے وعدۂ حُسْنٰی ہے۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ (57:10) اس لیے کہ ان کے اعمال کو ہم جانتے ہیں' یہ بھی کوئی منافقت سے نہیں اب آئے۔ کہنے کی بات یہ تھی۔

کس قدر خوش بخت تھے وہ لوگ کہ جنہیں نبی آخر الزماں کی صحبت میں رفاقت کا شرف حاصل ہوا۔ ان سب کو ہزاروں سلام

عزیزانِ من! کہ یہ پورا دور قرآنِ کریم کا السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ ان کے بعد آنے والے اور یہ فتح مکہ کے بعد والے بھی جتنے بھی ہیں ان سب کے متعلق قرآن نے یہ کہا۔ اس پورے گروہ کو ہم صحابہؓ کہتے ہیں' رسول اللہ ﷺ کی آخری زندگی تک جنہوں نے بھی اس طرح سے اسلام قبول کیا ہے وہ صحابہؓ ہیں۔ اور ان کے متعلق یہ قرآن کی شہادت ہمارے پاس موجود ہے' خدا شہادت دے رہا ہے' قرآن کے اندر یہ موجود ہے۔ شہادت کس چیز کی وہ دے رہا ہے۔ اندازہ لگایئے اس جماعت کی اہمیت کتنی ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے فرمایا جاتا ہے کہ هُوَ الَّذِیْۤ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ (8:62) خدا نے اے رسول تمہیں مدد دی ہے اپنے قوانین سے اور اس جماعت مؤمنین سے۔

خدا تعالیٰ نے ان تمام صحابہ اکرامؓ کے دلوں کو باہمی الفت کی شراب طہور سے بریز کر دیا

دیکھتے ہیں کتنا بڑا درجہ ہے ان تمام صحابہؓ کا' یہ ہے کیفیت۔ اَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ (8:63) ان کی کیفیت یہ ہے کہ ان کے دلوں کے اندر خدا نے ایک دوسرے کی الفت ڈال دی ہے۔ یہاں محبت سے بھی اگلا درجہ ہے اَلَّفَ کا جو ہوتا ہے' یہ الف یا تالیف ہوتی ہے مثال دیا کرتے ہیں جیسے ایک بادل کا ٹکڑا آ کے دوسرے بادل میں جذب ہو جاتا ہے مدغم ہو جاتا ہے' یہ کیفیت جب پیدا ہو جائے تو اسے تالیف کہتے ہیں۔ اَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ ان کے دلوں کو ایک دوسرے کے اندر ہم نے جذب کر دیا ہے۔ یہ تھا باہمی تعلق ان کا

ایک دوسرے کے ساتھ۔ اور یہ اتنی بڑی چیز تھی کہ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ (8:63) اے رسول اگر ساری دنیا کی دولت بھی خرچ کر دی جاتی تو دلوں میں ایک دوسرے کے جو ان کے تالیف اور الفت آئی ہے یہ کبھی پیدا نہ ہوتی' یہ بازار سے خریدنے والی چیز ہی نہیں ہے' خریدی نہیں جا سکتی۔

باہمی آہنگیٔ قلب ونگاہ کی قدر و قیمت کو تو کسی ترازو میں تولا جا سکتا ہی نہیں

یہ تو خدا کے قوانین پہ جو عمل کیا انہوں نے' ایمان لائے ہیں' اس کی وجہ سے ہم آہنگیٔ قلب ونگاہ ان کے اندر پیدا ہو گئی ہے۔ اس کے معنی ہیں باہمی الفت دلوں کے اندر پیدا ہو گئی۔ خدا کی پیدا کی ہوئی اور اس کی اتنی بڑی قیمت وہ بتا رہا ہے کہ اے رسول ساری دنیا کی بھی تو اگر دولت صرف کر دیتا تو یہ چیز پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔ اور اگلے الفاظ سنیے یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ (8:64) اے نبی تیرے لیے اللہ کافی ہے۔ بڑی چیز ہے خدا کا کافی ہونا لیکن عزیزانِ من! فقرہ پورا نہیں ہوا' فقرہ پورا ہوتا ہے حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (8:64) تیرے لیے خدا کافی ہے' خدا ہی نہیں یہ جماعتِ مؤمنین ساتھ ہو گی تو پھر یہ چیز کافی ہو گی۔ خدا اور یہ جماعتِ مؤمنین۔ یہ ہے مقام ان ساتھیوں کا۔ اور پھر ان کے متعلق جس طرح سے کہ وہ جھوم جھوم کر قرآن کہتا ہے۔ میں کہہ رہا ہوں خود یہ بیان دیکھیے جس انداز سے اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے' پڑھتے ہوئے معلوم ہو رہا ہے کہ جیسے اس نے کہا ہے نا کہ اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ (33:56) اللہ اور اس کے ملائکہ رسول پہ درود اور سلام کی بارشیں کر رہے ہیں' پھول نچھاور کر رہے ہیں' تحسین وتبریک کے کیا بات ہے تمہاری۔ صرف رسول پہ نہیں' اس نے کہا ہے جماعتِ مومنین کے اوپر بھی اللہ اور اس کے رسول بھیجتے ہیں۔ آپ کو پتہ ہے کہ یہ چیز قرآن میں ہے۔ وہیں اسی سے چند آیتیں پہلے یہ چیز تھی (33:43)۔ تحسین وآفرین کے پھول نچھاور ہو رہے ہیں خدا اور فرشتوں کی طرف سے' کن کے متعلق'۔

صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کے باہمی روابط کی نوعیت

اب دیکھیے تذکرہ ان کا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ (48:29) محمد اللہ کا رسول ﷺ اور یہ جو اس کے ساتھی ہیں' قربان جاؤں ان پہ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ (48:29) ان کی کیفیت یہ ہے کہ مخالفین کے سامنے آتے ہیں تو چٹان کی طرح سخت کھڑے ہو جاتے ہیں' ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو بریشم کی طرح نرم ہوتے ہیں یہ۔ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ان کو دیکھے تو قوانینِ خداوندی کے سامنے جھکے ہوئے سرِ تسلیم خم کیے ہوئے' ہر جگہ فضل خداوندی کی تلاش میں' جستجو میں' تجسس میں نکلے ہوئے ہیں وَ رِضْوَانًا اور اس کی مشیت کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کے لیے ساری کوششیں ان کی ہو رہی ہیں۔

قرآن حکیم انسان کو وہ کچھ بنا دیتا ہے جو خدا کے قانون کی منشا ہوتی ہے

ہم آہنگی کیا چیز ہے۔ ایک مصرع میں اقبالؒ نے یہ بات کہی ہے کہ قرآن کیا کرتا تمہیں

آں چہ حق می خواہد آں سازد ترا

جوخدا چاہتا ہے کہ تو ایسا بنے یہ تمہیں ویسا بنا دیتا ہے۔ یہ ہے رضی اللہ تعالیٰ ورضوا عنہ' جیسا وہ چاہتا ہے کہ تو بنے' یہ قرآن تمہیں ویسا بنا دیتا ہے۔ سِیۡمَاهُمۡ فِیۡ وُجُوۡهِهِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ (48:29) کہتا ہے کہ یہ کہیں جا کے تلاش کرنے کی بات ہے کہ ان کی اندرونی کیفیت کیا ہے قلوب کی۔ کسی ماہرِ نفسیات سے پوچھیے دل کے جذبات کا عکس چہرے کے اوپر نمودار ہو جاتا ہے۔ عزیزانِ من! چودہ سو سال پہلے بات قرآن نے یہ کہی تھی۔ آج کے سائیکولوجسٹ یہ بات کہہ رہے ہیں کہ جس قسم کے جذبات انسان کے اندر ہوتے ہیں آنکھوں سے ظاہر ہو جاتا ہے' پیشانی سے ظاہر ہو جاتا ہے' چہرے سے اس کے ظاہر ہو جاتا ہے' وہاں سے پڑھ کے بتا سکتے ہیں کہ کیفیت اس کی کیا ہے۔ نفرت کے جذبات' حسد کے جذبات' بغض کے جذبات' انتقام کے جذبات' عداوت کے جذبات' دوسری طرف محبت کے جذبات' خوشنودی کے جذبات۔ یہ تو آپ بھی کبھی کبھی اس کا نظارہ کر لیتے ہیں ہونگے' کسی سے آ کے مل کے جو سلام علیکم کہا اور اس کے جواب میں وعلیکم اسلام جس انداز سے ہے' وہیں سے اندازہ ہو جاتا ہے' چہرے سے پتہ چل جاتا ہے کہ میری آمد کیسی گذری ہے اس کے اوپر۔

صحابہ کبار و کرام رضی اللہ عنہم کی ایمانی قوت اور دل و دماغ کی ہم آہنگی پر قرآن حکیم کی طرف سے تحسین و آفریں کے پھول

یہ جو چیز تھی کہ اَثَرِ السُّجُوۡدِ جو ہے خدا کے سامنے اطاعت کرنے کا نتیجہ' ان کے اندر جو کیفیت پیدا ہوئی ہے' اس کی انوار و تجلیات ان کے چہرے سے ہویدا ہو جاتی ہیں۔ ذٰلِکَ مَثَلُهُمۡ فِی التَّوۡرٰىةِ وَمَثَلُهُمۡ فِی الۡاِنۡجِیۡلِ (48:29) کتب سابقہ کے اندر بھی جو انبیائے کرامؑ کے ساتھی اس قسم کے ہوتے تھے' ان کی اسی قسم کی مثالیں درج تھیں' یہ انہیں جیسے تھے۔ کَزَرۡعٍ اَخۡرَجَ شَطۡـَٔهٗ (48:29) یہ ہے وہ بات' کہا کہ کیوں ہم ان کے اوپر نچھاور کر رہے ہیں تحسین و آفرین کے پھول' یہ وہ تھے ان کی مثال ایسی ہے' کھیتی' ننھا سا بیج اس نے اپنے آپ کو دنیا کی نگاہوں سے تلف کر دیا ضائع کر دیا' مٹی کے نیچے دب گیا' پانی آیا' حرارت آئی' اس نے اس کو Disintegrate کر کے رکھ دیا بیج کا نام و نشان ختم ہو گیا۔ لیکن کَزَرۡعٍ اَخۡرَجَ شَطۡـَٔهٗ اس میں سے ایک کونپل نکل آئی۔ ان کے ایمان کے بیج وہ تھے' طیب بیج سے ہی کونپل نکلتی ہے نا' مرے ہوئے بیج سے تو کونپل کبھی نہیں نکلتی۔ کسی شہادتیں دے رہا ہے قرآن ان کے ایمان کی۔ چھوٹی سی کونپل نکلی فَاٰزَرَهٗ موٹی ہوئی' مضبوط ہوئی' پختہ ہوئی' ایسی ہوئی کہ اپنا بوجھ سنبھال لے۔ فَاسۡتَوٰى (48:29) یوں کھڑی ہو گئی اس کے لیے عَلٰی سُوۡقِهٖ اپنے اس نال کے اوپر اپنا بوجھ آپ سنبھالے۔

باہمی طور پر احسان کی عملی شکل اور اس کی ایک عجیب و غریب مثال

یہ جو ہے فَاسۡتَغۡلَظَ خود ہی مضبوط ہونا نہیں' اپنے ساتھ جو اور ہوتے ہیں' ان کو بھی مضبوط کرنا۔ وہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ اس طرح سے خاص طور پہ کماد کی کاشت ہوتی ہے وہ جو کمزور گنے ہوتے ہیں ان کو دوسروں کے ساتھ باندھ دیتے ہیں۔ اسی کو احسان کہتے ہیں نا کسی میں جتنی کمی رہ جائے اس کو پورا کر کے اپنے ساتھ ملا لینا۔ فَاسۡتَغۡلَظَ فَاسۡتَوٰى عَلٰی سُوۡقِهٖ یُعۡجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیۡظَ

بِهِمُ الْكُفَّارَ(48:29) اوراس کھیتی میں جب پھر پھل آتا ہے' فصل آتا ہے' کسان اس کو دیکھ کر وجد و مسرت سے جھوم اٹھتا ہے اور اس کے مخالف جو ہیں' ان کے سینے پہ سانپ لوٹنے لگ جاتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ والذین معہ کی باہمی رفاقت کا نتیجہ

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا (48:29) یہ وعدہ تھا جو اللہ نے ان کے ساتھ کیا تھا۔ تمام مخالفین کی قوتوں کے خلاف سامانِ حفاظت اور اجرِ عظیم یہ کچھ ان کو دیا تھا محمد رسول اللہ ﷺ والذین معہٗ کو۔ دیکھ رہے ہیں عزیزانِ من! کیا خصوصیات بتائی جا رہی ہیں' ان کے دلوں کے اندر ایک دوسرے کی محبت۔ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ قرآن شہادت دے رہا ہے اس سارے گروہ کی' یاد رکھیے کہیں استثنیٰ نہیں ہے۔ منافقین کے متعلق قرآن نے کہا ہے کہ ان کو ہم نے الگ کر کے رکھ دیا تھا پھر (29:11,33:73,48:6)۔ یہ جو خالص گروہ رہ رہا ہے حضور ﷺ کے ساتھ صحابہ کبارؓ کا' ان کے متعلق قرآن کی یہ شہادت ہے۔

ملت اسلامیہ کے حسین و جمیل دور کی شکل و صورت کو نظروں سے اوجھل کرنے کی ایک گہری سازش کی نشان دہی

عزیزانِ من!۔ بات کہنے کی آگے آتی ہے۔ قرآن کے خلاف سازش جو ہوئی سب سے بڑی سازش یہ تھی کہ اس دور کی تاریخ اس قسم کی دیدی جائے کہ یہ یکسر اسلام کے خلاف جا رہی ہو اور اس میں بہت بڑی سازش یہ تھی کہ خود ان لوگوں کا کردار اس قدر (معاذ اللہ) گھناؤنا کر کے پیش کیا جائے کہ اس کے بعد بات کیا آگے چلے گی۔ بات وہ چلے گی جو آج چلی ہوئی ہے۔ یہ ہیں جن کے متعلق قرآن یہ کہتا ہے۔ تاریخ لکھی گئی ان کے متعلق' کب لکھی گئی' صحابہ کبارؓ نے لکھی' رسول اللہ ﷺ نے لکھوائی' خلفائے راشدین نے لکھی' ان صحابہؓ کے گروہ میں سے کسی نے لکھی؟ کوئی دو چار سال بعد لکھی گئی؟۔ ڈھائی تین سو سال کے بعد لکھی گئی بغیر کسی قسم کے پہلے Previous Record کے' تاریخ آپ کے ہاں کی مرتب ہوئی اس دور کی۔ پتہ اس تاریخ میں کیا کہا گیا' پہلا ہی ورق الٹیے رسول اللہ ﷺ وفات پا رہے ہیں اور ابھی حضور ﷺ کا جسدِ طیب بھی دفنایا بھی نہیں گیا' وہ رکھا ہے۔ تاریخ یہ بتا رہی ہے وہ ابھی رکھا ہے اور یہ سارے مہاجرین اور جن کے مومن حقا ہونے کے شہادت خدا دے رہا ہے' رسول کی زبانی دے رہا ہے' ابدی طور پہ اس شہادت کو محفوظ کر رہا ہے قرآن کے اندر' مؤمنِ حقا رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ والے۔ یہ سارے جمع ہو رہے ہیں انصار اور مہاجرین سقیفہ بنی سعد میں' کاہے کے لیے' الیکشن کے لیے۔ اس الیکشن کی روئیداد ذرا آپ پڑھیے طبری' میں اس تاریخ میں۔ بعینہ جو کچھ آج کل ہوتا ہے نا آپ کے ہاں سارا نقشہ اس شخص نے یہ دیدیا۔ (معاذ اللہ معاذ اللہ) یہ دیدیا ہے اس کے اندر کہ ایک طرف کے Candidate کی داڑھی ہے دوسری طرف کے Candidate کا ہاتھ ہے۔ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ۔ سوچیے کھڈیاں نہیں پڑ گئیں ان کے' یہ اس دن کا واقعہ ہے' وہ کہہ رہے ہیں اٹھ کے کہ تم نے ایک بات کی تو میرا خنجر ہوگا تمہارا سر ہوگا اور وہ کہتا ہے تم کر کے دیکھو مدینے کی گلیاں ہونگی' تمہارا خون ہوگا۔ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ . اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ کی شہادت دی ہے خدا نے۔ یہ وہاں ہو رہا ہے پہلے دن۔ جی۔ سوچ رہے ہیں آپ کیا ہو رہا ہے۔

کمرے کی چار دیواری سے باہر میدانِ جنگ کا منظر اور پھر قرآن حکیم کی وعید

چار قدم اور آگے بڑھتے ہیں تو ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ انہیں گروہ کو یہاں تو صرف مدینے کے ایک کمرے میں یہ دو تھے' میدانِ جنگ میں کھڑے ہیں صاحب' سارے کے سارے صحابہؓ آدھے ایک طرف آدھے دوسری طرف۔ تاریخ یہی بتاتی ہے کہ ایک جنگ جَمل میں تو دس ہزار کے قریب یعنی اگر پانچ ادھر کے پانچ اُدھر کے' اُدھر بھی صحابہؓ اِدھر بھی صحابہؓ سارے ہی۔ اور جنگ صفین میں تو وہ کہتے ہیں ستر ہزار کے قریب۔ یا میرے اللہ۔ قرآن کی اس وعید کے ہوتے ہوئے کہ **مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا** (4:93) جس کسی ایک مومن نے دوسرے مومن کو بالارادہ قتل کر دیا' سیدھا جہنم میں چلا جائے گا۔ یہ مومن حقا **لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ** (8:4) جن کے لیے کہا ہے ہم نے جنت تیار کر کے رکھ دی ہے۔ نظر آتا ہے کہ اس میں پھر گیا ہی کوئی نہیں ہوگا جنت میں۔ سارے صحابہؓ یہ ہیں۔

تیرے نشتر کی زد شریانِ قیس ناتوان تک ہے

سوچیے عزیزانِ من! ہمارے ساتھ ہوا کیا ہے' اور پھر تیرے نشتر کی زد شریانِ قیس ناتواں تک ہے''۔ صحابہؓ کے متعلق یہ بات تو پھر آگے بات آئی کہ کیوں جی پھر جس رسول کی تربیت کا نتیجہ یہ تھا۔ وہ یہی ہیں جنہیں آپ کہہ رہے ہیں کہ دنیا میں سب سے بڑا مسیحا آیا تھا وہ' یہ ہے نتیجہ اس کا۔ اپنے سامنے تو کسی نہ کسی طرح سے باندھ کے رکھا ان کو' اور ادھر آنکھیں بند ہوئیں اور اسکے بعد پھر یہ کیفیت۔ کیا کہتے ہیں آپ' پھر کیا کہتے ہیں اس تعلیم کو جس قرآن کے یہ حامل تھے انہیں کیا کہتے ہیں' پھر کیا کہتے ہیں اس نمونے کو جسے آپ کہتے ہیں قیامت تک کے لیے ہمارے پاس یہ نمونہ ہے۔ قرآن نے تو سبیل المؤمنین اختیار کرنے کا حکم دیا ہے' مؤمنین کا راستہ اختیار کرو۔ تو وہ مؤمنین ہی نہیں یہ تو مومنین حقا تھے۔ تو اگر مؤمنین حقا کا راستہ یہ ہے جس کا حکم ہو رہا ہے اختیار کرو تو پھر آج گلہ گزار کیوں ہو کہ ایک دوسرے کو خنجر گھونپ رہے ہیں۔ راستے میں کھڑا ہوا ایک بدمعاش دوسرے شریف آدمی کے گھر میں۔ وہ کہتے ہیں یہ تو سارے کا سارا ہم نے تو اسوہ وہاں سے لیا ہے۔ آپ کے ہاں سارے صحابہؓ کے ایک دوسرے کے خلاف سینے میں خنجر گھونپ رہے تھے' ستر ہزار کہہ رہے ہو نا ایک جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔ کیا کہتے ہیں آپ۔

میدان جنگ میں 70 ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم کی شہادت اور وہ بھی آپس میں (معاذ اللہ)

سوچیے عزیزانِ من! اور پھر یہ جنہوں نے یہ دی ہیں آپ کو یہ چیزیں انہیں آپ ایک پہلے تو امام طبری آخر میں رحمتہ اللہ علیہ' یہ سارا کچھ ان کے ساتھ۔ سینے سے لگائے پھر رہے ہیں آپ' آپ کے دار العلوموں میں ان کے ختم ہوتے ہیں' نصاب میں داخل ہیں' پڑھائے جا رہے ہیں۔ اتنا ہی نہیں ہے آپ ان کو مستند مانتے ہیں۔ تعلیم تو ہوتی ہے نظری' یہ Theoratical ہوتی ہے' اس کا نمونہ ہوتا ہے Practical Concrete وہ تاریخ ہوتی ہے۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ یہ قرآنِ کریم کے اندر جو میں نے آج مثلاً آپ کے سامنے پیش کی ہیں' کوئی نئی بات تو میں نے پیش نہیں کی۔ قرآن کی آیتیں ہیں یہ ہم سب کے سامنے ہیں نا۔ یہ آیتیں تو ہیں ہمارے سامنے لیکن

آپ دیکھیے جہاں ہم بیٹھیں گے جنگ جمل جنگ صفین صحابہؓ کے سارے قصے جو ہیں بیان کرتے چلے جائیں گے۔کوئی اس میں نہ قرق ہوگی نہ کھٹک پیدا ہوگی کہ ہم کر کیا رہے ہیں کیا کہہ رہے ہیں' وہ ایک طرف قرآن کی شہادتیں ہیں دوسری طرف ہم یہ چیزیں بیان کر رہے ہیں۔چلی پھر ساری تاریخ۔یہاں وہ کہہ رہا ہے کہ ضرورت سے زائد جو کچھ کسی کے پاس ہے وہ سارا دوسروں کی ضرورت کے لیے ہے۔آ گئی تاریخ کہ یہ جی فلاں حضرت صاحب کے ماموں صحابہ کبارؓ کہ جی ان کا پوچھو نہیں' ان کا قافلہ جو دولت کا آیا کرتا تھا پچھلا اونٹ مصر میں ہوتا تھا اگلا اونٹ مدینے میں ہوتا تھا' انبار لگے ہوئے ہیں ان کے ہاں دولت کے۔یہ سارا کچھ ہو رہا ہے' یہ تاریخ ہے آپ کے ہاں کی' چلی آ رہی ہے۔

ہمارے ہاں کی تاریخ کا حقائق سے کوئی واسطہ نہیں ہے

میں اس کو چھوڑتا ہوں میں اتنے ہی حصے کو لیتا ہوں جس کی شہادت قرآن نے دی ہے ان مومنین حقا کی جن کے متعلق کہا ہے کہ رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ (48:29) . اَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ (8:63) کیا جن کے دل جوڑے تھے اللہ نے اور کہا تھا رسول سے کہ یہ وہ نعمت ہے کہ دنیا کی کسی دولت صرف کرنے سے یہ حاصل نہ ہو سکتی' ہم نے پیدا کی۔کیا اس کا یہ ملمع اتنا ہی تھا کہ ابھی رسول اللہ ﷺ کے آنکھ بند کیے ہوئے کو ایک دن بھی نہیں گذرا' ابھی تو میں نے کہا ہے' جسدِ طیب ابھی باہر رکھا ہے (تاریخ کہہ رہی ہے) اور وہاں یہ کچھ ہو رہا ہے سر پھٹول۔یہی ہے سیرت آپ کے صحابہؓ کی۔اور ان میں تو پھر یہ انصار اور مہاجرین خاص طور پہ اس نے لکھا ہے سقیفہ بنی سعد میں' نہ بھی لکھا ہو تو یہ جنگیں ساری جتنی ہوئی ہیں ان میں یہ تین گروہ ہونگے ناجن کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے السّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ پھر وہ کہ اتَّبَعُوۡهُمۡ بِاِحۡسَانٍ پھر وہ جو فتح کے بعد آئے جن کے متعلق قرآن نے کہا کُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الۡحُسۡنٰی یہ سارے آ گئے نا اس میں۔اور یہ سارے آپ نے کھڑے کر دیے میدان جنگ میں لا کے' آدھے ایک طرف' آدھے ایک طرف۔اور اس کے بعد پھر آگے امت کے لیے یہ چیز آ گئی کہ دو گالیاں انہیں' جنہوں نے گالی نہ دی ان سے بھی کہو کہ کیا کہتے ہیں آپ' کہا کہ صاحب یہ کام وہ ہے کہ جس میں بہر حال ہمیں ذرا خاموشی سے ہی آگے بڑھ جانا چاہیے۔یعنی تم زبان سے نہیں دیتے' دل سے گالی دیتے ہو۔جن کے متعلق یہ کہتے ہو کہ زبان نہ کھلواؤ ہماری' یہ کہنا ہے نا عزیزانِ من! اللہ اکبر اللہ اکبر۔تو خدا اور اس کے فرشتے ان کے اوپر درود بھیجتے ہیں اس جماعتِ مؤمنین کے اوپر' وہ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کہہ رہا ہے۔یعنی یہ اپنی طرف سے بہت زیادہ متقی پرہیزگار جو بنتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ صاحب یہ وہ مقام ہیں ان کے متعلق کچھ کہنا نہیں چاہیے۔یعنی محاورہ ہمارے ہاں ہے کہ میری زبان نہ کھلوائیے' یہ کہتے ہیں نا کہ وہ تو زبان کھول دیتے ہیں' ہماری زبان نہ کھلوائیے آگے چلے جائیے۔سارے صحابہ کبارؓ کی جماعت' اگر یہ ٹھیک ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے یہ پھل جو آپ دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں عزیزانِ من! اس درختِ طیب کے متعلق دنیا کیا کہے گی۔اور دنیا کہتی ہے اس کے بعد جب وہ کہتی ہے اس کو تو تم چھرا گھونپ دیتے ہو اور ان کو پھر درس میں؟؟ کر دیتے ہو۔پرویز کافر اس لیے تھا کہ اس نے کہا کہ بابا یہ جو تاریخ تمہاری لکھی ہوئی ہے' بیٹھ کے اس پہ نظر ثانی کرو۔سوال پیدا ہوا کہ اس کے متعلق تحقیق کس

طرح کی جائے۔ میں نے کہا کوئی ذریعہ تحقیق کا نہیں ہے تمہارے پاس' ہے ہی نہیں جی۔ یہ جتنے نئے نئے کتابیں لکھنے والے آپ کے سامنے آتے ہیں نا یہ کہتے ہیں ہم محقق ہیں اب تاریخ میں۔

نبی اکرم ﷺ کے 10 سال تک کے زمانے کی کوئی فائیل کہیں موجود نہیں

عزیزانِ من! سوچیے کہ یہ تحقیق کر کیا سکتے ہیں' ان کے پاس وہ کتابیں جو پہلے اس دور کی لکھی ہوئی آ رہی ہیں کچھ بھی لیجیے' طبری کی کتاب ہے اس سے پہلے دو تین کتابیں اور لے لیجیے' اس کے سوا تو کوئی اور ذریعہ ہی نہیں ہے آپ کے پاس اس زمانے کی تاریخ معلوم کرنے کا۔ وہ تو معلوم نہیں کتنی گہری سازش تھی میں یہ بتایا کرتا ہوں' مدینے میں نبی اکرم ﷺ کا زمانہ دس سال کا' حضرت عثمانؓ تک کا زمانہ جو ہے خلافت راشدہ کا وہ بہر حال سن 35ھ تک تھا۔ مدینہ اتنی بڑی مملکت کا دارالسلطنت' یونہی کوئی خانقاہ نہیں ہے' کوئی تکیہ' دائرہ نہیں' کوئی دارالمطالعہ نہیں' یعنی اتنی بڑی مملکت کا کیپٹل سٹی' اتنے عرصے تک وہاں یہ مملکت قائم رہی۔ مدینہ طیبہ' اس میں نہ اس کے بعد ایسا زلزلہ آیا ہے کہ وہ زمین میں دھنس گیا ہو' نہ کبھی آگ لگی کہ سارا شہر جل گیا ہو' نہ کوئی سیلاب آیا کہ سارا شہر بہہ گیا ہو' نہ کسی نے باہر سے ایسا حملہ کیا کہ اس نے سب آ کے مسمار کر دی ہیں' محفوظ چلا آ رہا ہے اس زمانے سے آج تک۔ اتنی بڑی مملکت کا اتنا بڑا کیپٹل سٹی' ایک Chit of Paper وہاں موجود نہیں آپ کے ہاں کی اس دور کی۔ یہ اتنی بڑی مملکت کا کاروبار ''اوانگلیاں تے گن دے ہوندے ہیگے سن'' قوانین جاری ہو رہے ہیں' دوسری مملکتوں کے ساتھ کاروبار ہو رہے ہیں یہاں مملکت کا حساب کتاب' رجسٹر سیکرٹیریٹ یہ سارا کچھ ہے۔ ایک پرزہ کاغذ کا اس دور کا آپ کے پاس نہیں ہے۔

دورِ خلفتِ راشدہ کے حالات کی تحقیق کا معیار

تاریخ ہے یہ دو سو سال ڈھائی سو سال تین سو سال بعد کی لکھی ہوئی اس میں یہ سب کچھ آ گیا۔ میں پوچھتا یہ ہوں جسے آپ کہتے ہیں کہ صاحب تاریخی تحقیق کے بعد جو محقق ہے' مؤرخ ہے وہ کیا کرے گا۔ وہ کرے گا یہ کہ یہی جو اس زمانے کی پانچ سات دس کتابیں ہیں ان کو لے لے گا اپنی مرضی کے مطابق ان میں سے جو جی چاہے گا چن کے' الگ کر کے' یہ ہوگی اس کے ہاں کی تحقیق انیق تاریخ کے محقق کی۔ ہر لکھنے والا اپنی Choice کے مطابق اس میں سے چن لے گا۔ اور تاریخ تو نپولین کے الفاظ میں' وہ بچوں کے پاس ہوتا ہے نا ABC اس طرح سے اکٹھے ہوئے انہوں نے Word بنانا ہوتا ہے Water' اس میں W A T E R اس نے لکھا اس نے Fire بنانا ہے۔ وہ کہتا ہے اس تاریخ کے ڈبے میں سے جس قسم کا لفظ بنانا چاہو اس قسم کے حرف مل جاتے ہیں۔ یہ آپ کے پرانے ڈبے چلے آ رہے ہیں ہر نیا محقق ان میں سے اپنی مرضی کے مطابق واقعات چن لیتا ہے' ایک نئی چیز آپ کو پیش کر دیتا ہے۔ تو اب یہاں آپ کھڑے ہو گئے۔ تو پھر میں کیا کہتا ہوں۔ میں اتنی سی بات کہتا ہوں کہ بعد میں آنے والوں کے متعلق' ہمیں کچھ واسطہ نہیں ہے تِلْکَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَ لَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (2:141) یہ لوگ چلے گئے اپنے اپنے وقتوں میں' جو کر گئے ان کا معاملہ ان کے ساتھ' تمہارے معاملہ تمہارے ساتھ' تم سے ہم پوچھیں گے نہیں انہوں نے کیا کیا۔

دورِ رسالت کی تاریخ کو ماپنے کا معیار

تو بعد والوں کی تاریخ کے متعلق تو یہ اہمیت ہوگئی ہماری۔ یہ جو ہے جن کو اس نے (اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا (8:4) کہا ہے یہ انصار اور مہاجرین اور جن کو صحابہؓ کہا ہے ان کے بعد آنے والے خواہ وہ فتح مکہ کے بعد کے ہیں' پہلے کے ہیں' رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے ہیں جن کے متعلق یہ کہا ہے کہ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ (48:29) ان کے متعلق قرآن نے شہادت دی ہے کہ یہ مومن حقا تھے اور مومن حقا کی صفات قرآن میں دی ہوئی ہیں۔ تو میں یہ کہتا ہوں کہ اس تاریخ میں یہ دیکھو کہ جو باتیں محمد رسول اللہ ﷺ والذین معہٗ تک اس میں جو باتیں ایسی ہیں جو مومن کے شایان شان ہیں اور ان کی طرف منسوب ہیں' انہیں کہو کہ یہ صحیح ہوسکتی ہیں کیونکہ قرآن کی شہادت کے مطابق ہیں۔ اور اگر ایسی باتیں ہیں جو ایک مومن کے شایان شان نہیں ہیں اور تاریخ میں ہیں' کہو کہ یہ تاریخ کا بیان غلط ہے۔ اس لیے کہ اگر اسے ہم صحیح مانتے ہیں تو قرآن کے بیان کی تکذیب کرتے ہیں ہم کہ یہ جھوٹ بولتا ہے (معاذ اللہ)۔ یہ ہے معیار عزیزانِ من! صرف اس دور کی تاریخ مرتب کرنے کا' یوں مرتب کی جائے گی۔ اور اس کے لیے بڑا میٹریل آپ کو ملتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ ﷺ میں بھی جو تاریخ کی رو سے مرتب کی ہیں لوگوں نے آپ کو پتہ ہے کس قسم کی غلطیاں ہے۔

یورپ کے معاندین کے لیے تاریخ کا ماخذ اور علامہ پرویزؒ کی طرف سے سیرتِ نبی پر لکھی گئی معراج انسانیت کا ذکر

یہ سارے یورپ کے معاندین انہی تاریخوں سے حضور ﷺ کے خلاف اتنے اعتراضات کرتے ہیں۔ ساری چیزیں آپ کے ہاں حدیث کی کتابیں بھی ہونگی' تاریخ کی کتابیں بھی ہونگی' یہ ساری تاریخ ہی ہے حقیقت میں۔ امام بخاری نے خود اپنی کتاب کا نام اس دور کی تاریخ لکھا تھا۔ خیر۔ میں نے اس میں یہ نبی اکرم ﷺ کی سیرت پہ کتاب ابھی تک لکھی ہے 'معراج انسانیت' میں نے بنیاد یہ رکھی' خود قرآنِ کریم میں حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کے متعلق اتنا کچھ موجود ہے کہ ان کی سرخی یا عنوانات جو میں کہونگا' وہ تو اسی سے مرتب ہوجاتے ہیں۔ میں نے یہ Attempt کی اور وہ موجود ہے کتاب آپ کے سامنے۔ قرآنِ کریم کی آیات جو ہیں وہ عنوانات ہیں اور اس کے نیچے اسی تاریخ سے واقعات میں نے لیے ہیں۔ میرے پاس اور کونسا ذریعہ تھا۔ لیکن وہ واقعات لیے ہیں جو اس کے مطابق ہیں جو قرآن نے کہا ہے اور جو اس کے خلاف جاتے ہیں میں نے لکھ دیا ہے کہ یہ سچے نہیں ہوسکتے کیونکہ قرآن کے خلاف ہے۔ سیرت کی ایک پوری کتاب پانچ سو صفحہ کی بڑی جلد کی مرتب ہوگئی اور اس قسم کی اور ہوسکتی ہیں۔ دورِ محمدی ﷺ رسول اللہ والذین معہٗ ان کے متعلق تاریخ سے یہ کیجیے۔ یہ تاریخ ہوگی آپ کے ہاں کی ایک مستند تاریخ کیونکہ اس کی سند قرآن دیگا۔ ورنہ یہ جتنی تاریخیں آپ کے پاس وہ ہیں ان کو اگر آپ تاریخیں لے لے کہ طبری علیہ الرحمۃ کی لکھی ہوئی ہے' یا فلاں امام کی لکھی ہوئی ہے' اس میں تو آپ کو یہ سارا کچھ ملے گا۔ اور اگر یہ معیار آپ کے پاس نہیں تو پھر دوسرا معیار آپ کے پاس نہیں اس کا کہ اس کو آپ غلط کہیں' اس کو صحیح کہیں۔

علامہ پرویزؒ پر حدیث کو نہ ماننے کا الزام اور اس کی حقیقت

وہ جو کہا کرتے ہیں کہ جی آپ حدیثیں نہیں مانتے تو آپ نے یہ حدیث کیوں Quote کر دی۔ ارے سوچو تو سہی کہ میں کیا کہتا ہوں۔ تم نے خود ہی فیصلہ کر لیا نا کہ میں حدیث کو نہیں مانتا۔ میں کہتا یہ ہوں کہ حدیث کے مجموعوں کے اندر کوئی ایسی حدیث جو قرآن کے خلاف جاتی ہو، جس سے رسول اللہ ﷺ کی سیرت داغدار ہوتی ہو، میرے نزدیک وہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث نہیں ہے۔ یہ نہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو نہیں مانتا، میں اس کے متعلق کہہ نہیں رسول اللہ ﷺ کی، کیوں نہ ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق قرآن کی شہادت ہے کہ قرآن کے مطابق تو سیرت تھی، وہ حدیث یا تاریخ میں کوئی بات ایسی جو حضور ﷺ کی طرف منسوب کی جائے اور وہ اس سیرت کے خلاف ہو جو قرآن نے دی ہے، ہم کہیں گے کہ غلط ہے۔ عزیزانِ من! ایک طبری، کیا دس ہزار طبری ایک بخاری کیا کتنے بخاری اور ان کی کتابیں وہ ایک طرف اور قرآن کی شہادت ایک طرف۔ قرآن کی شہادت کے خلاف اگر ان لوگوں میں سے ہزار کے متعلق بھی یہ کہنا پڑے کہ ان کو غلط فہمی ہوگئی یا انہوں نے غلط لکھ دیا ہے، آسمان نہیں ٹوٹ پڑے گا ابوالکلام آزاد کے الفاظ میں۔

حدیث کے معاملے میں ابوالکلام آزاد کا فرمان قابلِ غور ہے

لیکن یہ چیز کہ جو بات حضور ﷺ کی سیرت کے خلاف جائے، صحابہؓ کی سیرت کو داغدار کرے، قرآن کی شہادت کے خلاف جائے، اُسے وہاں سے ماننا جو ہے قرآن کی تکذیب ہے۔ ایمان ہم قرآن پہ لانے کے مکلّف ہیں کسی طبری کے اوپر نہیں، کسی بخاری پہ نہیں۔ پوچھا یہ جائے گا ہم سے کہ ہم نے ان کے متعلق جو کہا تھا کہ یہ مومن حقا ہیں تم نے جو ان کے متعلق یہ دل میں خیال یا عقیدہ رکھا کہ یہ ایسے انہوں نے کام کیے کہ جو مومن تو ایک طرف، عام شریف انسانوں کے بھی سیرت کے خلاف ہوتے ہیں، ہماری اس شہادت کے خلاف تم نے یہ کیوں مانا۔ کیا اس وقت طبری چھڑا لے گا آپ کو، یا یہ کہہ کے آپ بچ جائیں گے کہ صاحب میں نے تو یہ طبری والی بات جو ہے، یہ کی تھی۔ وہ کہے گا کہ ہم نے کہا تھا کہ ہم تم سے یہ پوچھیں گے ہی نہیں کہ طبری نے کیا کہا، اس قرآن پہ تھا نا ایمان تمہارا، تھا نا قرآن میں ہم نے یہ لکھا ہوا پھر کیوں مانا تم نے۔ اتنی سی بات ہے۔

ملت اسلامیہ کے لیے یہ لازم ہے کہ اس دور کی تاریخ قرآن حکیم کی روشنی میں مرتب کرے

عزیزانِ من!۔ تو اس دور کی تاریخ جو ہے وہ نئے سرے سے مرتب کرنی ہوگی قرآن کو بنیاد بنا کر، کیونکہ اس نے کہا ہے اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ط لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ (8:4) یہ ہے عزیزانِ من! مسلک میرا، حضور ﷺ کی سیرت، صحابہ کبارؓ کی سیرت کے متعلق ہماری تاریخ کے متعلق قرآن کی شہادت کے متعلق۔

قرآن حکیم کی روشنی میں مومنِ حقا کی عملی زندگی کے حقوق

بات یہاں سے چلی تھی کہا تھا کہ مومن کون ہیں۔ جب عمومی ذکر آتا ہے ان کے سامنے تو ایک Receptive Mood پیدا ہوجاتا ہے وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ ۔احکام سامنے پیش آتے ہیں' سرِتسلیم خم کر لیتے ہیں صاحب' ان کا یقین اور محکم ہوجاتا ہے اور Confidence بڑھ جاتا ہے پھر وہ اس نظام کی تشکیل کرتے ہیں۔ جو کچھ انہیں دیا جاتا ہے' کھلا رکھتے ہیں دوسروں کی ضرورت کے لیے۔انہیں مؤمن حقا کہا گیا۔تو میں نے کہا تھا کہ صرف یہی بات ہے جو ہم یہ کہہ رہے ہیں' تو میں نے کہا تھا کہ قرآن واضح کرتا ہے۔ بات رزق کریم کے بعد کہا كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ (8:5) یہ کَمَا دیکھیے کیا بات کر رہا ہے۔جس طرح یہ ہوا تھا۔تو بات سمجھ میں آ گئی کہ جس طرح یہ آگے بات بتا رہا ہے نا یہ اس طرح ہے وہ ایمان' اس طرح ہے وہ اقامت صلوٰۃ ہے' اس کے معنی ہیں انفاق' اس کے معنی ہیں مؤمنِ حقا ہونا۔ یہ پتہ ہے اس کَمَا کے بعد پھر کیا بات آئی ہے آگے' ورنہ نماز کی بات ہو تو کما کے بعد آنا چاہیے نا جیسے امام ابوحنیفہ پڑھا کرتے تھے یا امام مالک پڑھا کرتے تھے' یہی آنا چاہیے نا آگے۔ یہاں تو کچھ اور ہی آ رہا ہے۔کیا آ رہا ہے' قرآن کے نظام کا وہ معرکہ آراء واقعہ جسے قرآن نے یوم الفرقان کہا ہے کہ یہاں الگ الگ ہوگیا کفر اور اسلام۔کونسا واقعہ تھا یہ' یہ جنگِ بدر تھی یہ کَمَا کے بعد وہ ہے' جیسا کہ جنگِ بدر میں سامنے آ گیا۔کیا تھی یہ جنگ۔تیرہ سال تک مکّہ میں آپ ﷺ نے اس قرآنی تعلیم کی تبلیغ کی اس فکر کی اشاعت کی اس میں سے جتنی سعید روحیں تھیں وہ آپ کے ساتھ آ گئیں۔ مسلسل مخالفت' صعوبات' مشکلات' دشواریاں' پیہم دشواریاں' بڑی تکالیف' انہوں نے برداشت کیں' اس کے بعد ایک متعین پروگرام کے مطابق'

قرآن حکیم اپنے ماننے والوں کو کسی زمین کے ٹکڑے کے ساتھ وابستہ نہیں کرتا

یاد رکھیے ہجرت Escapism نہیں ہے' فرار نہیں ہے' بھاگنا نہیں بلکہ ایک پروگرام ہے کہ اس کے بعد تم دیکھو جب جماعت تیار ہوجائے تو پھر دیکھو کہ کونسی فضا ایسی ہے جو اس نظام کی عملی تشکیل کے لیے زیادہ سازگار ہے۔قرآن کسی جماعت کے فرد کو کسی سرزمین کے ساتھ وابستہ نہیں کرتا۔زمین سے وابستہ تو یہ پہاڑ اور یہ پتھر اور یہ درخت ہوتے ہیں' انسان نہیں ہوتے۔کہا جو بھی فضا سازگار ہوگی وہاں چلے جاؤ' اسے ہجرت کہتے ہیں۔وہاں آ گئے۔اب یہ جو تھے قریش ان سے کچھ نہیں کہا' کچھ لے کے نہیں ان کا آ گئے' اس طرح سے بھاگ کے نہیں آ گئے' ان کی تو امانتیں بھی واپس کر کے آئے تھے۔تو معاملہ ختم ہوجانا چاہیے تھا۔اگر یہی ان کو شکایت تھی کہ یہاں یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں ہمارے بتوں کی توہین ہوتی ہے' تو یہ کہنے والے چلے گئے' بات صاف ہوجانی چاہیے تھی۔یہیں سے پتہ چلتا ہے کہ معاملہ اتنا ہی نہیں تھا معاملہ تو کچھ اس سے بڑا تھا۔

بدر کے رستہ میں اہل قریش کا ایک ہزار افراد کی قوت کے ساتھ مدینے پر حملہ

قریش نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا مدینے پہ حملہ کرنے کے لیے۔ پہلے تو مدینے کا جو غیر مسلم سردار تھا اس زمانے کا پہلے تو اس کو یہ لکھا کہ یہ ہمارے ہاں کے باغی لوگ بھاگ کے آ گئے ہیں یا ان کو وہیں قتل کر دو یا انہیں باندھ کے ہمارے پاس بھیج دو واپس۔اُسے تو

حضورﷺ نے سمجھایا تو بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اُس نے یہ نہیں کیا تو اس کے بعد وہاں سے ایک لشکر جرار' اُس زمانے کا عزیزانِ من! جو ہم ہزار کہتے ہیں آج تو کوئی بڑی چیز نہیں اس دور کے اندر یہ بڑی چیز تھی اور پھر قریش تو سارے کے سارے بڑی ہی جنگجو قوم تھی بڑے لڑاکے تھے۔ ساز و سامان ان کے ساتھ تھا اس پورے ساز و یراق کے ساتھ' اسلحہ کے ساتھ' اتنے اتنے بڑے نبرد آزما' سپاہ ایک ہزار کی تعداد میں ان کی طرف آ رہی ہے یہ جو ابھی حال ہی میں بیچارے اپنے گھر بار چھوڑ کر پناہ گزیں ہوئے ہیں۔ یہ آپ نے یہاں کے پناہ گزیں بھی تو دیکھے تھے 1947ء میں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ آنے والے کس حالت میں آیا کرتے ہیں۔

مکہ سے ہجرت کرنے والوں کی دفاعی قوت تین سو تیرہ مجاہدین اور 2 گھوڑے

جن آنے والوں کے متعلق قرآن نے کہا کہ یہاں والوں نے ان کو پناہ دی اور ان کی مدد کی' اس حالت میں یہ آئے تھے۔ اور یہاں اور وہاں دونوں مل کے کوئی تین سو کے قریب تعداد بنتی تھی' سر چھپانے کا بھی ٹھکانہ نہیں تھا' فوج تو ایک طرف رہی۔ تو وہ تو جب میں نے سنا دسمبر 1947ء میں' انڈیا نے اس زمانے میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ پاکستان پہ حملہ کر دیا جائے کیونکہ اس وقت ان کی حالت بڑی ہی نازک ہے' بڑی پتلی حالت ہے' بڑی کمزور حالت ہے' اس وقت حملہ کر دیا جائے۔ تو وہ تو ان کے ہاں کے جو سٹریٹجی جاننے والے فوجی تھے انہوں نے یہ مشورہ دیا تھا کہ ابھی نہیں۔ لیکن حالت جو تھی ہماری یہاں اس زمانے میں ہم جانتے ہیں کہ ایسی حالت میں کہیں باہر سے حملہ ہو جانا جو تھا' وہ ختم کر دینے والی بات ہو سکتی ہے۔ یہ حالت تھی مدینے میں ان لوگوں کی جو قریش اس طرح سے حملہ آور ہوئے۔ اور ان کے لیے کتنا بڑا یہ پھر کٹھن مرحلہ تھا کہ تین سو تھے سارے اور تاریخ بتاتی ہے کہ ان کے پاس دو گھوڑے تھے۔ حالانکہ وہ جنگ تو ہوتی اس زمانے کے اندر رسالہ کی جنگ تھی' گھوڑے کی جنگ تھی۔ یہ تھے سارے کل تین سو کی تعداد' مدینے میں حالت یہ ان کی اور یہ لشکر سامنے سے آ رہا تھا۔

میدان جنگ میں حضور ﷺ کی رب کریم کے دربار میں حاضری کی نوعیت

سوچیے تو سہی وہ جو واقعہ تاریخ میں بیان ہوا ہے نظر آ رہا ہے کہ وہ حقیقت میں وہ حدیث بڑی صحیح ہے کہ جب یہ میدان میں آ کے کھڑے ہو گئے یہ تین سو کی متاع جتنی تھی کائنات میں' ساری ایک جگہ اکٹھی کر لی اس رسولﷺ نے۔ تو انہوں نے دیکھا کہ ایک طرف حضورﷺ کھڑے ہیں' نہایت عاجزی سے خدا کے حضور دعا مانگ رہے ہیں۔ کیفیت یہ ہے جذب و کیف کی کہ ردا مبارک کندھے سے گری گری جا رہی ہے' کہہ یہ رہے ہیں خدائے کائنات تو یہ دیکھ آج اس پوری کائنات میں تیرا نام لینے والی یہ تین سو تیرہ کی جماعت ہے میں آخری نبی ہوں' بعد میں نبی نہیں کوئی آئے گا' یہ آخری جماعت ہے تیری اگر اس میدان میں یہ ختم ہو گئی تو پھر قیامت تک تیرا نام لینے والا کوئی نہیں ہوگا۔ اس سے پتہ چلتا ہے اس کی اہمیت کا۔ اور ٹھیک بات تھی آخری نبی کی آخری امت ختم ہو جاتی۔ کیا دعا تھی جو نکلی تھی۔ اور پھر جس طرح مستجاب کر کے دکھایا صحابہؓ کی جماعت نے۔ یہ تھا وہ واقعہ جس کے لیے خبر آئی کہ وہ آ رہے ہیں ہجوم کر کے قریش۔ اور ایسے وقت میں آپ نے سوچ لیا ہے یہ کہ یہ جو پھر ساتھ نکلے ہیں یہ جو اوپر کہا تھا (**اولئک ھم المؤمنون حقًا**) یہ جو اقامت صلوٰۃ اور

انفاق کا ذکر پہلے کیا تھا' یہ جو مؤمنین کا ذکر کیا تھا ان کی خصوصیت کیا ہے۔ اس کے لیے ایک عملی جو مثال پیش کی ہے کَمَآ اَخۡرَجَکَ رَبُّکَ مِنۡۢ بَیۡتِکَ (8:5) جس طرح اس دن جنگِ بدر کے لیے خدا نے تمہیں گھر سے نکالا تھا' باہر لایا تھا بِالۡحَقِّ حق کے لیے کوئی اور جذبہ نہیں ہے۔ کہا یہ ہے وہ چیز جس سے کہ یہ پھر یہ مومن حقا بنے تھے۔ کیا ہوا تھا' تفصیل آگے آئے گی پوری سورۃ میں تفصیل آئے گی۔ بڑی عجیب عجیب چیزیں آئیں گی لیکن پھر اس تفصیل کو پھر آگے چل کے بیان کرونگا۔ سورۃ الانفال کی آیت 4 تک ہم آ گئے 5 سے آئندہ لیں گے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ (2:127)

❀.....❀.....❀

دوسرا باب: **سورۃ الانفال** (آیات5تا18)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیزانِ من!

آج دسمبر1972ء کی3 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ الانفال کی پانچویں آیت سے ہو رہا ہے۔ (8:5)

آج ایک پتہ نہیں کہاں سے کسی غلط فہمی کی وجہ سے اخبار میں درس کا وقت ساڑھے نو بجے چھپ گیا اس لیے بعض احباب اُسی وقت کے مطابق ذرا دیر سے آئے ہیں تو ہم نے ان کے ساتھ کچھ مفاہمت کر لی کچھ ہم نیچے اترے کچھ وہ آگے بڑھے تو جو احباب نو بجے کے وقت کے خیال سے آ گئے تھے انہیں کچھ تھوڑی سی مزاحمت ہوئی اس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔

تجدید یادداشت

سابقہ اتوار کا درس نہیں ہوا تھا کیونکہ اس اتوار کو کنونشن تھی اور کنونشن کا خطاب ہوا تھا۔ گذشتہ سے پیوستہ اتوار کو سورۃ الانفال کی تیسری یا چوتھی آیت ہمارے سامنے آئی تھی۔ تجدیدِ یادداشت کے لیے دہرا دوں کہ اس میں کہا یہ گیا تھا کہ مومن بلکہ مومنِ حقا کون ہوتے ہیں۔ انہی آیات پر اگر اکتفا کیا جائے تو وہ تو پھر مومنِ حقا ہونے کے لیے کچھ زیادہ کرنا ہی نہیں پڑتا۔ پہلی چیز تو اس میں یہ کہی گئی تھی کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ (8:2) کہ جب ان کے سامنے قوانینِ خداوندی کو اجمالاً پیش کیا جاتا ہے تو ان کے قلوب Receptive Mood میں ہو جاتے ہیں وہ ان میں ایک مرضی پیدا ہوتی ہے' ایک گداز پیدا ہوتا ہے۔ وہ جو بھی اس کے بعد احکام ملنے والے ہیں ان کو Receive کرنے کے لیے آمادگی ان کے اندر ایک پیدا ہو جاتی ہے' ایک نفسیاتی تغیر پیدا ہوتا ہے ان کے اندر۔ اور جب وہ قوانین ان کے سامنے آتے ہیں تو اس سے ان کا ایمان اور زیادہ بڑھ جاتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ جس مقصد کے لیے ہم نے اس مشن کو جزوِ زندگی بنایا تھا اس کے حصول کے لیے یہ احکام نہایت ضروری ہیں۔ اور اس کے بعد تھا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ(8:3)

مومن حقا کا معیارِ زندگی اور اصول حیات

اب مذہب کے تصور کی رو سے تو اتنا ہی ضروری ہو گیا کہ وہ لوگ کہ جو نماز قائم کرتے ہیں اور خیرات دیتے ہیں بس اتنی سی بات اس کا ترجمہ اب یہ کر لیا۔ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا (8:4) یہ ہیں مومن حقا' سچے پکے مومن۔ تو اگر اتنی سی بات پہ رکھا جائے یا اس کو محدود کر دیا جائے' اتنے میں تو سوال یہی ہو گیا کہ جو نماز پڑھتے ہیں اور خیرات دیتے ہیں وہ مومنِ حقا ہیں۔ تو اور چاہیے کیا اگر اتنے میں انسان صرف مسلمان نہیں' مومن خالی مؤمن نہیں' مومن حقا جن کے لیے لَھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَ مَغْفِرَۃٌ وَّ رِزْقٌ کَرِیْمٌ (8:4) اتنے اتنے بڑے وعدے دیے ہوئے ہیں۔ تو یہ تو مفت میں جنت مل رہی ہے صاحب۔ بات آگے چلتی ہے اتنے میں مؤمن حقا نہیں ہوا جا سکتا۔ اگلی آیت جہاں سے آج کے درس کا آغاز ہوتا ہے کَمَآ اَخْرَجَکَ رَبُّکَ (8:5) یہ ہے وہ چیز کما جہاں کہا ہے' مومن حقا ایسے بنتے ہیں۔ اور یہاں سے جنگِ بدر کے حالات کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔ اب آئی بات مومن حقا بننے کی۔

اسلام کے متعلق مخالفین کا جذبہ انتقام

اسلامی جنگوں کے متعلق بڑی غلط فہمی چلی آ رہی ہے۔ مخالفین نے خاص طور پہ یورپ نے' صلیبی جنگوں میں جو ان کو شکست ہوئی تو اس شکست کے زخم ابھی تک ان کے سینے سے مندمل نہیں ہوئے۔ اُنہوں نے اس قدر بھیانک پروپیگنڈہ کیا ہے اسلام کے خلاف' اُنہوں نے بتایا یہ ہے کہ تلوار ان کے ہاتھ میں ہوتی تھی جسے پکڑا اس کے سر پہ تلوار لے کے کھڑے ہو گئے اور کہا کہ یا کلمہ پڑھو یا گردن اتار دیتے ہیں اور اس طرح سے اسلام پھیلایا گیا۔ اُنہوں نے یہ پروپیگنڈہ کیا۔ ہمارے والے بھی کچھ ان سے کم نہیں تھے انہوں نے بھی جنگوں کے متعلق جو کچھ لکھا اس کا ماحصل یہی تھا کہ یہ سب اسلام کو پھیلانے کے لیے تھیں۔

حق کو قبول کرنے کے سلسلہ میں کسی قسم کی کوئی زبردستی نہیں

جس اسلام کے متعلق قرآن یہ کہہ رہا ہے کہ قُلِ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکُمۡ فَمَنۡ شَآءَ فَلۡیُؤۡمِنۡ وَّ مَنۡ شَآءَ فَلۡیَکۡفُرۡ (18:29) کہ حق تیرے رب کی طرف سے آ گیا' اب جس کا جی چاہے اسے مانے' جس کا جی چاہے اسے نہ مانے۔ جس نے مومن کے متعلق کہا ہے کہ جب اس کے سامنے خدا کی آیات بھی آ جاتی ہیں تو وہ اس کو اندھا گونگا بہرہ بن کے نہیں تسلیم کرتا' علیٰ وجہ البصیرت مانتا ہے (25:73)۔ اُس دین کے متعلق یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ کسی کو زبردستی مسلمان بنایا جا سکتا ہے۔ لیکن دونوں طرف یہ چیز ہوئی۔ ہمارے ہاں کے مؤرخین نے بھی بڑے فخر سے ان چیزوں کو بیان کیا کہ اس طرح سے ہماری افواج نے فلاں ملک فتح کیا اور لوگوں کو مسلمان بنایا۔ اُدھر سے یورپ کے پروپیگنڈسٹ جو تھے انہوں نے بھی اس کو اچھالا۔

ہجرت کے صرف ایک سال کے بعد جماعت مومنین اپنے ہاں جہانِ نَو کی نوید سے پوری طرح سرشار تھی

تاریخ ہمارے سامنے ہے جو قرآن میں مذکور ہے یا قرآن اس تاریخ کی تائید کرتا ہے کہ تیرہ سال تک نبی اکرم ﷺ مکے میں رہے اور وہاں ان کی' مخالفین کی تمام صعوبات' تکالیف' مصائب برداشت کرتے رہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں ٹھیک ہے جی وہاں قوت حاصل نہیں تھی' اس لیے یہ برداشت کرتے رہے۔ مدینے میں آئے تو ان کو قوت حاصل ہو گئی اور یہاں سے جنگوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ذرا سوچیے کہ مدینے میں کن حالات میں یہ آئے تھے اور یہاں کس طرح سے اتنی بڑی طاقت ان کو حاصل ہو گئی تھی کہ آتے ہی ایک ہی سال کے بعد دوسرے سال کے شروع میں' قریش جیسے وہ ایک پوری کی پوری قوم ہی سپاہ تھی ان کی۔ پورے قریش کے خلاف نبرد آزمائی کے لیے میدانِ جنگ میں جانے کے لیے انہیں قوت حاصل ہو گئی تھی؟ کیفیت ان کی یہ تھی کہ مکے سے یہ ہجرت کر کے آئے'۔

جنگ بدر کے وقت اہل مکہ اور مدینہ کے انصار کی معاشرتی زندگی کی نوعیت اور اس کے باوجود کامیابی

آج کی اصطلاح میں کہیے پناہ گزینوں کی طرح آئے' لٹے پٹے ہوئے' ویسے ہی ان کے پاس کچھ نہیں تھا۔ اور جب یہ ہجرت کر کے آئے ہیں تو وہ تو کچھ ساتھ لانے کا سوال نہیں تھا۔ وہاں سے تو یہ راتوں رات کسی طرح سے جان بچا کے وہاں سے بھاگ کر آتے تھے۔ اور پھر جتنے وہ آئے اور جتنے مدینے میں پہلے مسلمان تھے ان سب کو ملا کے تین سو کے قریب ان کی تعداد بنتی ہے۔ ان کے پاس ہر ایک کے پاس تلوار تک بھی نہیں تھی اور یہ مدینہ کے انصار جو تھے وہ جنگجو قوم نہیں تھی۔ یہ جو آئے تھے ان کے پاس زیادہ سے زیادہ ایک تلوار کسی کے پاس ہو گی' بدر کے میدان میں آئے ہیں تو ان کے پاس دو گھوڑے تھے سارے۔ اور وہاں مقابلہ ایک لشکر جرار سے تھا جو ہر قسم کے اسلحہ سے' سامان حرب سے لیس ہو کر مقابلے کے لیے آئے تھے۔ تو Common Sense کی بات ہے کہ جو لوگ اس طرح سے وہاں سے بھاگ کر آئے ہوں اور پھر ایسی صورت تھی کہ اگر مرد آ گئے ہیں تو ان کے اہل وعیال ابھی مکے میں تھے' انہی قریش کے قبضے میں تھے۔ اس طرح سے یہاں آئے ہوں' سر چھپانے کو بمشکل جگہ ملی ہو جن کے ہاں آئے ہیں' وہ بھی کوئی ایک مملکت کے مالک نہیں تھے' سلطنت نہیں تھی' قوت نہیں تھی ان کے پاس۔ ان کے ہاں آ کے یہ سر چھپا کے بیٹھے ہیں۔ اتنی سی تعداد ہے مختصر سی' ساز وسامان کوئی

نہیں ہے۔ان حالات میں کیا آپ سمجھ سکتے ہیں کہ انہوں نے پھر للکار کے قریش سے کہہ دیا ہوگا کہ ہاں صاحب اب آیئے ہمارے سامنے اور ہم تمہیں بناتے ہیں بزورِ شمشیر مسلمان۔یعنی کوئی شخص بقائمی ہوش اسکا تصور بھی کرسکتا ہے کہ ان حالات میں انہوں نے یہ کیا ہوگا۔اگر آپ کہتے ہیں کہ صاحب ٹھیک ہے انہوں نے مقابلے میں جنگیں لڑیں اور ان کے مقابلے میں للکارا تو دو چار دس برس کے بعد ایسا کچھ ہونا چاہیے تھا جب ان کے پاس پورا سامان ہوجاتا' تقویت پہنچ جاتی' افراد اتنے زیادہ ہوجاتے' لشکر بن جاتا ہے۔پھر تو کوئی بات بھی سمجھ میں آ سکتی تھی۔ان حالات میں آ کے بیٹھے ہیں ساز وسامان کچھ نہیں' پناہ گزینوں کی کیفیت ہے' سر کے اوپر سایہ کرنے کے لیے مکان تک ان بیچاروں کے پاس نہیں تھے۔جو ایک پہلا مرکز اپنا سجدہ گاہ بنایا ہے اس پہ یونہی کھجور کے پتے ڈالے ہوئے تھے انہوں نے۔ان حالات میں کہنا کہ پوری قومِ قریش سے انہوں نے الٹی میٹم دے کے جنگ مول لے لی تھی کہ آؤ صاحب اب ہم تمہیں مسلمان کرتے ہیں' یہ پاگلوں کی سی بات ہے۔

یہودیوں' عیسائیوں اور ایرانیوں کے برعکس اہل قریش کی مذہبی عقیدت واجبی سی تھی

ہوا یہ تھا کہ یہ وہاں سے ہجرت کر کے مدینے تو آ گئے۔یہ بھی سمجھ رکھیے کہ جو تعلیم یہ دیتے تھے' جو پیغام یہ دے رہے تھے' وہ قریش جو اس کی مخالفت کرتے تھے تو وہ اس لیے نہیں کہ یہ ان کی بت پرستی کو کچھ برا کہتے تھے۔یہ ٹھیک ہے کہ یہ بت پرستی سے منع کرتے تھے اپنے ہاں۔لیکن قریش کچھ ایسی گہری مذہبی قوم نہیں تھی یاد رکھیے ان کی مذہبیت بڑی سطحی تھی۔مذہبیت تو ان یہودیوں کے اندر تھی' ایرانیوں کے اندر تھی' عیسائیوں کے اندر تھی۔قریش تو واجبی طور پہ مذہب پرست قوم تھی اُسے مذہب پرست کہنا ہی نہیں چاہیے۔

جنگ بدر کی اصل وجہ قریش کا نسلی تفاخر تھا جس کی وہ حفاظت کرنا چاہتے تھے

ان کے ہاں یہ جو بت پرستی تھی' وہ ان کے قومی مفاد اس سے وابستہ تھے' قومی تفاخر وابستہ تھا۔انہوں نے تمام قبائل کے بڑے بڑے بت کعبے میں جمع کر رکھے تھے' کعبے کے متولی خود تھے۔تو انہیں ان بتوں کی وجہ سے ایک مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی تھی' عرب کی تمام عربی اقوام کے اندر مرکزی حیثیت تھی قریش کی بحیثیت کعبے کے مجاور اور متولی ہونے کے۔اور کعبہ مرکز انہوں نے بنالیا تھا تمام قبائل کے جتنے بت تھے بڑے بڑے' ان کو اس مرکز میں جمع کر دیا تھا۔ورنہ ان کی کچھ ان بتوں کے ساتھ والہانہ عقیدت نہیں تھی' گہری معبودیت کا تعلق نہیں تھا۔یہ تھا تعلق ان کا۔لہٰذا محض اس لیے کہ یہ لوگ بتوں کو برا کہتے تھے یا بت پرستی سے منع کرتے تھے' یہ وجہ نہیں تھی قریش کی اتنی سخت مخالفت ان مسلمانوں کی یا حضور ﷺ کے پیغام کی مخالفت کی یہ وجہ نہیں تھی۔وجہ یہ تھی کہ ان کے پاس جو کچھ قومی متاع تھا قریش کا' اسلام کا پیغام اُسے ختم کر رہا تھا۔انہیں نسلی تفاخر حاصل تھا وہ ساری دنیا کے انسانوں کے مقابلے میں اپنے آپ کو اونچا سمجھتے تھے۔اور پھر اہلِ حجاز کے عرب' دوسرے عربوں سے اپنے آپ کو اونچا سمجھتے تھے' اہلِ حجاز میں سے قریش اپنے آپ کو باقی قبائل کے مقابلے میں اونچا سمجھتے تھے۔یہ نسبی افتخار تھا ان کا جس کی وجہ سے وہ کسی دوسرے کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔

اہل قریش کی تمدنی زندگی کی کیفیت اوران کی طرف سے مخالفت کی وجہ

پہلی بار جو اسلام کا پیغام تھا وہ یہ کہ ہر انسانی بچہ پیدائش کے اعتبار سے یکساں واجب التکریم ہے۔اس لیے نسلی اور نسبی افتخار بالکل عہدِ جاہلیت کے تصورات ہیں' انسانیت کو اس سے کوئی دخل نہیں۔اسلام کے فروغ سے قریش کی یہ چیز جاتی تھی' وہ کسی قیمت پر بھی اس کو نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔پھر قریش کی کیفیت یہ تھی کہ ان کا سارا کاروبار غلام کرتے تھے' یہ مکہ بھرا ہوا تھا غلاموں سے اور لونڈیوں سے۔ یہ سارے کے سارے وڈیرے تھے' لینڈ لارڈ تو نہیں کیونکہ زمین تو نہیں تھی ان کے پاس' بہت بڑے مجاور تھے مہنت تھے' تاجر تھے' کاروبار سارا غلام کرتے تھے۔اسلام آ کے پیغام دیتا ہے کہ کسی کو حق حاصل نہیں کسی دوسرے انسان کو غلام بنائے۔یہ چیز تھی قریش کی مخالفت کی' وہ کہتے تھے ہمارا تو سارا معاشرتی نظام اس کا درہم برہم ہو جائے گا اگر اس شخص کا پیغام غالب آ گیا' یہ چیز چلی جائے گی۔پھر جیسا کہ میں نے کہا ہے' وہ کعبے کے مہنت تھے۔اسلام نے آ کے کہا کہ خدا اور بندے کے درمیان کوئی تیسری طاقت حائل نہیں ہو سکتی۔ برہمنیت' مذہبی پیشوائیت' پریسٹ ہڈ یہ ساری انسان کے خود ساختہ فریب ہیں۔اسلام اس کو مٹانے کے لیے آیا تھا۔اسلام ایک معاشی نظام دینے کے لیے آیا تھا جس میں قریش کے تاجر دوسروں کو Exploite کر کے استحصال کے ذریعے سے اتنی دولت جمع کر ہی نہیں سکتے تھے' وہ دولت کو جمع کرنا' جہنم والوں کا کام بتاتا تھا۔یہ تھیں وہ وجوہات جن کی بناء پہ قریش مخالفت کر رہے تھے۔جن معنوں میں ہم مذہبی سوال لیتے ہیں' یہ مذہبی سوال ہی نہیں تھا۔یہ دو دین تھے جو آپس میں ٹکرا رہے تھے دو نظامِ حیات تھے' جو ٹکرا رہے تھے۔اس وجہ سے قریش کی اتنی بڑی مخالفت تھی۔اب یہاں سے بات سمجھ میں آ جاتی ہے کہ یہ لوگ مکے سے ہجرت کر کے مدینے چلے گئے۔بات اگر یہی تھی کہ وہ ان کے بتوں کو برا کہتے تھے تو برا کہنے والے چلے گئے' ان کو کہنا چاہیے تھا (معاذ اللہ) خس کم جہاں پاک' اچھا ہوا گئے۔یہ جو باقی رہ گئے تھے ان سے بھی کہنا چاہیے تھا کہ بابا تم بھی جاؤ وہاں۔لیکن بات تو وہ تھی جو میں نے ابھی ابھی کہی ہے۔قریش کو یہ خطرہ تھا کہ عرب کے اندر کسی مقام پہ بھی ان کی مرکزیت ہو گئی اور ان کو اگر قوت اور غلبہ حاصل ہو گیا تو یہ ہمارے اس نظام کو الٹ کے رکھ دیں گے۔اور اس وجہ سے بھی کہ انہوں نے یہ کہہ رکھا تھا کہ ہمارے دین کا مرکز مکے کو بننا ہے کعبہ ہے ہمارا مرکز' اسی کو ہم نے اپنے اس نظام کا مرکز بنانا ہے۔تو قریش کے' یہ خطرہ ہر وقت سر پہ منڈلا رہا تھا کہ یہ جو پیغام لانے والی پروگرام ہے' اس جماعت کو لے کر جو جماعت اٹھی ہے' عرب میں کسی جگہ بھی اگر ان کا غلبہ ہو گیا تو یہ اپنا نظام قائم کریں گے جس نظام کے تحت ہمارا یہ نظام باقی نہیں رہے گا۔یہ وجہ تھی جو قریش اسے دیکھ نہیں سکتے تھے کہ اس جماعت کا کہیں بھی غلبہ اور تسلط ہو جائے۔اپنے ہاں یہ لوگ مکے میں تھے تو انہیں پتہ تھا کہ ہر وقت ہمارے استبداد کے نیچے ہیں۔ہم ان کو ابھرنے ہی نہیں دیں گے۔اور ابھرنے دیتے ہی نہیں تھے وہ'

ہجرت کا بنیادی مقصد ایک آزاد فضا میں قرآنی حکومت کا قیام تھا جو قریش کے لیے خطرے کی گھنٹی تھی

بیشتر تو ان کے اندر جو پہلے لبیک کہنے والے تھے' یہی غریبوں کی جماعت تھی۔ان میں سے بیشتر ان کے غلام تھے' ان کے محکوم تھے۔ اس لیے ان کے متعلق یہ سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا کہ یہ سر بھی ابھار سکیں گے۔جو ان میں سے ان کے ساتھ ملتا تھا' ان پہ جس جس قسم کی

سختیاں کرتے تھے' تاریخ اس کی شاہد ہے۔ پھر جو ان کے اپنے بھائی بند تھے وہ بھی اگر ان کے ساتھ ملتے تھے تو ان کی برادری اتنی بڑی سخت تھی کہ وہ تو ان کا دانہ پانی بند کر دیتے تھے۔ یہ قریش کے بلند ترین قبائل سے یہ تعلق رکھتے تھے۔ یہ حضرت عثمانؓ کیا اور حضرت عمرؓ کیا اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ کیا۔ یہ حضرات جو تھے یہ بھی جب اسلام لائے ہیں تو خود ان کے گھر والوں نے اتنی سختیاں کی تھیں۔ تو مکے میں رہتے ہوئے تو وہ جانتے تھے کہ ان کو ہم کبھی پنپنے نہیں دیں گے' فروغ نہیں ان کو حاصل ہوسکتا' دباتے چلے جائیں۔ ان کی جو ہجرت تھی وہ بھی فرار نہیں تھا Escapism نہیں تھا' انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ مکے میں رہتے ہوئے اس نظام کی تشکیل کی کم از کم کوئی بظاہر صورت نظر نہیں آتی اور بڑا مشکل نظر آتا ہے۔ اس لیے یہ ان کے استبداد سے نکل کے ایک فضا میں جانا چاہتے تھے جہاں یہ قریش کے اس شکنجے سے نکل جائیں اور آزادی کی فضا میں جا کر اپنے نظام کے قیام کے لیے فضا کو ہموار اور سازگار کریں۔

اہل قریش نے اپنے نظام کو بچانے کے لیے نبی اکرمؐ کی سخت مخالفت شروع کر دی

یہ تھی ہجرت۔ قریش کو اس کا علم تھا کہ وہاں اگر یہ چلے گئے تو وہاں کوئی مارشل ریس نہیں مدینے میں' وہاں یہودی زیادہ تھے ان کا کاروبار معاشی تھا' معاشی کاروبار والی قوم تو میدانِ جنگ میں آیا ہی نہیں کرتی۔ انہیں معلوم تھا کہ یہ وہاں یہودی ان کے مقابلے میں نہیں اٹھ سکیں گے' انصار جو تھے وہ مارشل ریس تھی نہیں اور انہوں نے تو ان کو دعوت دی تھی' وہ ان کے ساتھ ہو گئے۔ تو قریش کو یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ یہ جو یہاں سے اٹھ کے وہاں گئے ہیں' یہاں تو ہم سمجھتے تھے کہ ان کو کبھی ابھرنے نہیں دیں گے' وہاں ابھرنے کے سارے سامان ان کے پاس موجود ہیں۔ یہ وجہ تھی کہ قریش وہاں بھی ان کو چین سے بیٹھا دیکھ نہیں سکتے تھے اور یہ وجہ تھی کہ یہ جب وہاں گئے ہیں تو انہوں نے ایک سال کے اندر اندر دیکھا کہ کتنے لوگ جاتے ہیں' کیا یہ روش عام ہو رہی ہے۔ اور جب انہوں نے دیکھا کہ یہ عام ہو رہی ہے چلے جا رہے ہیں دھڑا دھڑ لوگ' اُنہوں نے کہا کہ اس خطرے کا سدِ باب شروع میں ہی کرنا چاہیے' ورنہ یہ نظام چھا جائے گا۔ اور یہ وجہ تھی کہ قریش امڈ کے چلے آ رہے تھے مدینے کی طرف۔ یہ انہوں نے مہاجرین نے یا رسول اللہ ﷺ نے یا آپ ﷺ کی جماعت نے یہ جنگ کی ابتداء نہیں کی تھی۔ قریش ایک عظیم لشکر لے کے امڈے چلے آ رہے تھے ان کے خلاف۔ بہانہ یہ بنایا تھا ان کا ایک قافلہ چلا آ رہا تھا۔ وہ جہاں سے گذرتا تھا وہ مدینے کے ذرا باہر سے وہ سڑک جاتی تھی' شاہراہ جاتی تھی جہاں سے وہ آ رہا تھا' ابوسفیان اس کا قافلہ سالار تھا۔ تجارت کا قافلہ تھا' مالِ تجارت تھا اس پہ لدا ہوا۔ اُنہوں نے یونہی یہ کہہ دیا کہ صاحب یہ مدینے کے مسلمان جو ہیں وہ اس قافلے کو لوٹنا چاہتے ہیں' Strategically یہ بات بھی تھی اگر یہ جنگ چھڑ جائے تو یہ ٹھیک ہے کہ وہ قافلہ تو فوج نہیں ہوتی اور اس میں مال تجارت بہت زیادہ قیمتی تھا' کچھ افراد بھی زیادہ نہیں تھے۔ مدینے سے قریب بھی تھے۔ مدینے کے مسلمانوں کے مقابلے میں صرف اہلِ قافلہ کمزور بھی تھے۔ تو یہ چیز آ سکتی تھی ذہن میں۔ لیکن یہ صرف بہانہ تھا۔ اس قافلے کے متعلق انہوں نے اہلِ مدینہ نے یا مسلمانوں نے کچھ نہیں کیا تھا۔ اُنہوں نے یہ بہانہ رکھ کر اور امڈے۔ اور یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں' بہانہ رکھ کر کہ جب یہ لوگ مکے سے مدینے آئے ہیں تو وہاں سے قریش نے مدینے کا جو سربراہ تھا' اسے خط لکھا تھا کہ یہ ہمارے ہاں کے مفرور ہیں انہیں تم واپس کر دو اور یا وہاں قتل کر دو بغاوت کے

جرم میں' یہ ہم سے بغاوت کر کے وہاں آئے ہیں۔ یہ چٹھی لکھی تھی اس نے۔ نبی اکرم ﷺ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے اس سے کہا کہ یہ ہمارا اور ان کا تو قریش کا آپس کا معاملہ ہے۔ یہ تم مدینے والے اگر یہ چیز کرو گے تو ہم یہاں بیٹھے ہوئے یہ تو نہیں کہ آرام سے تمہارے ہاتھوں سے قتل ہو جائیں گے یا نہایت اطمینان سے تم ہماری مشکیں کس لو گے اور ہم پھر مکے واپس چلے جائیں گے۔ ہم تو وہاں سے یہ اپنی جان جیسی متاعِ عزیز لے کے یہاں پہنچے ہیں اور اگر ہم دیکھیں گے کہ یہ جا رہی ہے تو پھر تو بہر حال جان کو بچانے کے لیے ہمیں کچھ کرنا پڑے گا۔ تم مفت میں اپنے گھر کے اندر کشت وخون کیوں کرا رہے ہو۔ تو اس پہ اس نے یہ جواب لکھا تھا کہ نہیں ہم نہ ان کو واپس بھیجیں گے نہ ہم یہاں انہیں قتل کریں گے۔ یہ جب جواب گیا ہے قریش کو' اُس وقت وہ ایک پورا جرار لشکر لے کے چلے آئے' اس زمانے میں عرب جیسی سرزمین میں ایک ہزار مسلح فوج بہت بڑی فوج تھی' بالخصوص ان تین سو کے مقابلے میں ان کی کیفیت یہ تھی کہ لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں ہے۔ اور آ کے بیٹھے ہی تھے بیچارے' جگہ بھی نہیں تھی ان کے پاس۔ تو ان حالات میں ایک ہزار قریشی مارشل ریس جو جنگ اور جہاد میں اس قدر تجربہ کار تھے کہ ان کا تہلکہ مچا ہوا تھا وہ اڈ کے مکے سے اور مدینے کی طرف آئے۔

اہل قریش کا ایک ہزار افراد کے ساتھ مدینہ پر حملہ

یہ ہے عزیزانِ من! پہلی جنگ۔ اب یہ سوچیے کہ یہ جنگ اسلام کو بزورِ شمشیر پھیلانے کے لیے لڑی گئی تھی۔ یہ وہ مقام تھا کہ اس سے پیشتر مسلمانوں کے ہاں ابھی جنگ کے متعلق کوئی احکامِ خداوندی آئے ہی نہیں تھے۔ اس وقت بھی یہ چیز نہیں تھی کہ ان سے کہا گیا ہو کہ ہاں تم اب اطمینان سے بیٹھ گئے ہو اور اٹھو اور اٹھ کے قریش کے خلاف جنگ کرو۔ پہلی آیت جو آتی ہے یہ سورۃ حج کی 39 ویں آیت یہاں سے ساری بات واضح ہو جاتی ہے اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا (22:39) جن لوگوں کے اوپر اس قدر دراز دستی ہو رہی ہے اس قدر ظلم ہو رہا ہے کہ یہ سب کچھ اپنا وہاں سے چھوڑ کے سر چھپانے کے لیے یہاں آ بیٹھے تین سو میل کے فاصلے پہ' اور وہ انہیں یہاں بھی آرام سے نہیں بیٹھنے دیتے' اڈ کے چلے آ رہے ہیں۔ تو اب سوال یہی ہے کہ یا تو ذلت کی موت مرنا یا عزت کی زندگی کے لیے مقابلہ کرنا۔ اس مقام پہ کہا گیا ہے کہ اجازت ہم دیتے ہیں جنگ کرنے کی ان لوگوں کو جن کے اوپر اس قدر ظلم ہو رہا ہے۔ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ (22:40) یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہیں ان ظالموں نے' ان سخت گیروں نے پہلے انہیں ان کے گھروں سے نکالا' کہا کس جرم میں' صرف اس جرم میں کہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ دیکھ رہے ہیں پہلی آیات ہی یہ۔ گھروں سے نکال دیا صرف اس جرم میں' کچھ نہیں یہ اور کرتے تھے۔ اور اس کے آگے ہے اب بات کہ سوال یہ ہے کہ ان حالات میں اس قسم کی جو قوم ہے کہ جو انہیں یہ بھی نہیں کہنے دیتی تھی کہ ہمارا رب اللہ ہے' کیا اب ان کو کھلی چھٹی دیدی جائے کہ جس کے خلاف جی چاہے تم شمشیر برہنہ تلواریں ہاتھ میں لے کے اڈ آیا کرو اور ان کو آ کے۔ یعنی یہ چیز جو ہے ان کی طرف سے ہے کہ وہ بزور شمشیر ان کو منع کرتے تھے کہ تم ربنا اللہ نہ کہو۔ کہا اگر یہ اجازت دیدی جائے۔

دین اسلام کا خاصہ صرف یہی نہیں کہ وہ بزورِ شمشیر نہیں پھیلا بلکہ وہ تو دوسروں کی عبادت گاہوں کو تحفظ فراہم کرتا ہے

اب دیکھیے عزیزانِ من! جو کہتے ہیں کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا' پہلی اجازت میں کہا گیا ہے کہ وَ لَوۡ لَا دَفۡعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعۡضَھُمۡ بِبَعۡضٍ (22:40) اگر خدا کچھ اس قسم کا انتظام نہ کرے کہ اس قسم کی زبردست مستبد سرکش ظالم قوم کے مقابلہ کرنے کے لیے کوئی دوسری قوم سامنے سے نہ اٹھے' تو نتیجہ کیا ہو۔ غور سے سنیے عزیزانِ من! یہ الزام دینے والوں کے لیے کہ یہ اپنا مذہب بزورِ شمشیر پھیلاتے تھے۔ کہا کہ اگر اس قسم کا انتظام نہ ہم کریں تو اس کا نتیجہ یہ ہو لَّھُدِّمَتۡ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ (22:40) یہ عیسائیوں کے گرجے' یہودیوں کی یہ عبادت گاہیں' یہ ان کے منبر' یہ مجوسیوں کے آتش کدے' جن میں یہ اپنے اپنے طور پر ہی سہی اپنے خدا کی' اپنے معبود کی پرستش کرتے ہیں اور آخر میں ہے وَّ مَسٰجِدُ (22:40) اور یہ ان کی مسجدیں۔ کہا اگر ہم ایسا انتظام نہ کریں تو یہ سب کی سب کبھی کی ڈھا چکی ہوں' ایک اٹھے اور دوسرے کی عبادت گاہ کو جا کے ڈھا آئے۔ آپ دیکھ رہے ہیں اسلام بزورِ شمشیر پھیلنے والا' وہ کہتا ہے کہ اس قسم کی قوم کا ہونا ضروری ہے کہ جہاں کوئی مستبد سرکش قوم' دوسروں کی مذہبی آزادی کو روکنے کے لیے اٹھے اور ان میں اس کی ہمت نہ ہو کہ اس کا مقابلہ کریں تو یہ قوم جا کے مقابلہ کرے۔ یہ جائے اور عیسائیوں کے گرجے کو اپنے سینے میں گولیاں کھا کے' تیر کھا کے عیسائیوں کے گرجے کو جا کے بچائے اور محفوظ کرے۔ یہودیوں کے صومعے کو جا کے بچائے' مجوسیوں کے آتش کدے کو جا کے بچائے اور اگر مسجد کے اوپر حملہ ہو تو پھر مسجد کو بچائے۔ میں کہتا ہوں پھر آخر میں مسجد آئی ہے یہاں۔ یہ ہے عزیزانِ من! یہ اسلام' یہ ہے قرآن جس کے متعلق تھکتے ہی نہیں ہیں اٹھتے بیٹھتے یہ کہتے ہوئے کہ انہوں نے صاحب گرجے ڈھا دیجیے' صومعے برباد کر دیے' آتش کدوں کی آگیں انہوں نے ٹھنڈی کر دیں' مندر توڑ دیے اسلام پھیلانے کے لیے۔ وہ کہتا ہے کہ ہم اگر ایسا انتظام نہ کریں اس قسم کی قوم پیدا نہ کریں کہ جو ہر اہلِ مذہب کی مذہبی آزادی کی مدافعت کے لیے سینہ سپر ہو کے کھڑی ہو جائے تو پھر تو دنیا میں یہ کسی مذہب کی' کسی قوم کی پرستش گاہ محفوظ ہی نہیں رہ سکتی۔ یہ ہے مقصد۔ وَ لَیَنۡصُرَنَّ اللّٰہُ مَنۡ یَّنۡصُرُہٗ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیۡزٌ (22:40) جو خدا کی مدد کرنے کے لیے اٹھے پھر خدا اس کی مدد کرتا ہے۔ یہ خدا کی مدد کیا مطلب ہوگئی۔ یہ اوپر سے کہا ہے نا کہ عیسائیوں کی' یہودیوں کی' یہ مجوسیوں کی' یا مسلمانوں کی پرستش گاہوں کے خلاف اگر کوئی قوم اٹھے تو اس کی مدافعت اس قوم پہ ضروری ہے جسے مسلمان کہا جاتا ہے۔ کہا یہ ہے خدا کی مدد کرنا۔ تو پھر ٹھیک ہے جو خدا کی مدد کرنے کے لیے اٹھتا ہے تو خدا پہ فرض ہو جاتا ہے کہ اس کی وہ مدد کرے۔ اب دیکھتے ہیں کا ہے کے لیے خدا مدد کر رہا ہے' ہندوؤں کا مندر بچانے کے لیے مسلمان قوم سے کہہ رہا ہے کہ اٹھو ایک سرکش قوم مستبد آئی ہے وہ ڈھانے کے لیے آئی ہے' اٹھ کے اسے بچاؤ ہم تمہاری مدد کریں گے کیونکہ تم نے ہماری مدد کی ہے۔ بت کدے کا بچانا ہے وہ خدا کی مدد ہو رہی ہے صاحب۔

اس قسم کی مذہبی آزادی تو کرہ ارض پر کسی کتاب میں موجود نہیں

اس سے بڑی مذہبی آزادی کا داعی کوئی اور مذہب دنیا میں ہو سکتا ہے۔ عزیزانِ من! دنیا کے جتنے مذہب ہیں ان کی جتنی کتابیں

ہیں ان میں میں چیلنج دیتا ہوں کہ اس آیت کے برابر کی کوئی آیت لا کے بتائیں کوئی حکم نکال کے بتائیں' کہ ہم نے یہ اہلِ مذہب یا قوم اس لیے پیدا کی ہے کہ یہ جو قومِ مخالف کے بت کدے ہیں' ان کی پرستش گاہیں ہیں' ان کو اگر مسمار کرنے کے لیے کوئی قوم اٹھے' یہ اس کا جا کے مقابلہ کریں اور اس کو بچائیں۔ بتایئے تو سہی ساری دنیا کے مذاہب میں کوئی پیش کر سکتا ہے اس کو۔ اور جو یہ پیش کرتا ہے اس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے بزورِ شمشیر تمام بت کدے اور مندر اور گرجے اور صومعے یہ ڈھا دیے اور لوگوں کو پکڑ پکڑ کے مسلمان کیا اور وہ جب تک سوا من جنو نہیں اکٹھے ہو جاتے تھے' وہ کھانا ہی نہیں کھایا کرتا تھا اور نگزیب۔ بہر حال سوا من جنو آپ کو پتہ ہے کتنے ہوتے ہیں' وہ ایک تاگہ ہوتا ہے کچے سوت کا' وہ ایک دورتی کے برابر اس کا وزن ہوتا ہے تو سوا من گنو تو سہی اور روز۔ جی۔ اور وہ قریباً پچاس سال سے زیادہ بادشاہ رہا تھا اور اس کے باوجود کیفیت یہ تھی کہ جب وہ ختم ہوا ہے

ہندوستان میں ہزار سالہ حکمرانی کا نتیجہ یہ کہ وہاں ایک دن بھی نظام صلوٰۃ قائم نہ ہوا

تو یہ دلی اور آگرہ جو ان کی راج دھانیاں تھیں مسلمانوں کی' ایک ہزار سال تک ان کی سلطنت یہاں رہی۔ یہ ان کے دارالخلافے تھے۔ یہ مسلمانوں کی سلطنت کے مٹنے کے بعد جب پہلا Census ہوا ہے دلی اور اس کے مضافات میں' 27% مسلمان کی آبادی تھی۔ یہ تھا ہزار سال کے اس اسلام کا جسے کہا کہ بزورِ شمشیر منایا اور سوا من جنو اکٹھے کر کے تو پھر یہ روٹی کھایا کرتا تھا۔ بہر حال میں کہہ یہ رہا تھا کہ یہ ہے پہلی چیز اور آگے اس کے بعد ہے کہ اَلَّذِیۡنَ اِنۡ مَّکَّنّٰہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ (22:41) یہ وہ قوم ہے کہ انہیں اس طرح سے تمکن حاصل ہو گیا اگر یہ Establish ہو گئی قوم تو آگے تو یہ ہونا چاہیے تھا نا کہ یہ پھر نہ کسی عیسائی کو چھوڑیں گے' نہ یہودی کو' نہ ہندو کو' نہ مجوسی کو چھوڑیں گے ہی نہیں یہ۔ کہا یہ وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں یہ حاصل ہو گئی تو یہ صلوٰۃ کا نظام کریں گے اور انسانیت کی نشو ونما کا سامان بہم پہنچائیں گے۔ وَ اَمَرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ نَہَوۡا عَنِ الۡمُنۡکَرِ (22:41) اور پھر یہ ہر اس بات کا حکم دیں گے جسے خدا کی مستقل اقدار صحیح تسلیم کرتی ہیں' جنہیں وہ کہتی ہیں کہ انسانیت کے فروغ کے خلاف ہے' انہیں یہ روکیں گے۔ وَ لِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الۡاُمُوۡرِ (22:41) ان کے معاملات خود نہیں یہ طے کیا کریں گے وہ خدا کے احکام کے تابع چلا کریں گے۔ جب ان کو تمکن حاصل ہو گیا تو ان کی کیفیت یہ ہو گی۔ پہلی آیت ہے جس میں اجازت اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ (22:39) اجازت دی جاتی ہے ان لوگوں کو اب جنگ کی جن کے خلاف اس قدر ظلم ہوا ہے کہ اب یہاں تین سو میل کے فاصلے پہ آ کے بیٹھے ہیں۔ وہ یہاں بھی بیٹھنے نہیں دیتے۔

جنگ کے میدان میں اترنے کی پہلی اجازت

یہ حالات تھے عزیزانِ من! جب سن 2 ھجری کے رمضان کے مہینے میں پہلی دفعہ روزے فرض ہوئے تھے۔ اور یہ ہیں روزے' ابھی سولہ ہی روزے انہوں نے رکھے تھے سترہویں روزے میں تو بدر کے میدان میں یہ تھے اور یہ ٹیسٹ آ گیا روزوں کا۔ سوچیے سن 2 ھجری کے پہلے ہی رمضان کے اندر ان کی کیفیت یہ ہو گئی کہ وہ اُمڈ کے آ گئے اور انہیں کہا کہ اجازت دی جاتی ہے جن لوگوں کو انہوں نے اس قدر ظلم و ستم سے اپنے گھروں سے نکال دیا اور وہ یہاں بیچارے آ کے سر چھپا کے بیٹھے' اب انہیں جینے نہیں یہاں دیتے۔ اب ہم انہیں

اجازت دیتے ہیں کہ ہاں بھئی تم بھی اب جنگ کے لیے نکل آؤ۔ یہ ہے جی پہلی آیت۔ اوران حالات میں جنگ کے لیے نکلنا جو ہے آج سوچیے کہ یہ جنگ کے لیے جونکل رہے تھے‘ان کی کیفیت بیچاروں کی کیا ہوگی۔

آغازِ جنگ سے قبل باہمی مشورے کی نوعیت

وہاں ہر چیز مشورے سے ہوتی تھی نبی اکرم ﷺ کو حکم تھا کہ شَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ تو اس آیت میں یہ ہے کہ جیسے مشاورت ہورہی ہے۔ Strategically ان میں کچھ لوگ ایسے تھے جو یہ کہتے تھے کہ قریش ابھی وہاں سے چلے ہیں ان کو وقت لگ جائے گا یہ ان کا قافلہ ہم سے قریب جارہا ہے۔ ہم پہل نہیں کررہے۔ الٹی میٹم انہوں نے دیا ہے۔ چڑھائی کرکے وہ آرہے ہیں اس لیے اب جنگ کی سٹریٹجی یہ ہے کہ وہ جوان کا قافلہ یہاں ہمارے قریب ہے‘ ہم اس قافلے کو روک لیں جاکے۔ اورانہیں بطور یرغمال کے اپنے پاس رکھیں اور انہیں کہیں کہ واپس چلے جاؤ تم ہم چھوڑتے ہیں قافلے کو۔ دوسرے تھے وہ یہ کہتے تھے کہ نہیں! ہمیں میدانِ جنگ میں اب نکل آنا چاہیے‘ اس طرح سے تو روز روز کرنے سے کیفیت یہ ہوگی کہ ’اب چھری صیاد نے لی‘ اب قفس کا در کھلا‘ ایک دفعہ بات طے ہوجانی چاہیے۔ یعنی یہ مختلف آراء تھیں۔ اب میں آتا ہوں کَمَا کے اوپر۔ کہا کہ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا (8:4) یہ ہے بات جو مجھے کہنی تھی یہ لوگ ہیں مؤمنِ حقا‘ ایسے بنتے ہیں مومنِ حقا۔ یہاں ہے (کَمَا) جس طرح سے۔ اب دیکھ لیا عزیزانِ من! اب بات پتہ چلی کہ وہ صرف نماز پڑھنے اور خیرات دینے سے ہی مومن حقا نہیں بنتا‘ بنتا ہے اس سے جو آگے بات کہی گئی ہے‘ کما سے ’جس طرح‘۔ اور یہاں سے جنگ بدر کی بات شروع ہوئی۔ اے رسول! خدا نے تمہیں ان گھروں سے حق کے ساتھ باہر نکالا۔ خدا نے نکالا اس لیے کہ وہ آیت ہمارے سامنے آگئی جب انہیں اجازت دی گئی تھی میدانِ جنگ میں جانے کی۔ اسے کہا کہ خدا نے یہ چیز فیصلہ کی بالحق‘ یعنی یہ کسی عام مفاد کے لیے نہیں تھا کوئی اور مصلحت کوشی نہیں تھی اس کے اندر‘ کسی کو زبردستی مسلمان بنانا نہیں تھا۔ حق کی خاطر‘ حق کی خاطر تمہیں خدا نے گھر سے نکالا اور کیفیت یہ تھی۔

جنگ شروع کرنے کے سلسلہ میں ایک دوسری رائے جو یقیناً اخلاص پر مبنی تھی

آگے جو آرہا ہے نا وہ کیفیت بتارہی ہے کہ تم میں سے ایک فریق وہ تھا جو یہ کہتا تھا کہ نہیں ایسے وقت میں ہمیں جنگ نہیں کرنی چاہیے لَكٰرِهُوْنَ (8:5) وہ جنگ کو پسند نہیں کرتے تھے۔ یعنی یہ بات نہیں تھی کہ وہ جان بچانا چاہتے تھے بلکہ وہ کہہ یہ رہے تھے اگلی آیت بتارہی ہے يُجَادِلُوْنَكَ فِی الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَ هُمْ يَنْظُرُوْنَ (8:6) بات اصل میں یہ تھی کہ نظر بظاہر وہ دیکھ رہے تھے کہ ان حالات میں جنگ کے لیے نکلنا قریش کے مقابلے میں اپنے آپ کو موت کے منہ میں خود جاکے داخل کرنا ہے۔ وہ اتنا لشکر جرار‘ تیار اسلحہ ان کے پاس‘ ہماری کیفیت یہ کہ تعداد میں ان سے ایک تہائی۔ تلواریں بھی ہر ایک کے پاس نہیں ہیں دو تین گھوڑے سارے ہمارے پاس‘ کوئی ساز وسامان نہیں ان حالات میں میدان جنگ میں نکلنا ان کے سامنے یہ تو موت میں جانے کے مرادف ہے۔ یہ ہے وہ چیز‘ جہاں سے جو لوگ کہتے ہیں کہ صاحب یہ دیکھیے نا پہلی جنگ کے وقت کیفیت یہ تھی کہ یہ ان مسلمانوں میں وہ

لوگ تھے جو اس جنگ میں جانے سے اس طرح سے جان بچا رہے تھے' کترا رہے تھے' اعراض برت رہے تھے' یوں نظر آ رہا تھا جیسے موت کے منہ میں دھکیلے جا رہے ہوں' وہ مجادلہ کر رہے تھے وہ مناظرہ کر رہے تھے۔یعنی وہ انہیں میں سے وہ بتا رہے ہیں' **السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ** جنہیں قرآن نے کہا ہے یہ جو سب کچھ چھوڑ کے مکے سے یہاں آئے ہوئے ہیں۔بات یہ نہیں ہے کہ یہ لوگ اس طرح سے اپنی جان بچانا چاہتے تھے' بلکہ وہ بیٹھے ہوئے مشورہ کر رہے تھے۔دونوں سائیڈز ان کے سامنے تھیں۔وہ یہ مشورہ یہ رائے دے رہے تھے کہ ان حالات میں جنگ کے لیے نکلنا جو ہے ہم مٹھی بھر جماعت ہیں' ہم تو موت کے منہ میں چلے جائیں گے۔تو ہمیں یہ Avoid کرنا چاہیے۔اور اس کی بجائے ہمیں چاہیے یہ کہ ہم قافلے کو روک لیں۔**وَ اِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰهُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّهَا لَکُمْ وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَةِ تَکُوْنُ لَکُمْ وَ یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِهٖ وَ یَقْطَعَ دَابِرَ الْکٰفِرِیْنَ**(8:7) تم میں سے وہ یہ لوگ تھے جو یہ Suggestion دے رہے تھے کہ ہمیں قافلے کو روکنا چاہیے کیونکہ ان کے پاس اسلحہ نہیں ہے اور اسلحہ ہمارے پاس بھی نہیں ہے۔افراد کی کثرت ہماری طرف ہے اس لیے ہم ان حالات میں قافلے کو تو روک لیں گے۔میدانِ جنگ میں ایک اتنی عظیم فوج کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔

حق کو حق ثابت کرنے کے لیے جان کی قربانی ایک بڑی عظیم حقیقت تھی

دیکھتے ہیں قرآن کس طرح دونوں سائیڈز کو سامنے لا رہا ہے۔اور یہاں وہ بات کہی کہ وہ یہ کہہ رہے تھے۔یہ نہیں کہا کہ ان کے دل میں کوئی کھوٹ تھا اور وہ کسی اور مقصد سے کہہ رہے تھے۔قافلہ لوٹنے کو کہہ رہے تھے' بالکل نہیں۔اور کہا کہ اس کے مقابلے میں خدا یہ چاہتا تھا کہ اب ان طریقوں سے یہ کچھ نہ کرو' بات صاف ہو جانی چاہیے۔**یُّحِقَّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِهٖ** خدا چاہتا یہ ہے کہ وہ اب ثابت کرتے کہ جو قوم اس کے قانون کے مطابق اٹھتی ہے' وہ ہمیشہ غالب آتی ہے' حق ثابت کروا ٹھ کر اپنی جانیں دے کر ہی سہی۔جانے جواب یہ چیز جو ہے' کب تک اس طرح سے کرتے چلے جاؤ گے۔مقام وہ اب آ گیا ہے کہ جس مقام میں اب فیصلہ میدانِ جنگ میں جان دے کر کیا جائے گا۔حق کو ہم متمکن کرنا چاہتے ہیں اپنے قانون کے راستے' قانون ہمارا یہ ہے کہ جو قوم صداقت کو حق کو لے کر اٹھے گی وہ ان میں کا ایک ایک دس دس کے اوپر بھاری ہوگا' یہ ہمارا قانون ہے۔ہم چاہتے یہ ہیں کہ اس قانون کی صداقت کی شہادت میدانِ بدر بن جائے۔کہا کہ ہم یہ چاہتے ہیں۔**وَ یَقْطَعَ دَابِرَ الْکٰفِرِیْنَ** اور ایک دفعہ ایسی شکست ان کو دی جائے کہ ان کی جڑیں کٹ جائیں۔یہ آئے دن کی دھمکیاں آئے دن کی یہ تخویف اور ترغیب جو ہے کب تک یہ کیفیت جاری رہے گی۔کہا ہم یہ چاہتے ہیں۔**لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَ یُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَ لَوْ کَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ** (8:8) خواہ ان لوگوں کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ گذرے' ہم چاہتے یہ ہیں کہ حق ثابت ہو جائے' باطل کے متعلق دنیا کو معلوم ہو جائے کہ باطل حق کا مقابلہ کر نہیں سکتا۔کہا یہ خدا کا فیصلہ ہے اس لیے ان سے کہا گیا کہ نہیں! وہ سٹریٹجی غلط ہے کہ سرِ دست تو یہ کر لیجیے کہ ان کے قافلے کو روک لیجیے اور پھر ان کے ساتھ اس شرط پہ مفاہمت کر لیجیے۔کہا یہ مفاہمتیں کب تک چلیں گی۔قوموں کی تاریخ میں وہ وقت آ جاتا ہے عزیزانِ من! جہاں Do or Die ہو جاتا ہے کہ اب یا تو جانیں دے کر اس کی حفاظت کر لو

اور یا پھر مرگِ باشرف سے حیاتِ جاودان حاصل کرلو۔ وہ وقت آ گیا ہے۔

جنگ کی مطلوبہ تیاری نہ ہونے کے باوجود فیصلہ کن جذبہ صادقہ کی ایک عملی مثال

کیا بات ہے صاحب!! کب وقت آ رہا ہے' جب دنیا بھر کے سارے خواہ وہ اس کو عسکری Military Point of View سے دیکھیں خواہ وہ تمدنی پوائنٹ آف ویو سے بھی دیکھیں' یہ مدینے کے مسلمان ان کے مقابلے میں بہرحال بڑے کمزور تھے۔ جنگ Affoard نہیں کرسکتے تھے ایسے وقت میں۔ لیکن قرآن یہ کہتا ہے کہ اب کب تک یہی کیفیت رہے گی۔ آؤ ایک دفعہ فیصلہ کن مرحلہ طے کرو۔ نکل آؤ میدانِ جنگ کے اندر۔ غور فرمایا آپ نے کہ یہ جنگ کی اجازت کس مقام پہ دی جارہی ہے۔ یہ بزورِ شمشیر مسلمان کرنے کے لیے دی جارہی ہے؟ بزورِ شمشیر تو اس پیغمبر انقلاب ﷺ نے اس دن بھی مسلمان نہیں کیا تھا جب ساری مملکت اس کے قبضے میں تھی' مکہ فتح کرلیا تھا۔

فاتح کی حیثیت سے نبی اکرم ﷺ کا وہ حسن سلوک کہ جس کی مثال آج تک نوع انسانی پیش نہیں کرسکی

مکہ میں فاتح کی حیثیت سے حضور ﷺ داخل ہوگئے تھے۔ پوری مملکت دس لاکھ مربع میل کی اپنے قبضے میں تھی اور یہ اہلِ مکہ جنہوں نے اس طرح سے کم از کم بیس سال مسلسل ان کو اتنا تنگ کیا تھا۔ اتنی اتنی بڑی جنگیں ان کے خلاف لڑی گئی تھیں۔ شکست بھی کھائی تھی۔ یہ سارے کے سارے پابجولاں حضور ﷺ کے سامنے کھڑے تھے۔ مسلمان کرنا ہوتا تو وہاں یہ شرط ہوتی کہ یا اسلام لے آؤ یا قتل کیے جاؤ گے۔ یعنی یہ موقعہ جو ہے اس سے زیادہ بہتر موقعہ تو اور کوئی نہیں ہوسکتا نا اس کے لیے۔ یہ سارے اکابرینِ قریش جو تھے پابجولاں حضور ﷺ کے سامنے کھڑے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا ان سے کہ تمہی بتاؤ کہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ یہ قوم بھی بڑی غیور اور باحمیت قوم تھی' اُنہوں نے رحم کی درخواست نہیں کی انہوں نے کہا کہ جیسے ایک دشمن دوسرے دشمن کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے کہا کہ دشمن اور دشمن میں فرق ہوتا ہے۔ تمہارے دشمن' ذاتی دشمنیاں ان کو ہوا کرتی تھی' میری دشمنی اور عداوت جو تھی وہ صرف حق کی خاطر تھی۔ آج حق کا غلبہ ہوگیا ہے۔ تمہارے قتل کردینے سے حق کو زیادہ فروغ حاصل نہیں ہوسکتا' تمہارے زندہ رہنے سے اس کو کمزوری نہیں آ سکتی۔ تم نے اعتراف اس کا کرلیا ہے کہ جیسا دشمن دشمن سے کرتا ہے۔ نہیں! دیکھو اس قسم کا دشمن کیا کرتا ہے **لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ** (12:92) تمہارے سارے پچھلے جرائم تھے سب معاف' جاؤ چھٹی تمہیں۔ اللہ اکبر۔ انہوں ﷺ نے ان کی بیڑیاں کاٹیں اور وہ پاؤں پہ گر گئے۔ کہنے لگے اب کہاں جانا ہے ہم نے' اس سلوک کے بعد کہتے ہو کہ واپس چلے جاؤ۔

کسی دوسرے کو راہ حق پر لانے کا ایک سنہری اصول

یوں مسلمان کیا جاتا تھا عزیزانِ من! تلوار کے زور سے نہیں' انسانیت کی شرافت کے زور کے اوپر۔ **لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ** (12:92)۔ ایسے مقام کے اوپر یہ چیز کہنے والا' کہو تاریخِ انسانیت سے کوئی دوسرا پیش کرکے بتادے۔ اور یہ ہے وہ طریقہ۔ میں نے کہا ہے نا انہوں نے یہ چیز کہی وہ لوگ گھروں کو واپس نہیں گئے۔ ''جنوں کیندے نیں پئی اوتوں سانوں جان جوگا چھڈ یا اے ہن'' اب ہم

نے کہاں جانا ہے۔ یہ ہے عزیزانِ من! وہ طریقہ اسلام پھیلانے کا۔تو میں نے کہا کہ یہ پہلی جنگ جو تھی اس میں آپ دیکھیے قرآن کس انداز سے بات کرتا ہے۔ان سے کہا کوئی بات نہیں ہے جان ہے' اس راستے میں جائے گی' تاریخ کے اندر ایک چیز تو استقامت کی سامنے آجائے گی کہ حق کی مدافعت کے اندر کس طرح سے یہ لوگ ہتھیلی پہ جانیں رکھ کے جب کے سارے معیاروں کے مطابق نظر آتا تھا کہ میدانِ جنگ میں جانا' موت کو آواز دینا ہے اور یہ کس طرح سے خوشی خوشی اس میدان کے اندر جیسے ایک عروس کو گلے ملنے کے لیے جا رہے ہوتے ہیں' چلے گئے تھے۔کہا ٹھیک ہے جاؤ اور دیکھو خدا کا قانون پھر کیا کرتا ہے۔اس مقام کے اوپر یہ نظر آتا ہے اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ(8:9)

نبی اکرم ﷺ کی ایک چمکتی ہوئی حدیث جنگ کے سلسلہ میں ایک مقام کا تعین

یہاں ایک تاریخ کی بات آتی ہے اور بڑی صحیح بات مجھے نظر آتی ہے۔اس قسم کی حدیثیں تو چمکتے ہوئے موتی ہوتے ہیں عزیزانِ من!۔ نبی اکرم ﷺ کے متعلق جو کہتے ہیں کہ وہ ہر فیصلہ جزوی' فروعی' Details وہ بھی خدا کی وحی کے مطابق ہوتی تھیں' یہ بات نہیں تھی۔میدانِ جنگ تھا وہاں نکل کے آپ ﷺ گئے' آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ ہمیں اس مقام پہ ڈیرہ ڈال دینا چاہیے ابھی قریش وہاں پہنچے نہیں تھے۔وہیں ایک صحابی ﷺ تھے حضرت حباب بن منذرؓ انہوںؓ نے کہا کہ میں اس علاقے کا رہنے والا ہوں' اس لیے میں جانتا ہوں کہ یہاں کی کیفیت کیا ہے زمین کی۔اُنہوںؓ نے کہا کہ یہ جگہ نشیب میں ہے اور وہ پرلی جگہ اونچی ہے' یہ جگہ جو ہے اس کی مٹی کچی سی ہے' ریتلی سی ہے اور وہاں کنکر ہیں۔اگر کہیں بارش ہوگئی تو وہ پوزیشن اوپر والی خود Advantageous ہوجائے گی' یہاں کیچڑ ہوجائے گی' دلدل ہوجائے گی' ریت ہے اس میں ہم پھنس جائیں گے۔ہمیں یہ نہیں وہ مقام جو ہے وہاں جانا چاہیے اور وہاں انتظام کرنا چاہیے کہ اگر بارش ہوگئی تو پانی کو بھی وہاں روک لیں گے ہم' ہمیں وہاں جانا چاہیے۔آپ ﷺ نے کہا کہ ٹھیک کہا آپ نے۔یہ ہے وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ(3:159) مشورہ کیا کروان کے ساتھ۔آپ ﷺ نے کہا کہ ٹھیک کہا تم نے۔اور اسے اتفاق سمجھئے یا اس علاقے میں رہنے والے کی بناء پر' تجربے کی بناء پہ اس نے یہ کہا تھا' جنگ کی عین پہلی رات بارش ہوگئی اور یہ مؤرخ یہ کہتے ہیں کہ جس طرح سے واٹرلو کی جنگ میں پہلی شب کو وہ بارش ہوئی تھی اور وہ نپولین کی شکست کا باعث بن گئی تھی۔وہ کہتے ہیں کہ بدر کے میدان میں جو ایک رات پہلے بارش ہوئی تھی وہ تو اس کو آپ ﷺ کی سٹرٹیجی کہتے ہیں نا' محمد ﷺ کی اس سٹرٹیجی نے کہ اس نے اپنے ڈیرے وہاں ڈالے تھے' بدر کا میدان اس کے حق میں چلا گیا تھا۔اس سٹرٹیجی کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

اسلام میں سربراہ مملکت کا مقام تو ایک امام کی حیثیت رکھتا ہے

یہ پیغامبران انقلاب وہاں نمازیں پڑھانے نہیں آیا کرتے عزیزانِ من! یہ جنگ بھی لڑنے آیا کرتے ہیں' ہر جنگ میں سپہ سالار حضور ﷺ خود تھے۔یہ کیفیت ہوتی ہے۔یہ الگ بات ہے کہ اسلام کے نظام کے اندر سپہ سالار یا گورنر یا پریزیڈنٹ یا سربراہِ مملکت بھی' نماز بھی وہی پڑھاتا تھا' امام تو ہر زندگی کے شعبے میں امام ہوتا ہے۔خیر۔صفیں آراستہ ہوگئیں۔اب یہ سوچیے ایک لشکرِ جرار مسلح تیار اُمڈ

کے آیا ہوا۔تین سو کی جماعت ہتھیار بھی پاس پورے نہیں' گھروں سے نکالے ہوئے بے گھر بے بار' سامنے کھڑے ہو گئے آپ۔

جنگ کا بگل بجنے سے قبل آپ ﷺ کی خدا تعالیٰ کے حضور محویت میں ڈوبی حالت میں دعا

اور یہ ہے وہ حدیث جو میں کہتا ہوں چمکتی ہوئی کہ حضور ﷺ قبل اس کے کہ بگل بجتا جنگ کا' ایک طرف تنہائی میں چلے گئے اور وہاں جا کے ننگے سر بحضورِ رب العزت یہ ایک فریاد کر رہے ہیں اور محویت کا یہ عالم ہے' روایت میں یہ ہے کہ حضور ﷺ کی چادر' ردائے مبارک وہ آپ ﷺ کے شانے سے ڈھل ڈھل کے نیچے اتر رہی تھی یعنی محویت کی یہ کیفیت تھی۔اور کہہ یہ رہے تھے یا اللہ! اے ربِ کائنات تو دیکھ رہا ہے کہ یہی تین سو تیرہ ساری متاع ہے اس کائنات میں تیرے نام لینے والوں کی جن کو لے کے میں تیرے حکم کے مطابق اس میدان میں آ گیا ہوں۔میں اپنے لیے کچھ نہیں کہہ رہا' ان کے لیے کچھ نہیں کہہ رہا' بس اتنی سی بات کہہ رہا ہوں کہ اگر یہ جماعت آج اس میدان میں ختم ہو گئی اور میں ہوں آخری رسول تو پھر قیامت تک تیرا نام لینے والا کوئی نہیں رہے گا۔یہ تھی وہ دعا' کس قدر عظیم ہے یہ دعا' دعا نہیں ہے یہ تو حقیقت ہے جس کو بیان کیا جا رہا ہے کہ ٹھیک ہے ''او ہدے بعد توں جان تیرا کم'' 'مجھے فکرِ جہاں کیوں ہو جہاں تیرا ہے یا میرا'۔ میرے پاس تو جو متاع تھی وہ میں لے کے آ گیا' بات اتنی سی بتا دینا چاہتا ہوں کہ میرے بعد تو نبی بھی کوئی اور نہیں آنا' نبی کوئی اور نہیں آنا تو یہ جماعت کہاں سے بنے گی اور آج اگر اس میدان کے اندر ختم ہو گئی تو قیامت تک تیرا نام لینے والا کوئی نہیں رہے گا۔اور یہ قرآن کہہ رہا ہے کہ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ (8:9) تو نے ادھر سے یہ فریاد کی اور ہمارے ہاں سے بابِ استجاب کھل گیا ہم نے کہا بالکل نہ ڈرو۔اَنِّىْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ (8:9) تم کہہ رہے ہو نا کہ ایک ہزار آ رہا ہے لشکرِ جرار' ہزار فرشتے ہم بھیج دیں گے تمہاری طرف مدد کرنے والے۔

جنگ کے دوران بدر کے میدان میں فرشتوں کے اترنے کی نوعیت اور ہمارے ہاں کے لاجواب قصے اور بیانات

اب یہاں یہ بات آ جاتی ہے جو آگے کہتے ہیں کہ جی ٹھیک ہے اب ہم جو ہیں بندہ بشر' جتنے بھی ہیں اب ہم کیسے مقابلہ کر سکتے ہیں کفار کا ان کے لیے تو خدا فرشتے بھیج دیتا تھا تو وہ سارا کچھ جو کچھ بھی تھا' بدر کے میدان میں وہ فرشتوں نے آ کے کیا۔انہیں آیتوں سے وہ یہ کہتے ہیں فرشتے آتے تھے' انہوں نے آ کے کہا کہ لکھا ہوا ہے۔اور انہی فرشتوں کی انہی آیتوں سے آپ کے 1965ء کے جنگ کے اندر پھر انہوں نے بتایا نا کہ وہ راوی کے دریا پہ وہ سفید گھوڑیوں والے اور سرخ عماموں والے وہ آ رہے تھے وہ ادھر سے گولہ اوپر سے پھینکتے تھے' یہ ہاتھ میں لے کے اس کو دریا میں ڈال دیتے تھے اور یہاں واہگہ کے سرحد کے اوپر دیکھا گیا۔اُس زمانے میں آپ نے دیکھا ہو گا کہ کتنے افسانے تراشے ہوئے تھے اس میں یہ کہا ہوا تھا کہ خود نبی اکرم ﷺ تشریف لائے ہوئے تھے ان کی جنگ لڑنے کے لیے۔بہر حال بات تو کچھ دور نکل جائے گی۔1971ء میں بھی تو ایک جنگ ہوئی ہے برادرانِ عزیز! آپ کی' یہاں تو کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔سب کچھ چھوڑ دیجیے ہزار ہا کی تعداد میں آپ کی معصوم بچیاں ان درندوں کے ہاتھ میں تھیں' کوئی سفید گھوڑی والا اور سرخ عمامے والا

نہ جاگا اس وقت' کوئی نہ آیا۔جس جنگ میں انہیں فتح ہوئی اس میں ان کے وہ سارے آ گئے' جس جنگ میں انہیں شکست ہوئی کسی نے ایک بات تک نہیں کی کہ وہ کہاں چلے گئے تھے۔

دورانِ جنگ فرشتوں کے اترنے کی حقیقی نوعیت

اب یہاں سے بات آگے چلی جو میں نے اس زمانے میں کہی تھی کہ وہ کہتے ہیں کہ صاحب وہ خدا کے فرشتے تھے' وہ آئے تھے' ہم نے خود دیکھا تھا۔آیئے قرآن سے پوچھیں' ملائکہ میں کہونگا فرشتے نہیں کہونگا' ملائکہ کی بات تو یہاں ہمارے سامنے ہے نا۔اب ان کے متعلق دیکھیے قرآن کیا کہتا ہے' یہ کہتے ہیں نا وہ آئے تھے اور ہم نے خود دیکھا ہے۔ثُمَّ اَنۡزَلَ اللّٰہُ سَکِیۡنَتَہٗ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ وَعَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ اَنۡزَلَ جُنُوۡدًا (9:26) میں آگے بات بتاونگا یہ ملائکہ کا آنا کیا ہے اور وہ کیا کرتے ہیں آ کر۔

فرشتوں کے متعلق قرآن حکیم نے فرمایا ہے کہ تم انہیں دیکھ نہیں سکتے تھے

میں یہ بات کہہ رہا ہوں کہ یہ جو یہ کہہ رہے ہیں کہ ملائکہ آئے اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔قرآنِ کریم میں ہے کہ ہم نے وہ لشکر بھیجے جنہیں تم دیکھ نہیں سکتے تھے۔کون نہیں دیکھ سکتا تھا' رسول اللہ ﷺ صحابہ کبارؓ ان کے متعلق یہ ہے کہ وہ لشکر ہم نے بھیجے تھے تم انہیں دیکھ نہیں سکتے تھے۔وہ تو ملائکہ کو دیکھ نہیں سکتے تھے یہ ہم لاہور والے راوی کے کنارے سب دیکھ رہے تھے ان کو۔اور ایک دفعہ نہیں عزیزانِ من! حوالے لکھ لیجیے قرآن میں تین جگہ یہ بات آئی ہے کہ ہم نے بھیجا' ملائکہ آئے تھے ان کی مدد کے لیے' تینوں مقام پہ یہ ہے کہ تم انہیں دیکھ نہیں سکتے تھے(9:26,9:40,33:9)۔جہاں یہ ذکر آیا ہے ان کے آنے کا' ساتھ ہی قرآن نے یہ کہہ دیا ہے کہ کوئی اس قسم کا فریب نہ تمہیں آ کے دے جائے' ''ایویں پگڑ بن کے آ جائے تے کہدے جی میں جبریل دا چھوٹا بھراواں' سلام علیکم جی تسی سنجھانیانی مینوں' اوآ گیا سی نا پنڈ اچ اوہدے' سلام علیکم! وعلیکم السلام! اوہنوں کہن لگے میں تینوں سنجھانیا نئ' کہن لگا میں اے سمجھدا سی پیا کہ تو میں نون سنجھانیا نئ ہیگا' تو سمجھیا ای نی ہیگا میں کون' کہن لگے مینوں تے نئیں پتہ' کہن لگا تو پچھلے سال اوتھے گیا سیں نا ؟؟؟ دے میلے اچ' کہندا آ ہو' کہن لگا اوتھے توں اک کولوں کھوتی خریدی سی نا' کہن لگا آ ہو' کہن لگا میں اوتھے تے کھلوتا ہویا ساں' لے آ رشتے داری دسن ڈیا''۔

ملت اسلامیہ کو اس کی تاریخی افسانوں نے تباہ کیا ہے

عزیزانِ من! افسانوں نے تباہ کر دیا اس قوم کو۔شروع سے آج تک افسانے ہی افسانے اور افسانے اس لیے کہ 'چوں نہ بینند حقیقت' رہے افسانہ زنند' جب حقیقتیں نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہیں پھر قوم افسانوں کے اوپر اتر آتی ہے۔ساری تاریخ آپ کی افسانے ہیں' یہ بھی تو افسانے ہیں۔میں نے جب اس جنگ کے متعلق لکھا تھا کہ ان حقیقتوں کو افسانے نہ بننے دیجیے' ساری قوم میرے پیچھے پڑ گئی تھی۔اور جب میں نے یہ قرآن کی آیتیں پیش کیں سانپ سونگھ گیا' آج تک کسی نے جواب نہیں دیا کہ حضور ﷺ وہ قرآنِ کریم تو رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ سے کہہ رہا ہے کہ تم نہیں دیکھ سکتے تھے یہ تمہاری بصیرتیں یا نگاہیں ان سے بھی آگے بڑھ گئی ہوئی تھیں تم دیکھ سکتے

تھےان کو۔تین دفعہ عزیزانِ من! یہ آیا ہے (9:26, 9:40, 33:9)۔

اطمینان قلب کی دولت انسان میں نفسیاتی تغیر پیدا کر دیتی ہے

سوال پھر آ گے رہ گیا کہ وہ کہہ رہا ہے کہ وہ تو فرشتوں کا نزول ملائکہ کا تو ہوا تھا' وہ چیز ایسی نہیں کہ جسے تم دیکھ سکو۔دیکھیے قرآن کیا کہتا ہے۔اور جہاں اس نے کہا ہے نزولِ ملائکہ ان کے لیے وہاں یہ الفاظ آ گے دہرائے ہیں۔وَ مَا جَعَلَهُ اللّٰهُ (8:10) یہ جو آئے تھے ان کا کام یہ تھا اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ (8:10) تا کہ تمہارے دل کو کچھ اطمینان نصیب ہو۔یہ تھی ساری بات۔یہ ایک نفسیاتی تغیر تھا جو اندر آنا تھا۔سپاہی کے دل کو اگر اطمینان حاصل ہو جائے کہیں میدانِ جنگ میں کھڑے ہوئے' یہ وہ سپاہی ہوتا ہے کہ جو دس دس کا مقابلہ کرتا ہے۔آ گے ہے وَ لِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَ يُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ (8:11) تمہارے دل تھمے رہیں تمہارے قدم جمے رہیں۔ملائکہ میں نے عرض کیا ہے کہ وہ عالم امر کی کچھ قوتیں ہیں' ملائکہ کے معنی ہی ہوتا ہے صاحبِ قوت' کچھ قوتیں ہیں جن کے متعلق ان کے ایک حصے کے متعلق تو قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ یہ وہ ہیں جو آدمی کے سامنے جھک جاتی ہیں۔اور یہ تو ظاہر ہے یہ فطرت کی قوتیں ہیں۔

کائناتی قوتیں مومن ہو یا کافر وہ ہر انسان کے سامنے سجدہ ریز ہیں

قصۂ آدم وملائکہ تو ہے ہی یہی نا اور اس میں یہ بھی نہیں کہ مؤمنوں کے سامنے جھکتی ہیں' یہ قوتیں آدمی کے سامنے جھک جاتی ہیں۔تو وہ قوتیں جو آدم کو سجدہ کرتی ہیں' اس کے سامنے جھکتی ہیں وہ تو یہ فطرت کی قوتیں ہیں یہ Forces of Nature جنہیں آپ کہتے ہیں۔خدا کے پروگرام کائناتی جو ہیں' انہی کی وساطت سے وہ سرانجام پا رہے ہیں۔قرآن ان کے متعلق کہتا ہے کہ وہ کبھی سرتابی نہیں کرتے ہمارے حکم کی' جو کچھ ان سے کہا گیا ہے' بلا چون وچراں' بلا کسی قسم کی لیت ولعل کے وہ ان کو سرانجام دیے چلے جاتے ہیں۔فطرت کی قوتوں کی تو کیفیت ہی یہ ہے۔

نفسیاتی طور تغیرِ نفس کی شکل میں یہ کائناتی قوتیں جو میدان جنگ میں استحکام کا باعث بنتی ہے

کچھ قوتیں وہ ہیں جو وہ کہتا ہے کہ انسانی زندگی کے اوپر بھی وہ اثر انداز ہوتی ہیں۔آج کی اصطلاح میں ان کو نفسیاتی قوتیں کہتے ہیں' Psychological Changes ہوتے ہیں۔وہ ہے چیز کہ جو میدانِ جنگ میں اس حیثیت میں کھڑا ہوا لشکر جو دیکھ رہا ہے کہ ہم ان کے مقابلے کے نہیں ہیں پھر بھی ایک چیز ہے جو ان کے دلوں کے اندر اطمینان پیدا کر رہی ہے' قدموں کو جما رہی ہے۔یہ جو Change ہے یہ جو تغیرِ نفسی ہے' اسے بھی خدا نے ایک نفسیاتی قوت سے تعبیر کیا ہے' یہ ہیں وہ ملائکہ جن کا ذکر یہاں کیا ہے۔اور یہ تو میدانِ جنگ میں جب یہ رسول اللہ ﷺ سپہ سالار ہوں اور صحابہؓ ہوں وہاں وہ لشکر کے سپاہی' حق کی خاطر' خدا نے کہا ہو کہ اب ایک پہلی اور آخری مرتبہ اس میدان میں آ جاؤ تا کہ تمہارے آج کے کردار سے تاریخ یہ دیکھ لے کہ خدا کا قانون کیسے غالب آتا ہے۔کہتا ہے اس وقت میں یہی چیز جو تھی رسول اللہ ﷺ نے ان کے سامنے دہرائی تھی اس سے ان کے قلوب کے اندر اس قدر اطمینان اور قوت حاصل ہو گئی

ہوگی کہ واقعی انہوں نے ایک نے دس دس کو مار بھگایا۔

ملتِ اسلامیہ کی کمزوری کی بنیادی وجہ داخلی تبدیلی کے بغیر ڈی ریفارم ہے

یہ جو Inner Change آتا ہے یہ چیز میری ذہن کی پیدا کردہ نہیں ہے قرآنِ کریم نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ ہم کسی قوم کی خارجی حالت کو نہیں بدلتے تاوقتیکہ وہ قوم اپنی اندر کی حالت کو خود نہ بدلے۔ نفسیاتی لفظ ہے اس کے اندر اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (13:11) نفسیاتی تبدیلی جب تک نہ پیدا کرلے وہ قوم ان کی خارجی حالت میں کبھی تبدیلی نہیں پیدا ہوسکتی۔ اور اس کا تجربہ تو ہم کر رہے ہیں یہ داخلی تبدیلی پیدا کیے بغیر ریفارم سازی آپ کے ہاں کے پچیس سال سے ہو رہی ہیں نا۔ نتیجہ یہ کہ ہر ریفارم آپ کو پہلے سے زیادہ ڈی ریفارم کر دیتی ہے اس لیے کہ جو بنیاد ہے ریفارم کی اندرونی تبدیلی' نفسیاتی تبدیلی وہ نہیں ہو رہی۔ یہ جو چیز تھی جنہیں کہا گیا ہے ملائکہ کی مدد' یہ وہ چیز ہے جس سے ایک اندر کی تبدیلی پیدا ہوتی ہے انسان کے۔ ابھی ہم نہیں کہہ سکتے ہماری سائیکولوجی وہاں تک نہیں پہنچی کہ یہ کیسے ہوتی ہے تبدیلی۔ یہاں تک تو یہ لوگ پہنچ گئے ہیں کہ یہ تبدیلی اندر ہوتی ہے انسان کے' اور وہ اندر ایسی تبدیلی ہوتی ہے کہ وہ کچھ کا کچھ بن جاتا ہے' وہ وہ انسان ہی نہیں رہتا اس کے بعد۔ یہاں تک موجودہ دور کی سائیکولوجی پہنچ گئی ہے۔ ہوتا یہ کیسے ہے ابھی یہ وہاں تک نہیں پہنچی۔ قرآن نے یہ کہا ہے کہ قوتیں ہیں جو صداقت پر یقین سے حاصل ہو جاتی ہیں۔ اور میں یہ عرض کر دوں کہ یہ بات نہ تو رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے صحابہؓ کی تھی نہ بدر اور حنین کے میدانوں کی۔ قرآنِ کریم تو اس کو اور واضح الفاظ میں کہتا ہے

انسانوں پر ملائکہ کا نزول تو ہمیشہ ان کے اُن اعمال سے مشروط ہوتا ہے جو وہ کرتے ہیں

عزیزانِ من! اور بڑی عجیب چیز ہے وہ۔ ملائکہ کا نزول' یہی بات یہاں ہو رہی ہے نا کہ ملائکہ نازل ہوئے تھے۔ قرآن ہے سامنے تو نکالیے آیت بڑی اہم ہے۔ کہا یہ ہے یہاں نہ رسول ﷺ کا ذکر ہے نہ خاص طور پہ صحابہؓ کا ذکر ہے۔ کہا ہے کہ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا (41:30) وہ لوگ کہ جنہوں نے ایک دفعہ اس چیز کا اقرار و اعتراف کر لیا' اس پہ ایمان لے آئے کہ ہمارا رب اللہ ہے' وہی ہماری پرورش کا ذمہ دار ہے' جنہوں نے یہ کہہ دیا کہ کسی انسان کے ہاتھ سے روٹی نہیں آئے گی' جس نے کہہ دیا کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا کہہ ہی نہیں دیا پھر اپنے اس ایمان پر جم کر کھڑے ہو گئے' استقامت ان کو حاصل ہو گئی۔ نتیجہ اس کا یہ ہے تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (41:30) ان کے اوپر ملائکہ کا نزول شروع ہو جاتا ہے۔ کسی خاص دور کے یہ مسلمان نہیں' وہ کہا ہے جو بھی یہ کریں' جب بھی یہ کریں۔ جس نے بھی یہ کہہ دیا میرا رب اللہ ہے۔ روٹی کی خاطر کسی انسان کے سامنے نہ جھکا اور اس کے بعد جم کے کھڑا ہو گیا اپنے اس یقینِ محکم پہ

عملی طور پر قوانین خداوندی پر ایمان انسان کے دل سے خوف و حزن نکال دیتا ہے

قرآن کہتا ہے اس پہ ملائکہ کا نزول ہوتا ہے۔ کیا کرتے ہیں یہ ملائکہ' وہ آ کے اس کی جھولی میں روٹی ڈال دیتے ہیں' کہا نہیں یہ سوال نہیں ہے۔ بہت بڑی چیز ہے جو وہ کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا (41:30) وہ اسے کہتے ہیں کہ خوف اور

حزن کی کوئی ضرورت نہیں ہے‘ان کے دل سے خوف اورحزن نکل جاتا ہے‘ نہ خارجی خطرات کا خوف نہ دل کے اندرافسردگی اور پژمردگی نہ مایوسی‘ یہ چیزان کے دل سے نکل جاتی ہے۔وَاَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّةِ الَّتِیۡ كُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ (41:30)وہ ان کو بشارت دیتے ہیں اس ایک ایسے جنتی معاشرے کی اس دنیامیں بھی جس کا وعدہ خدانے کررکھا ہے۔وہ ان سے کہتے ہیں کہ نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓؤُكُمۡ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَفِی الۡاٰخِرَةِ(41:31)وہ ان سے کہتے ہیں کہ اس دنیا کی زندگی میں بھی ہم تمہارے دوست ہیں آخرت کی زندگی میں بھی ہم تمہارے دوست ہونگے۔وَلَكُمۡ فِیۡهَا مَا تَشۡتَهِیۡۤ اَنۡفُسُكُمۡ وَلَكُمۡ فِیۡهَا مَا تَدَّعُوۡنَ(41:31)عزیزانِ من! فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا (41:31) یہاں پہلے کہا ہے دنیا کی زندگی میں ایک ایسی جنت‘ہم تمہیں اس کی بشارت دیتے ہیں‘جس جنت میں کیفیت یہ ہوگی کہ جو کچھ تمہارا جی چاہے گا ملے گا‘ جس چیز کو آواز دوگے‘وہ حاضر ہوجائے گی۔اللہ اکبر۔جو چاہو گے ملے گا۔ورنہ اس کے برعکس ہماری زندگی جہنم کی جو ہے اس کی تو کیفیت یہ ہے کہ روتا ہوا انسان ساری عمر یہ چلا جاتا ہے کہ

بے نیازی سے تیری ناز اٹھائے کیا کیا
جو نہ چاہا وہ ہوا اور جو چاہا نہ ہوا
مبداء فیض سے بس اتنا گلہ ہے مجھ کو
جو نہ مانگا وہ ملا اور جو مانگا نہ ملا

اور یہاں وہ کہتا ہے کہ جو چاہو گے ملے گا‘ جسے بلاؤ گے وہ حاضر ہوگا۔یہ ہے تمہاری کیفیت۔

خدا کی طرف سے ملنے والا ضابطہ زندگی نہ تو کسی دور کے لیے ہے اور نہ ہی کسی انسان تک محدود

میں نے عرض کیا ہے کہ یہ کسی خاص انسان کے متعلق نہیں ہے کسی خاص دور کے متعلق نہیں ہے۔کہا کہ جو بھی یہ کرے گا یہ ایمان لے آئے کہ اللہ کے سوا کسی کے سامنے جھکنا نہیں ہے اور پھر استقامت سے کھڑا ہوجائے‘ فرشتے نازل ہونے شروع ہوجاتے ہیں اس پہ۔ اور وہ کرتے یہ ہیں کہ اس کا دل اطمینان وسکون کا ان بشارتوں خوشخبریوں کا گہوارہ بن جاتا ہے پھر اُسے کوئی طاقت دنیا کی ڈرا دھمکا نہیں سکتی۔یہی ہے نا وہ Inner Change جسے آپ کہتے ہیں یہی ہے نا نفسیاتی تبدیلی پیدا جب ہوتی ہے‘ یہی تو ہے جو کچھ ملائکہ آ کے کرتے ہیں۔ہر دور میں کرتے ہیں‘ ہر ایک کے ساتھ یہ ہوتا ہے‘ نظر تو نہیں آتے۔میں نے کہا ہے نا کہ جب وہ پھر ہر شخص اس قرآن کو کھینچتا ہوا چلا جاتا ہے اپنی اپنی طرف۔

ذات خداوندی نے جو کچھ بھی کہنا تھا وہ اپنے آخری نبی ﷺ کو کہہ دیا اور پھر اُسے قیامت تک محفوظ بھی کر دیا

یہ جو کہتے ہیں کہ صاحب اللہ تعالیٰ کی طرف سے پھر ہم کلامی ہوتی ہے‘ پھر وہ ہمارے اوپر الہام کرتا ہے‘ وحی بھیجتا ہے‘ پھر وہ مجدد بنا دیتا ہے‘ پھر مسیح موعود بنا دیتا ہے‘ وہ پھر صاحب فرشتے آتے ہیں‘اس کے ساتھ وہ خدا کا کلام ان کے پہنچاتے ہیں۔یہ سب افسانہ ہے۔یہ

ہر مسلمان کے ہر مومن کے متعلق قرآن نے یہ کہا ہے کہ جو بھی یہ کرے گا' اس کی کیفیت یہ ہوگی۔ اور اس میں کہا یہ نہیں ہے کہیں بھی قرآن میں کہ خدا کا کلام ان تک وہ پہنچاتا ہے۔ خدا کا کلام صرف نبی تک پہنچتا تھا اور آخری نبی کے بعد اب خدا کا کلام کسی تک نہیں پہنچتا۔ خدا کا کلام یہ ہے جو ہر مسلمان کے ہاتھ میں ہے عزیزانِ من! اب اس کے علاوہ خدا کا کلام نہیں کسی کو پہنچتا۔ ملائکہ کا نزول ہر مومن کے اوپر ہوسکتا ہے جو یہ کیفیت پیدا کرے اور وہ قلبی تبدیلی آ کے ایک پیدا کرتے ہیں۔ یہ ہے عزیزانِ من! ملائکہ کا نزول اور یہ وہ ملائکہ ہیں جن کے متعلق کہا کہ نظر نہیں آتے۔ اب ہوئی بات صاف۔ یہ Psychological Changes جو اندر آتے ہیں انسان کے وہ تو وہ قوتیں جو یہ کرتی ہیں' وہ تو نظر ہی نہیں آتیں۔ نظر آنا تو ایک طرف ابھی تو ہماری وہ سائنس جو ہے سائیکولوجی کی وہ بھی متعین نہیں کر سکی کہ یہ کیسے ہوتا ہے۔ قرآن نے ان کے متعلق کہا ہے کہ یہ نظر نہیں آیا کرتیں یہ چیزیں' یہ ملائکہ ہمارے ایسے ہیں جو نظر نہیں آیا کرتے۔ یہاں وہ چیز آ گئی کہ ہم نے ان سے کہا کہ گھبرانے کی بات نہیں ہے' تم اس یقینِ محکم کے ساتھ اس میدان میں آئے ہو' تمہارے اندر اس قسم کی تبدیلیاں پیدا ہو جائیں گی' تمہیں اطمینان حاصل ہو جائے گا' تمہیں سکینت حاصل ہو جائے گی۔

میدان جنگ میں اگر یقین محکم اور جذبہ صادقہ ہو تو قرآن حکیم کے مطابق ایک ایک مرد مومن دس دس پر بھاری ہوتا ہے

میدانِ جنگ میں تمہارے قدم جم جائیں گے۔ تمہارے قلوب میں ایک ارتباط پیدا ہو جائے گا۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم میں کا ایک ایک دس دس کے اوپر بھاری ہو جائے گا۔ کہا یہ ہم نے ان سے کہا' انہیں اس کا یقین آ گیا۔ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (8:10) یہ ہے وہ چیز جو کہی گئی ہے' یہ نہیں کہا ہے اس کے بعد کہ وہ ہمیں ہیں تم نے کچھ نہیں کرنا' بس فرشتے آ جانے ہیں اور انہوں نے مار مار کے ''ایناں دا بھرکس کڈ دینا اے''۔ ہمارے مولوی صاحب وعظ کیا کرتے ہیں' ہم نے خود وعظ سنے ہیں اب تو خیر میں جاتا نہیں ہوں۔ ابھی وہی حال ہونگے۔ افسانہ تو ہمیشہ افسانہ ہوتا ہے۔ ''او دادی اماں جیہڑ یاں پریاں دیاں کہانیاں ساڈے بچپن اچ سنا ندیاں سی نا اے دادی اماں اج وی سنا ندی ہیگی''۔ وہ کہا کرتے تھے کہ مسلمانو اسلام نے غالب آنا ہے' مسلمانوں کی سلطنت ساری دنیا کے اوپر ہو جانی ہے' یہ تو آپ کو پتہ ہے نا ان کا عقیدہ ہے یہ۔

امام مہدی کا بمعہ فرشتوں اور توپوں کے ساتھ آنے کا تصور

پھر وہ ہونی ہے آخر میں امام مہدی نے آنا ہے اس نے آ کے یہ سب کچھ کرنا ہے۔ یعنی تم نے نہیں کچھ کرنا' امام مہدی نے کرنا ہے۔ مجھے اب تک یاد ہے کہ ان سے یہ کہا کہ وہ آئیں گے امام مہدی' وہ تو اکیلے ہونگے' مسلمانوں کو ساتھ لے کے کچھ کریں گے نا۔ تو اس زمانے میں انگریز کا زمانہ تھا اسلحہ کے اوپر پابندی تھی۔ پابندی تو آج بھی ہے وہاں ذرا سخت پابندی ہوتی تھی۔ تو انہوں نے کہا کہ صاحب ہم نے تو کبھی بندوق چلا کے بھی نہیں دیکھی تو ان کے ساتھ ہم کیا کریں گے تو وہ کہنے لگے کہ نہیں وہ توپ چلانے والے فرشتے بھی ساتھ ہی لے کے آئے گا۔ ''سانوں توپ وی نئیں چلانی پینی''۔ بنی اسرائیل کی طرح وہ کہنے والے کہ تو اور تیرا خدا جائے اور وہاں لڑائی کرے

ہم یہاں بیٹھے ہیں کوئی بھاگے جا رہے ہیں' جب فتح کر لو گے تو ہمیں آواز دیدینا' ہم آ جائیں گے۔امام مہدی بمعہ فرشتوں کے آئیں گے۔فرشتے ان کی توپیں چلائیں گے'وہ کافروں کو مار مار کے بھگا دیں گے اور سلطنت ان کے حوالے کر دیں گے۔مؤمنین کو پتہ ہے کہ ؎

جنت تیری پنہاں ہے تیرے خونِ جگر میں

دلوں کی آسودہ حالی خون جگر کی محتاج ہوتی ہے

یہ باہر سے نہیں ملا کرتی۔اِنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ یاد رکھو اس بات کو کہ یونہی نہیں فرشتے آ کے یہ کچھ کر جائیں گے' صاحب غلبہ بھی تمہیں ہونا ہوگا' صاحب حکمت بھی ہونا ہوگا میدانِ جنگ میں۔اللہ اکبر۔قوت کی بھی ضرورت ہوگی' میدانِ جنگ کی سٹریٹجی کے لیے تمہیں حکمت کی بھی ضرورت پڑے گی اور میدانِ جنگ کے اندر حکمت عزیزانِ من! یہ قرآن ہی بتا سکتا تھا۔

میدان بدر میں مخالفین کو شکست کی بنیادی وجہ غور وفکر سے کام نہ لینا تھا

اسی بدر کے میدان کے اندر آگے بات آتی ہے کہ یہ لوگ جب قریش شکست کھا کے جائیں گے تو وہاں جا کے پھر یہ ایک انکوائری کمیٹی بٹھائیں گے کہ ہمیں شکست کیوں ہوئی۔کوئی کچھ کہے گا' کوئی کچھ کہے گا۔سنیے عزیزانِ من! قرآن فکر کا کیا مقام ہے۔کہا یہ سب کچھ یہ کہیں گے۔یہ بات ان میں سے کسی کی سمجھ میں نہیں آئے گی کہ شکست اس لیے ہم نے کھائی کہ ہم نے غور وفکر سے کام نہیں لیا تھا جنگ چھیڑنے سے پہلے (8:65)۔اللہ اکبر۔عزیز حکیم' اس لیے کہا ہے کہ صرف اور قوت اور غلبہ ہی نہیں یاد رکھو! اس کے ساتھ حکمت کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔یہ دو چیزیں تمہارے پاس ہوں جو یقینِ محکم ہوگا پھر فرشتوں کا نزول کیوں نہیں ہوگا تمہارے اوپر' جاؤ بسم اللہ۔اِذۡ یُغَشِّیۡکُمُ النُّعَاسَ اَمَنَۃً مِّنۡہُ (8:11) کہنے لگے کہ ادھر اس سے تمہارے قلوب کو ایک سکون حاصل ہوا اور اُدھر فطرت کی قوتیں جو ملائکہ تھیں یُنَزِّلُ عَلَیۡکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً (8:11) اور بارش ہوگئی۔آج ہم نہیں اس کا احساس کر سکتے کہ یہ بارش کیا کرتی ہے ہمیں تو یہی پتہ ہے نا کہ وہ کنونشن کے چار دن اتنے سارے انتظامات ہم کرتے تھے۔وہ آتا تھا ایک عبدالبگاڑ وہ آ کے ایک بارش ہو جاتی تھی وہ سارا درہم برہم سلسلہ ہو جاتا تھا ہمارا۔عرب جیسے ملک کے اندر آپ دیکھیے جہاں پانی کو مال کہا جاتا ہے' سیدھی سی بات ہے دولت ہے۔جہاں کہیں چار جھنڈ ہوئے درختوں کے'اس میں ایک چشمہ ہوا وہی آبادی' چشمہ سوکھا انہوں نے اپنا اپنا گھر کندھے پہ اٹھایا' خانہ بدوش اس کو کہتے ہیں نا پھر چشمے کی تلاش میں نکل چلے۔برسوں تک بارش کا سوال نہیں ہوتا تھا۔اُس موسم میں اس گرمی کے موسم میں اس میدان میں' رات کو بارش کا برس جانا' صاحب نعمتِ کبریٰ تھی۔اور پھر وہ جو پہلے سٹریٹجی حضرت حبابؓ نے بتا دی تھی وہ مقام انہوں نے پہلے سے سنبھال لیا تھا' بارش ہوئی ساری ان کے حق میں گئی۔لِّیُطَہِّرَکُمۡ بِہٖ وَ یُذۡہِبَ عَنۡکُمۡ رِجۡزَ الشَّیۡطٰنِ (8:11) نہائے دھوئے' اتنا بارش کا ٹھنڈا پانی عرب جیسی گرمی کے ملک میں' پتہ نہیں کتنے برسوں میں کہیں نصیب ہوا ہوگا' خوب نہائے دھوئے۔

ہمارے ہاں کے تراجم ''شیطان کی پلیدی کو دور کرنا'' چہ معنی

اب یہ ہمارے ہاں کا ترجمہ آیا کہ وہ بارش برسائی اور تم سے شیطان کی پلیدی کو دور کر دیا۔او بھئی جسم کی پلیدی کا تو ہمیں پتہ ہے' وہ

شیطان کی پلیدی' وہ بچپن میں کہا کرتے تھے

عربی زبان میں شیطان کا لفظ شدتِ پیاس کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے

ہمارے ہاں اس زمانے میں ننگے سر پھرنا جو تھا وہ ذرا آواروں کی نشانی ہوتا تھا' ہم تو ساری قوم ہی آوارہ ہوئی ہوئی ہے نا۔تو ہمیں بچپن میں یہ کہا کرتے تھے کہ ننگے سر نہ پھرو' سر پہ شیطان پیشاب کر دیتا ہے۔''اے ترجمہ کر کے ایہوای کیندے اے پئی جیہڑا اوہنے پیشاب کیتا اے اودھوتا گیا اے''۔عزیزانِ من! عربی زبان میں یہ شیطان' شدتِ پیاس کو بھی کہتے ہیں۔کہا کہ شدتِ پیاس کی وجہ سے جو پاؤں میں لڑکھڑاہٹ پیدا ہوجاتی ہے' رجز کے معنی ہوتا ہے اٹھتے وقت' جھٹکے سے اٹھتے وقت' پاؤں میں لغزش پیدا ہوجانا' کہا وہ جو شدت پیاس سے ایسے وقت میں پاؤں میں لغزش پیدا ہوجاتی ہے۔پانی برساتم نے سٹور کرلیا' نہائے دھوئے' سکون حاصل ہوا' پانی جمع کرلیا وہ جو شدتِ پیاس سے میدانِ جنگ میں تمہارے پاؤں میں کچھ لغزش آئی تھی' اس سے ثبات حاصل ہوگیا۔**وَ لِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَ يُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ**(8:11) وہ جو پہلے سکون حاصل ہوا تھا قلب میں اس سے تو قلبی ارتباط حاصل ہوگیا اور یہ جو کیفیت پیدا ہوگئی پانی سے' ثابت قدمی تمہیں حاصل ہوگئی اور ایمان تم لے آئے ہوئے تھے **ثم استقاموا** اس سے ہوگیا' کہا پھر ملائکہ کا نزول کیوں نہ ہوتا تمہارے اوپر۔دیکھ رہے ہیں عزیزانِ من! کیا باتیں کر رہا ہے قرآن۔

مروجہ تراجم کی ایک اور مثال

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ (8:12) ہم نے ملائکہ سے کہہ دیا کہ ہم اس جماعت کے ساتھ ہیں۔یہاں کہا یہ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔یعنی فرشتوں کو یہ پتہ ہی نہیں تھا کہ اللہ ہمارے ساتھ ہوتا ہے۔معکم' یہ جو جماعتِ مؤمنین جن کو یہاں کہا جارہا ہے کہا یہ کہ ہماری نصرت اس جماعت کے ساتھ ہے۔بس یہی بات تھی جو ملائکہ کا نزول ہوتا ہے۔ اور خدا کی نصرت تو اس کے قانون کے اتباع سے آتی ہے' جو بھی اس کے قانون کے مطابق قدم اٹھاتا ہے' چلتا ہے اس کے ساتھ اس قانون کی مخفی قوتیں بھی تو بڑی ہوتی ہیں۔وہ ہے خدا کا ساتھ ہونا عزیزانِ من!۔**فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** (8:12) ایمان لانے والے جو ہیں' ان کے قلوب کو مضطرب اور بیتاب نہ ہونے دو۔یہ تھا جو فرشتوں نے کیا تھا۔ہر جگہ یہ آتا ہے ان کے قلوب کو۔**سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ** (8:12) اس کے مقابلے میں جب یہ اس طرح جم کے سکون اور اطمینان سے کھڑے ہوگئے تو فریق مخالف کے دلوں میں اتنا رعب ان کا طاری ہوجائے گا کہ اس کے بعد **فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَ اضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ** (8:12) ان سے کہا گیا جماعتِ مؤنین سے' یہ کیفیت پیدا ہوجائے گی اس کے بعد جھپٹ پڑنا ان کے اوپر اور جہاں جہاں ہوان کے اوپر وار کر دینا' تم دیکھو گے میدان چھوڑ کے بھاگ جائیں گے۔میدانِ جنگ کی ساری سٹریٹجی' لیکن Inner Change کے ساتھ۔یہ ہے جہاں یہ چیز آتی ہے Inner Change جسے ایمان کہتے ہیں اس کی بنیاد کے اوپر کہا' یہ کرو۔اور اس کے بعد یہ ساری چیزیں بارش ہوئی ہے' پانی جمع کرو' نہاؤ دھو' سٹریٹجی کے لیے میدان صحیح تم نے منتخب کیا ہے' وہاں جم کے کھڑے ہوجاؤ۔

جہاد کی غرض وغایت سے سرشار فوج اور مفاد عاجلہ کو پیش نظر رکھنے والی فوج کی ابتداء اور انتہا میں فرق

اس کے بعد اگلی چیز اندر کی' تم صداقت کے لیے لڑنے کے لیے آ رہے ہو۔ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ شَآقُّوا اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَ مَنْ یُّشَاقِقِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ(8:13) یہ اس لیے ہے کہ تم نظامِ خداوندی کی تائید اور اس کے تمکن کے لیے اٹھ کے آئے ہو۔ یہ اس کی مخالفت میں آ کے کھڑے ہوئے ہیں۔مقصد اور Cause جو ہے عزیزانِ من! اس کا فرق بھی میدانِ جنگ میں شکست اور فتح کا معیار بن جایا کرتا ہے۔ بڑی چیز ہے۔مرسینری فوج جو ہے ایک طرف سے دھکیل کے لائی ہوئی اور (رمز Rum) کے ان کو وہ پیالے کے پیالے پلا کے میدان میں لا کے کھڑا کیا ہوا اور دوسری طرف سے ایک قوم ایک مقدس مقصد کو لے کر جان ہتھیلیوں پہ لے کر کھڑی ہوئی' دونوں فوجوں کے اندر بڑا فرق ہوتا ہے۔کہا یہ فرق ہے تم میں اور ان کے اندر۔اس لیے فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ (8:13) تم دیکھو گے کہ ان کو بھاگتے ہوئے کیسے پکڑتا ہے خدا۔ یہ عقاب کا لفظ خوب آیا ہے یہاں۔ذٰلِکُمْ فَذُوْقُوْہُ وَ اَنَّ لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابَ النَّارِ(8:14) ان سے کہا جائے گا کہ یہ میدانِ جنگ میں شکست کا عذاب جو ہے اس کا مزہ تو ابھی چکھو اور اس کے بعد مستقبل میں تم دیکھو کہ کتنی ذلتیں تمہارے پیچھا کر رہی ہیں۔شدید العقاب کہہ کے بڑی بات کی کہ یہی نہیں کہ اس جنگ سے تم بھاگ جاؤ گے تو پھر معاملہ ختم ہو گیا' تمہارا پیچھا کرے گا ہمارا عذاب' دیکھو تو سہی کہاں جاتے ہو تم۔یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْھُمُ الْاَدْبَارَ(8:15)

میدان جنگ کی تصویر کشی اور شہادت کے آبگینوں سے بہریاب ہونے والوں کے نورانی چہروں کی بیتابی کا منظر اور ہمارے ہاں کے تراجم

اب یہاں وہ بات آئی صاحب' میدانِ جنگ میں کون کھڑے ہیں' یہ صحابہؓ کی جماعت جن کے متعلق کہا ہے یہ مؤمن حقا ہیں۔اب آپ نے دیکھ لیا کہ مومن حقا کیسے بنتا ہے مومن' جہاں کہا تھا کہ یہ یوں بنتا ہے مؤمنِ حقا' یہ مومن حقا آئے ہوئے ہیں۔ساری متاع حیات اپنی اپنے ساتھ لے کے میدانِ جنگ میں' ان حالات میں گھرے ہوئے کھڑے ہوئے ہیں' صحابہ کبارؓ۔قرآن ان کے مؤمن حقا ہونے کی شہادت دیتا ہے۔ جنت کے ان کے لیے وعدے کیے ہوئے ہیں' ان کے ایمان کو ہم آنے والوں کے لیے بطور معیار قرار دیتا ہے(2:137)۔میدانِ جنگ میں فرشتے جو ہیں وہ ہزار کی تعداد میں بقول ان سب کے آئے ہوئے ہیں جنہوں نے آ کے ان سب کو مارنا ان فرشتوں نے۔ان آیتوں کا ترجمہ ہی یہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا تھا کہ تم ان کافروں کی گردنیں بھی اڑا دو ٹکڑے ٹکڑے ان کے کر دو تکا بوٹی ان کی کر دو' بس تم کر دو۔اگر یہ سب کچھ انہوں نے کرنا تھا تو یہ آیتیں اگلی دیکھیے عزیزانِ من! عظیم آیات ہیں۔میدانِ جنگ میں یہ لوگ کھڑے ہیں' میں نے کہا ہے کہ جن کے ایمان کی شہادت خدا دیتا ہے۔کہا کہ اے جماعتِ مؤمنین بات تمہیں اصولی ہم نے بتا دی' اب یاد رکھو میدانِ جنگ میں آ کے کھڑے ہو' پیٹھ پھیر کر نہ بھاگنا' پشت دکھا کے نہیں بھاگنا میدان سے۔ اتنی بات ہی نہیں کہی۔

جنگِ بدر میں حصہ لینے والے مجاہدین کو قرآن حکیم کی وارننگ

عزیزانِ من! پھر میں بتادوں یہ کون مخاطب ہیں' السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ قرآن جنہیں یہ کہتا ہے سب سے پہلے مؤمن حقا' وہ پوری جماعت یہ کھڑی ہے۔ان سے کہا جائے گا وَ مَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ (8:16) یاد رکھو آج کے دن تم میں سے کوئی وہ شخص کہ جس نے میدان سے منہ پھیر لیا اور پیٹھ دکھا کر بھاگا بجز اس کے کہ وہ ایک فوجی سٹریٹجی کے لیے ایسا پینترا بدلے یا اپنی کسی جماعت کی تقویت کے لیے ان کے ساتھ جا کے ملنے کے لیے ایسا کرے یہ نہیں' جو شکست کھا کے میدانِ جنگ سے آج پیٹھ پھیر کے بھاگ گیا۔کہا جارہا ہے السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ صحابہ کبارؓ سے' آج میدان سے جو پیٹھ دکھا کر بھاگ گیا فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ مَاْوٰهُ جَهَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ (8:16) یہاں سے بھاگا سیدھا جہنم میں چلا جائے گا۔سوچ رہے ہیں آپ' یہ خالی ایمان کوئی کام نہیں دے رہا' ان جیسا ایمان اور کس کا ہوگا۔اور یہ نہیں تھا کہ انہوں نے بھاگ جانا تھا۔ یہ تو ہم سے کہا جارہا ہے کہ سوچو تو سہی کہ جب ایسے جلیل القدر صحابیؓ مومنِ حقا' ان کے متعلق یہ کیفیت ہے کہ حق و باطل کی جنگ میں میدان سے پیٹھ دکھا کے بھاگنے والا جو ہے اُسے ہم کہتے ہیں وہ بھاگا' خدا کا غضب اس پہ نازل ہوا اور جہنم میں آ گرا' تو تم اگر میدانِ جنگ سے پیٹھ دکھا کے بھاگے تو تمہارا ٹھکانہ کونسا ہوگا۔

یاد رہے قرآنِ حکیم کی یہ وارننگ فرشتوں کے لیے نہیں بلکہ یہ مجاہدین کے لیے تھی

اب اس کے بعد آپ سوچ رہے ہیں کہ وہ فرشتے جو تھے' ملائکہ جو تھے اگر انہوں نے آ کے تلواریں چلا چلا کے میدانِ جنگ جیت لینا تھا' تو یہ میدان میں کھڑے ہوتے تو کیا پیٹھ دکھا کے بھاگتے تو کیا۔میں کہتا ہوں جاتے ہی نہ۔وہ ہزار ہی تو آیا تھا ادھر سے قریش کا لشکر' ادھر سے ہزار کہہ دیا فرشتہ تو ہزار کے مقابلے میں ہزار' فرق یہ کہ وہ بندے بشر' یہ خدا کا لشکر۔ان تین سو تیرہ کیلئے ضروری ہی نہیں تھا وہاں' ان کو تو پیچھے بیٹھ جانا چاہیے تھا کہ جی بیٹھے ہیں ہم' فرشتے لڑیں گے۔ان سے کہا جارہا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی آج پیٹھ دکھا کے' شکست خوردگی کے عالم میں یہاں سے بھاگا' بھاگا اور جہنم میں گرا۔تو کس نے یہ جنگ لڑی تھی' ان تین سو تیرہ نے لڑی تھی یا ہزار فرشتوں نے لڑی تھی آ کے جنگ۔ان سے یہ کہا جارہا ہے۔

انسانوں کی منفعت کی خاطر خدا تعالیٰ کی طرف سے پیش کردہ پروگرام انسانوں کے ہاتھوں ہی سے مکمل ہوتا ہے

آگے یہ بات بڑی حسین اور جمیل آ گئی۔خدا یہ کہہ رہا ہے کہ ہم نے جو حق ایک دیا ہے' اس حق کو متمکن کرنے کے لیے' تم نے اٹھ کے جنگ لڑنی ہے۔گویا یوں نظر آ رہا ہے نا جیسے کہ کچھ خدا کا کوئی پروگرام ہے' اس کی تکمیل کے لیے یہ کچھ کرنا ہے۔یہ ٹھیک ہے۔اپنا پروگرام اس نے یہ کہا ہے کہ حق ہماری طرف سے آتا ہے۔ہم چاہتے ہیں کہ حق دنیا میں غالب ہو کر رہے۔اب اگر غالب ہو کر رہے والی

بات ازخود ہونی ہوتی تو اس میں تو ضرورت ہی نہیں تھی کہ خدا کسی قوم سے کہتا' کسی فرد سے کہتا' کوئی ساز وسامان مہیا کرتا' اس کے ایک ادنیٰ اشارے سے یہ کائنات جتنی بھی ہے' یہ عدم سے وجود میں آ گئی' حق کا غلبہ کر دینا اس طرح مشکل کیا تھا۔لیکن وہ انسانی دنیا میں ایسے نہیں کرتا وہ انسانی دنیا میں اپنے پروگرام کی تکمیل انسانوں کے ہاتھوں سے کراتا ہے۔وہ حق کا غلبہ چاہتا تھا لیکن اس کے لیے بدر کے میدان میں یہ مجاہدین جو تھے ان کا نکلنا ضروری تھا' ان کا ثابت قدمی سے کھڑا ہونا ضروری تھا۔ان کے بھاگ جانے سے وہ حق غالب نہ رہتا' خدا کا پروگرام ناتمام رہ جاتا۔تو انسانوں کی دنیا میں خدا کے پروگرام کی تکمیل انسانوں کے ہاتھوں سے ہوتی ہے۔

میدانِ جنگ میں پایہ تکمیل تک پہنچنے والے پروگرام کی شکل وصورت کا ایک ولولہ انگیز منظر

یہ وجہ ہے جو عین اس میدان میں کہا کہ جو بھاگا تم میں سے' وہ جہنم میں اور جو کھڑا رہا تو اس کے بعد کہا کھڑے رہنے والو سنو فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (8:17) میدانِ جنگ میں شمشیریں تمہاری ہونگی ان کے ساتھ قضا ہماری لپٹی ہوئی ہوگی۔تیر تمہارے ہونگے کمانیں ہماری ہونگی جن میں سے نکل کے جائے گا' ہم اور تم اکٹھے لڑیں گے' چلو آؤ میدان میں۔کہا تم نہیں تلواریں چلا رہے ہوگے یہ ہم چلا رہے ہونگے۔تم نہیں تیر برسا رہے ہوگے' ہم برسا رہے ہونگے۔اب سوچیے تو سہی جس قوم سے خدا یہ کہہ رہا ہو کہ یہ کچھ تم نہیں کرو گے' یہ کچھ ہم کر رہے ہونگے۔کتنی بڑی چیز ہے خدا کی یہ رفاقت جو ہے' بڑی چیز ہے صاحب!!۔

قضا کے تیر نبی اکرم ﷺ کی کمان کے بغیر نشانے تک پہنچ ہی نہیں سکتے تھے

میں نے یہ عرض کیا ہے کہ خدا کے پروگرام انسانوں کی دنیا میں انسانوں کے ہاتھوں سے بروئے کار آتے ہیں اور اس کے لیے کئی دفعہ پھر آیا ہے ہر اس مقام پہ جہاں یہ آیت میرے سامنے آتی ہے غالب کا وہ شعر آ جاتا ہے اور میں کہا کرتا ہوں کہ نعت کی دنیا میں کم از کم میری نظر میں اس جیسی بلند چیز بالکل نہیں گذری' کسی زبان میں بھی نہیں گذری۔یہ ہے وہ آیت جو میں سمجھتا ہوں اس شخص کے سامنے تھی۔اس نے یہ کہا ہے کہ

تیرِ قضا ہر آئینہ از ترکشِ حق است

اس میں شبہ نہیں کہ قضا اور فیصلوں کا تیر خدا کے ترکش کے اندر ہوتا ہے اس میں کوئی شبہ نہیں۔لیکن

لیکن کشادِ آں ز کمانِ محمد ﷺ است

جب تک محمد ﷺ کی کمان سے وہ نہ نکلے تیر' ترکش کے اندر ہی رہتا ہے' نشانے پہ نہیں جا کے بیٹھتا' اس تیر کے نشانے پہ بیٹھنے کے لیے محمد ﷺ کی کمان کی ضرورت ہوتی ہے۔اللہ اکبر۔کہو اس سے کوئی بلند شعر نعت میں آپ نے دیکھا ہے۔یعنی خدا کی قضا کے تیر ترکش کے اندر ہوتے ہیں' ترکش کے اندر تیر تو کچھ کر ہی نہیں سکتا۔تیر تو کمان سے نکلے گا تو پھر وہ نشانے پہ جائے گا۔تو اس نے کہا ہے کہ وہ خدا کے ترکش کا تیر محمد ﷺ کی کمان کے بغیر وہ نشانے پہ جا کے نہیں لگتا۔عزیزانِ من! اس تیرہ سو سال کے اندر خدا کے ترکش کے تیر ختم نہیں

ہو گئے تھے' محمدﷺ کی کمان دنیا میں نہیں رہی' بس۔ یہ جو تھے بدر کے میدان میں 313 ان کے ہاتھوں میں جو کمان تھی اس سے خدا کے ترکش کے تیر نکل کے جا رہے تھے۔ اس لیے جب اس نے کہاوَ مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی (8:17) تم تیر نہیں چلا رہے تھے وہ ہمارے تیر تھے جو تمہاری کمانوں سے نکل رہے تھے۔ دونوں کی رفاقت آپ دیکھ رہے ہیں' نہ اس تیر کے بغیر کمان کچھ کر سکتی ہے نہ اس کمان کے بغیر تیر نشانے پہ جا لگتا ہے۔ دونوں اکٹھے ہوتے ہیں تو مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔

میدان جنگ میں نبی اکرم ﷺ اور رفقائے نبوت کی ثابت قدمی کہاں اور ہمارے ہاں کے یہ تفسیری قصے کہاں

اس کے متعلق آپ کو پتہ ہے کہ جب یہ افسانوں میں آیا تو کیا ہوا مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی تو آپ کے ہاں یہ چیز ہوئی کہ جب وہاں میدانِ جنگ میں گئے اور آپ نے دیکھا کہ وہاں ہزار لشکر ہے سامنے سے' یہ تین سو ہی ہیں اور کچھ کام چلتا نہیں ہے۔ تو وہ پھر آپﷺ نے دیکھا کہ کام تو کچھ نہیں بن رہا' بڑی مشکل ہے' شکست ہو جائے گی تو آپﷺ نے ایک مٹھی بھری مٹی کی اور وہ زور سے ماری قریش کی طرف مخالفین کی طرف اور وہ جو مٹی اڑ کے گئی ہے وہ سب اندھے ہو گئے ''او اندھے ہو گئے مار لیا اینال نیں''۔ یہ آپ کے ہاں کسی تفسیر کو ترجمے کو اٹھا کے دیکھیے اس آیت کے نیچے یہ لکھا ہوا ہے۔ تو آگے جو بات ہے کہ رسول اللہﷺ کی زندگی ہمیں کہا گیا ہے کہ تمہارے لیے اسوہ ہے' بہترین نمونہ ہے' تو کہا جائے گا نا کہ صاحب میدانِ جنگ میں جو ہم کھڑے ہوئے تو رسول اللہﷺ نے تو یہ کیا کہ مٹھی اٹھائی مٹی کی' ماری وہ ساری اندھے ہو گئے تو غالب آ گئے آپﷺ' تو ہم تو مارتے ہیں تو وہ مٹھی ہماری وہاں تو جاتی نہیں ہے تو یہ ہمارے لیے جو معجزہ آپ کہتے ہیں ہمارے لیے اُسوہ کیسے بن سکتا ہے۔ ہمارے ہاتھوں کی مٹی تو یہ کرتی نہیں ہے تو ہم تو رسول اللہﷺ کے اس اسوہ پہ چل ہی نہیں سکتے۔

یہ امت خرافات میں کھو گئی یہ امت روایات میں کھو گئی

اگر آپ رسول اللہﷺ کی ان چیزوں کو معجزات میں لائیں تو وہ ہمارے لیے اسوہ بن نہیں سکتے۔ یا تو ہمارے ساتھ بھی خدا کا وعدہ ہو کہ تم میں سے جو بھی میدانِ جنگ میں اس طرح سے مٹھی مارے گا اسوۂ رسول اللہﷺ کے اتباع میں' وہ مٹھی مخالفین کی آنکھوں کو اندھا کر دے گی تو بات بھی ہو گی' وہ تو کرتی نہیں ہے۔ پہلے میدانِ جنگ میں انہوں نے ہزار فرشتے اتارے' وہ مار رہے تھے' نظر آتا ہے (معاذ اللہ) ان سے بھی وہ کچھ کمی رہ جانے والی بات تھی۔ حضورﷺ کو کچھ فکر پیدا ہوئی کہ گیا میدان ہاتھ میں سے تو پھر یہ معجزہ حضورﷺ کا جو آیا کہ انہوں نے آ کے وہ مٹی کی ایک مٹھی لی اور مارا وہ سارے دشمن جو تھے اندھے ہو گئے اور بھاگ گئے۔ بات آگے چل کے آئے گی ان سے پوچھو کہ احد کے میدان کے اندر جب آپﷺ کے ہی تیر اندازوں کے ایک دستے نے آپﷺ کے ایک سپہ سالار کی' کماندار کی حکم عدولی کی تھی اور اپنا میدان چھوڑا تھا تو اس کے بعد وہ جو تیر تھے حضورﷺ کے اوپر اتنے لگے ہوئے تھے' وہ کہہ رہے ہیں جیسے شہد کے چھتے کی مکھیاں ہوتی ہیں۔ چوں نہ بینند حقیقت رہِ افسانہ زنند۔

معجزوں کا تصور رکھنے والوں کے پاس ان آیات کا کیا جواب ہے؟

قوم کو افسانوں میں الجھا دیا۔ جب بھی آپ کے ذہنوں میں یہ آ جائے گا کہ جنگ کے اندر کامیابی جو ہے وہ فوج یا یہ لوگ نہیں ہوتے وہ تو ایک معجزہ ہوتا ہے۔ایک کنکریوں کی مٹھی ماری اور وہ فتح ہوگئی' یہ چیزیں آپ لائیں گے تو اس کے بعد سوال ہی نہیں۔ پہلی آیت میں خدا یہ کہہ رہا ہے کہ تم میں سے اگر کوئی شخص آج پیٹھ دکھا کے بھاگ گیا تو جہنم میں گیا۔تو اگلی آیت میں یہ بات ہو جائے گی کہ کوئی بات نہیں ہے' رسول اللہ ﷺ پھر اپنی مٹھی ماریں گے کنکریوں کی اور فتح ہو جائے گی۔کتنی عظیم چیز تھی مَـا رَمَیْـتَ اِذْ رَمَیْـتَ عربی جاننے والے جانتے ہیں اس کے معنی تیر چلانے کے ہوتے ہیں۔ پہلا ہے فَـلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ تم نہیں قتل کر رہے ہم کر رہے ہیں۔ جب کہا ہے کہ اُذِنَ لِلَّـذِيْـنَ يُقٰتَلُوْنَ (22:39) ہم نے تم سے کہا تھا کہ ہاں آ ؤ اب میدانِ جنگ میں۔اور کتنی بڑی ذمہ داری خدا اپنے اوپر لے رہا ہے کہ اس کے متعلق کہیں تمہارے اوپر اعتراض نہ ہو جائے کہ تم میدانِ جنگ میں اتنے لوگوں کی تم نے جان ماردی تھی' تم نہیں تھے وہ ہم مار رہے تھے۔اس لیے کہ ہمارے ہی توحکم کے ماتحت تم وہاں گئے تھے' تم تیر نہیں چلا رہے تھے' ہم تیر چلا رہے تھے۔وَ لِيُبْـلِـيَ الْـمُـؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا (8:17) ابتلا کا ترجمہ ہمارے ہاں آزمائش ہوا اور اس کے بعد پھر کہ وہ ہم ہی چلا رہے تھے ہم نے سب کام کرنا تھا' بھئی ہمیں کیوں لے کر گئے تھے پھر' تمہاری آزمائش مقصود تھی ہمیں۔

خدا کسی کو نہیں آزماتا بلکہ انسان خود کو آزماتا ہے

یہ آزمائش کا بھی عجیب تصور ہے کہ وہ آزماتا رہتا ہے۔ وہ جیسے ہم دوست سے کہتے ہیں کہ نہیں نہیں مجھے پیسے کی ضرورت تو نہیں تھی ''میں تے امزوندا سا تینوں پئی توں پیسے دیندا اے کہ نہیں''۔عزیزانِ من! یہ بات نہیں ہے خدا اس طرح سے آزماتا نہیں ہے۔ جہاں بھی یہ بات آتی ہے اس کے معنی ہوتے ہیں تا کہ تم اپنے آپ کو آزمالو کہ ہم کہاں کھڑے ہیں۔تم اپنی آپ خود آزمائش کرتے ہو' ٹیسٹ کرتے ہو کہ ہمارے اندر کتنی ایک قوت پیدا ہوگئی ہے۔اور یہ جو ابتلا ہے اس کے معنی ہوتا ہے پہلو بدلنا' آزمائش معنی ہی اس کے نہیں ہوتے۔اور اسی لیے قرآن نے کہا ہے مِـنْهُ بَلَآءً حَسَنًا۔کبھی ہمارے ہاں سنا بھی ہے آپ نے بلاء حسنا' آغا حشر کا ایک ڈرامہ تو ہوتا تھا خوبصورت بلا اور جہنمی حور۔بَلَآءً حَسَنًا قرآن کہتا ہے۔ بلاء اور ابتلا کے معنی ہوتا ہے پہلو بدلنا' گردش بدلنا۔تو ہم اس سے چاہتے یہ تھے کہ تمہاری زندگی جس طرح سے چلی آ رہی تھی نامساعد کی' مشکلات کی' مزاحمات کی تکالیف کی' اس میں ایک پہلو تمہارا بدلے اور وہ پہلو جو آئے تمہارے سامنے حسنا' اب آئے خوشگوار زندگی کا پہلو تمہارے سامنے آ جائے۔اس بدر کی جنگ کے یہ معنی تھے۔اِنَّ اللّٰـهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (8:17) ہم جانتے ہیں ہم سنتے ہیں۔ذٰلِكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ(8:18) یہ اس میدان میں ہوا ہے اسی میدان کی بات یہ نہیں ہے یاد رکھو! کفر کی جتنی بھی خفیہ تدبیریں اس قسم کی یہ کر کے آئیں گے' اللہ تعالیٰ ہر جگہ ان کو ذلیل وخوار کرے گا یہ کبھی نہیں کامیاب ہوں گی۔آگے آگے چلیے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے۔عزیزانِ من! وقت ہوگیا آج۔سورۃ الانفال کی آیت 18 تک ہم آ گئے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

تیسرا باب: **سورۃ الانفال** (آیات 19 تا 25)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیزانِ من! آج دسمبر 1972ء کی 10 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ الانفال کی آیت 19 سے ہو رہا ہے۔

(8:19)

قرآن حکیم کی بنیادی تعلیم کے ہی یہ خلاف ہے کہ کسی کو زبردستی مسلمان بنایا جائے یا کسی کے ملک کو فتح کیا جائے

جیسا کہ آپ کو یاد ہوگا بات جنگِ بدر کی ہو رہی ہے۔ پیچھے سے یہی سلسلہ چلا آ رہا ہے اور یہی اب آگے بھی چلے گا۔ جیسا کہ میں نے سابقہ درس میں عرض کیا تھا یہ جو عام طور پہ پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے اور اس میں صلیبی جنگوں کے زخم خوردہ مغربی ممالک پیش پیش چلے آ رہے ہیں۔ پروپیگنڈہ یہ کیا جاتا ہے کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا اور دوسرے یہ کہ مسلمانوں نے ملک فتح کرنے کے لیے لڑائیاں لڑیں۔ یہ دونوں چیزیں قرآنِ کریم کی بنیادی تعلیم کے خلاف ہیں۔ کسی کو زبردستی نہ مسلمان بنایا جا سکتا ہے، نہ مسلمان رکھا جا سکتا ہے اس لیے یہ سوال ہی غلط ہے کہ بزورِ شمشیر مسلمان بنایا جائے۔ باقی رہا جُوع الارض یعنی دوسروں کے ملک فتح کرنے کے لیے، تو یہ وہ فرعونی استبداد ہے جس کو مٹانے کے لیے قرآن آیا تھا۔ قرآن تو اعلان کرتا ہے کہ کسی انسان کو حق حاصل نہیں ہے کہ کسی دوسرے انسان کو اپنا محکوم اور غلام بنائے۔ تو دوسرے ممالک کو اپنا محکوم و مفتوح بنانے کے لیے جنگ، یہ قرآن کی بنیادی تعلیم کے خلاف ہے۔ اور کم از کم یہ دورِ اول جو ہے جس کے متعلق قرآن کی شہادت موجود ہے کہ وہ لوگ قرآنِ کریم کا اتباع کرتے تھے، ان کی ساری زندگی اس کے مطابق گذرتی تھی۔

ان کے متعلق تو یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے اسلام کو تلوار کے زور سے پھیلانے کے لیے یا دوسرے ممالک کو فتح کرنے کے لیے یہ لڑائیاں لڑیں تھیں۔ اور اس کی سب سے پہلی تردید سب سے پہلی جنگ کے ضمن میں ہو جاتی ہے۔ سب سے پہلے جنگ' یہی جنگِ بدر ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ غالباً اسی لیے اس کا ذکر اس شرح وبسط سے قرآنِ کریم میں آیا ہے کہ اس کی تفصیلات تک معلوم کرنے کے لیے کسی تاریخ میں جانے کی ضرورت نہیں ہے' جزئیات تک قرآن نے خود دیدی ہیں۔ اور وہ اس لیے دی ہیں کہ یہ اس قسم کے خیالات جو ذہنوں میں پیدا ہوتے ہیں خود قرآنِ کریم سے بھی ان خیالات اور شکوک کا ازالہ ہوتا چلا جائے۔ میں نے کہا تھا کہ یہ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے اور وہاں آ کے بیٹھے بھی نہ تھے ابھی' حالت بالکل پناہ گزینوں کی سی تھی' وہاں آئے تھے یہ بھی کسی بڑی مملکت کے مالک نہیں تھے۔ مدینہ میں بسنے والے کھیتی باڑی کرنے والے یہ لوگ تھے' اُنہوں نے انہیں پناہ دی۔ یہ وہاں سے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے آئے' تعداد کے اعتبار سے جنگِ بدر میں سارے جو پہنچے ہیں تو وہ تو تین سو کے قریب تھے یا تین سو بارہ۔ یہ ساری کل کائنات تھی ان کی۔ اور اُدھر سے قریش ایک لشکرِ جرار لے کر ان پر حملہ کرنے کے لیے وہاں سے اُمڈ پڑے۔ یہ تھی وہ پہلی چیز۔ اور اس مقام پہ قرآنِ کریم میں پہلی آیت جو آئی ہے وہ یہ تھی وہی سورۃ حج کی (22:39) کہ ان لوگوں کو اب اجازت دی جاتی ہے کہ یہ بھی اپنی مدافعت کے لیے میدانِ جنگ میں آ جائیں۔ جب معاملہ یہاں تک آ گیا ہے کہ یہ ان کو چھوڑ کے' وہاں سب کچھ اپنا چھوڑ کے' یہاں آ بیٹھے اور یہاں بھی ان کو زندہ نہیں رہنے دینا چاہتے تو اب شکل یہی باقی رہ گئی ہے کہ فیصلہ کن بات ہو جائے۔ قرآن نے جیسا کہ حق کو اگر غالب آنا ہے تو پھر وہ قانون کی رو سے وہ غالب آئے۔ یہ پتہ چل جائے میدانِ جنگ میں جا کر۔ اس لیے ان کو اجازت دی گئی اس جنگ کی۔ اب وہی سلسلہ آگے چل رہا ہے۔ مخالفین سے کہا جا رہا ہے' اس جنگ میں ان کو شکست ہوئی ہے اور شکست بڑی ذلت آمیز ہوئی۔ قریش کی تاریخ میں میں سمجھتا ہوں یہ پہلا موقعہ تھا کہ انہیں اس قدر عبرت ناک اور ذلت آمیز شکست ہوئی ہو۔ اب ان سے مخاطب ہو کے کہا جا رہا ہے کہ اِنۡ تَسۡتَفۡتِحُوۡا فَقَدۡ جَآءَکُمُ الۡفَتۡحُ (8:19) تم ایک فیصلہ کن جنگ چاہتے تھے یا چاہتے تھے کہ اس کشمکش کا' اس مخاصمت کا' یہ جو باہمی تنازع ہے' یہ جو تم بار بار تیرہ سال تک اس معاملے کو لے کے بڑھتے گئے ہو' تم چاہتے تھے کہ ایک فیصلہ کن حقیقت سامنے آ جائے۔ تو فیصلہ تو ہو گیا۔ میدانِ جنگ تک تم آ گئے اور اس سے آگے اور کیا ہو گا' گویا فیصلہ تو ہو گیا۔

جنگ بدر کی فتح کے بعد مفتوح قوم کو آئندہ کے لیے اپنی حرکتوں سے باز رہنے کی وارننگ

اب اس کے بعد آپ دیکھیے کہ یہ قومِ غالب ہے' انہوں نے فتح حاصل کی ہے۔ فتح حاصل کرنے کے بعد ان سے کہا جا رہا ہے جن پر فتح حاصل کی ہے کہ وَ اِنۡ تَنۡتَهُوۡا فَهُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ (8:19) اب بھی اگر تم اپنی ان حرکتوں سے باز آ جاؤ تو یہ تمہارے ہی لیے بہتر ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ یہاں یہ نہیں کہا ہے کہ اب ہم نے فتح حاصل کر لی ہے اور اب دیکھو تو سہی اب ہم کیا مزہ تمہیں چکھاتے ہیں اور ہم اب مکے پہ دھاوا بول دیں گے اور ہم تمہارا پیچھا کریں گے اور ہم تمہیں چین سے نہیں بیٹھنے دیں گے' بالکل نہیں۔ اِنۡ تَـنۡتَهُـوۡا تم ہی نے یہ یورش کی تھی' تم ہی نے یہ زیادتی کی تھی۔ بات تم نے میدانِ جنگ میں خود دیکھ لی کہ کیا کیفیت ہوئی' اگر اس کے بعد تم رک گئے تو یہ

تمہارے ہی لیے بہتر ہوگا۔قومِ غالب کی فاتح کی حیثیت سے مفتوح ومغلوب قوم سے یہ کہا جارہا ہے کہ اپنی آنکھوں سے تم نے انجام دیکھ لیا اپنی اس زبردستی کا' اب بھی اگر تم رک گئے تو تمہارے لیے بہتر ہے۔وَ اِنۡ تَعُوۡدُوۡا نَعُدۡ (8:19) ہم تو نہیں پہل کریں گے اب بھی' ہم کچھ نہیں کریں گے۔لیکن اگر تم نے پھر یہی کچھ کیا جو تم نے پہلے کیا ہے یعنی اسی طرح سے تم نے پھر چڑھائی کر دی' پھر حملہ کر دیا' پھر جنگ کے لیے آ گئے' اگر تم نے پھر اسی کو دہرایا جو تم نے پہلے کیا ہے نَعُدۡ تو ہم بھی پھر یہی کچھ کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔میں کہتا ہوں یہ اتنے سے چار لفظ جو ہیں یہ بتا رہے ہیں کہ یہ جنگیں کس قسم کی تھیں۔کہیں نہیں کہا کہ ہم اس کے بعد پہل کریں گے' یہ بھی نہیں کہا کہ یہ جو کچھ تم نے کیا ہے' اس کا انتقام لینے کے لیے کم از کم ایک انتقامی جنگ بھی اور کریں گے۔کہا یہ ہے کہ اگر تم رک گئے' تمہارے لیے بہتر ہے۔لیکن اگر تم نے پھر ایسا ہی کیا تو ہمیں مجبوراً پھر ویسا ہی کرنا پڑے گا۔تو یہ تو ساری چیز مدافعت کی آ رہی ہے۔لیکن میں مدافعت کے سلسلے میں عرض کر دوں کہ ایک مدافعانہ جنگ تو قرآن نے یہ بتائی ہے کہ دشمن خود حملہ کر کے آ جائے انہیں مٹانے کے لیے' یہ اپنی حفاظت کے لیے یہ جنگ کریں' یہ بھی مدافعانہ جنگ ہے۔اور اس کے بعد ایک اور ہے مقام جہاں جنگ کی اجازت ہی نہیں دی' یہاں جنگ کی اجازت دی ہے صرف' وہاں جنگ کو فریضہ قرار دیا ہے۔واجب ہو جاتی ہے جنگ' وہ کیا ہے۔

ہجرت کے سلسلہ میں مکہ کے اندر باقی رہ جانے والے کی حالتِ زار پر قرآن حکیم کا اہل مدینہ کو مدافعت کا حکم

یہ لوگ تو ہجرت کر کے مدینے آ گئے۔صورت یہ تھی کہ بہت سے ابھی مسلمان مکے میں باقی رہ گئے۔وہ ہجرت بھی ان کو نہیں کرنے دی تھی' ان لوگوں نے ان کو روک لیا تھا۔اکثر یہ بھی تھا کہ مرد یہاں آ گئے ان کے خاندان والے وہاں رہ گئے' بیویاں رہ گئیں' بچے وہاں رہ گئے۔اب یہ ان کے ہاتھوں یہاں تو پٹتے تھے اور ان پہ بڑے سخت مظالم توڑتے تھے۔اس کے متعلق قرآنِ کریم نے یہ کہا ہے جب ان لوگوں کو مدینے میں کچھ طاقت حاصل ہوگئی تو انہیں یہ کہا ہے قرآن نے کہ اے مسلمانو! تم سنتے نہیں ہو کہ مکے میں رہ جانے والے ضعیف اور ناتواں مسلمان' ان پر کس قدر مظالم توڑے جا رہے ہیں' وہ فریادیں کر رہے ہیں بار بار۔خدا کہتا ہے کہ وہ ہم سے یہ کہہ رہے ہیں کہ یا اللہ ہماری کچھ مدد کر اس ظالم بستی سے ہم کو نکال لے یا کوئی ہمارا حمایتی اور مددگار مقرر کر دے جو ہماری یہاں حفاظت کر سکے۔مکے کے مظلوم مسلمان خدا سے یہ فریاد کرتے ہیں اور خدا یہ کہہ رہا ہے مدینے کے مسلمانوں سے کہ تم یہ فریاد سنتے نہیں وہ جو ہم سے کر رہے ہیں' تم کیوں نہیں ان کی حفاظت کے لیے اٹھتے (4:75)۔

جنگ کے سلسلہ میں دو اہم پہلوں کی وضاحت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے

اب یہ دوسری چیز آ گئی' یہاں جنگ کو فرض قرار دیدیا کہ اگر اس کی قوت حاصل ہے تمہیں تو جہاں بھی مظلوم کی آواز اٹھے اور وہ مدد کے لیے پکارے تو وہاں ان کا ان کی حفاظت کے لیے جنگ کرنا فرض ہو جاتا ہے۔جنگ یہ بھی آپ دیکھیں گے تو مدافعانہ ہی ہے یہ بھی Defensive ہی ہے لیکن یہ Defense اپنی نہیں ہے بلکہ مظلوم کی مدافعت اور حفاظت کے لیے ہے۔تو گویا دو چیزیں قرآن

نے بتا دیں ایک تو یہ کہ خود تمہاری ہستی کی مدافعت کے لیے جنگ اگر ناگزیر ہو جائے' تم پر تھوپ دی جائے تو پھر اس وقت تمہیں اجازت ہے کہ تم بھی اپنی مدافعت کے لیے جنگ کرو۔ اور دوسرا مقام یہ ہے کہ اگر تم میں اتنی استطاعت ہے اور مظلوم کی کہیں سے آواز آتی ہے' فریاد آتی ہے کہ ہم پہ بڑے مظالم ہو رہے ہیں' ہمارا کوئی حامی اور مددگار نہیں' ہماری مدد کے لیے کوئی آئے' تو اس وقت یہ مملکت اسلامیہ کے لیے فریضہ ہو جاتا ہے کہ وہ ان کی مدافعت کے لیے اور حفاظت کے لیے جنگ کے لیے اٹھ کے تیار ہو جائیں۔ صدرِ اول میں جتنی جنگیں ہوئی ہیں عزیزانِ من! وہ انہی دونوں مقاصد کے لیے تھیں' یا اپنی حفاظت کے لیے کہ جہاں دوسرے ان کو مٹانے کے لیے آ گئے تھے اور یا مظلوموں کی حفاظت کے لیے کہ جہاں انہوں نے انہیں آواز دی تھی۔

قرآن حکیم کی کوئی آیت منسوخ نہیں

اب یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں کہ جو وقتی اور ہنگامی نہیں تھیں۔ یہ چیز نہیں تھی کہ کسی وقت کے لیے قرآنِ کریم کے یہ احکام تھے اور اس کے بعد یہ احکام منسوخ ہو گئے۔ نہ تو قرآن نے انہیں منسوخ کیا اور چونکہ قرآن تو آخری شریعت ہے۔ نبی اکرم ﷺ آخری نبی ہیں اس کے بعد تو کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ قرآن کے ان غیر متبدل' آخری احکامات کے متعلق کہے کہ یہ منسوخ ہو گئے ہیں۔ نہ ہی یہ چیز ہے کہ یہ ایک وقتی چیز تھی جہاد کی اور جدال کی' وہ ہنگامی دور چلا گیا ہے یہ وہاں مدینے اور مکے کی زندگی کے متعلق احکام تھے' قطعاً نہیں' یہ ابدی احکام ہیں۔ جب اور جہاں بھی ایسے حالات پیدا ہونگے کہ وہ کوئی قوم' کوئی مملکت ان کی ہستی کو مٹانے کے لیے اٹھے گی اس مدافعت کے لیے جنگ ضروری ہو جائے گی یا دنیا میں کہیں بھی مظلوم کی آواز اٹھے گی۔ اور کہیں بھی پہ میں جو زور دے رہا ہوں تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ صرف مسلمان ہی آپ کو مدد کے لیے پکاریں تو آپ جائیں گے۔ مظلوم دنیا میں کہیں بھی ہو کسی قوم کا ہو' کسی ملک کا ہو' کہیں بھی مظلوم کی آواز اگر وہ اٹھے گی اس کی حفاظت کے لیے' آپ کو اپنی جان دیدینا اور اس کے لیے جنگ کرنا قرآن کی رو سے واجب قرار پاتا ہے' فریضہ قرار پاتا ہے۔ اس فریضہ کے لیے قرآن نے جو الفاظ استعمال کیے ہیں وہ عجیب ہیں کہ مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے سنتے نہیں ہو کہ وہ مظلوم ہمیں کس طرح سے پکار پکار کر مدد کے لیے فریاد کر رہے ہیں' تم اٹھتے ہی نہیں ہو۔ بڑی سختی سے یہ بات کہی گئی ہے۔ لہٰذا یاد رکھیے یہ اسلامی جنگیں جو ہیں اس کو مدافعانہ آپ کہیں گے' یہ ٹھیک ہے Defensive ہیں لیکن صرف اس معنی کے اندر کہ یا تو تمہاری ہستی کو مٹانے کے لیے کوئی اس طرح سے زبردستی تم پر آ کے حملہ کرے یا حملہ نہ بھی کرے تو ایسے حالات پیدا کرے کہ تمہاری اپنی ہستی ضعف میں آ جائے' کمزوری میں آ جائے' تزلزل میں آ جائے۔ ایسے حالات بھی اگر پیدا کرے' ضروری نہیں کہ وہ جنگ کے لیے چڑھ دوڑے' ایسے حالات پیدا کرے تو اس کے لیے اپنی حفاظت اور مدافعت کے لیے بھی جنگ کی اجازت ہو گی۔

قرآنِ حکیم کا فلسفہ حیات دنیا کی ہر مظلوم قوم کا تحفظ کرنا فرض قرار دیتا ہے

دوسری چیز یہ کہ دنیا میں کہیں بھی مظلوم تمہیں اپنی مدد کے لیے پکارے' فریاد کرے اور خدا نے جو کہا ہے کہ وہ تمہیں نہیں پکار رہا وہ تو ہمیں پکار رہا ہے اور یہیں سے یہ پتہ چل گیا کہ خدا کو جب کوئی پکارتا ہے تو خدا اس کی مدد کو کیسے پہنچتا ہے۔ کیا مشکل تھا خدا کے لیے کہ ان

فریادیوں کی فریاد سن کے اپنے طور پہ انتظام کر دیتا کہ وہاں مکے والے جو ہیں ان کے اوپر یہ جور وستم نہ کریں۔ وہ جو آسمان سے کہتے تھے کہ وہ فرشتے آ کے اور لڑتے تھے اور وہی فتح کر جاتے تھے' یہ مکے میں کیوں نہیں بھیجے اللہ تعالیٰ نے فرشتے' یعنی وہاں تو اور زیادہ ضرورت تھی۔ بدر کے میدان میں تو پھر بھی بہر حال کم ہی سہی پھر بھی تین سو کے قریب تو مقابل میں موجود تھے' مکے میں تو ایک بھی نہیں تھا ان کی حفاظت کے لیے سپاہی' وہاں تو اور بھی زیادہ ضرورت نظر آتی تھی کہ براہِ راست آسمان سے فرشتے آ جاتے اور ان کی حفاظت کرتے۔ ان کی حفاظت کا احساس جو ہے (میں لفظ احساس کہہ رہا ہوں خدا کے لیے تو یہ الفاظ نہیں استعمال ہوتے) اس کا احساس تو اتنا شدید ہے لیکن اس کے لیے براہِ راست وہاں سے فرشتے نہیں بھیجے جاتے' کوئی سفید گھوڑیوں والے' سبز عماموں والے نہیں بھیجے جاتے۔ کہا کیا جاتا ہے وہاں' کہا جاتا ہے اے مملکتِ اسلامیہ! کہ جو مدینے میں ہے کہ تم کیوں نہیں اٹھتے ان کی مدد کے لیے' سنتے نہیں ہو کہ وہ ہمیں کس طرح پکار رہے ہیں۔

خدا کو پکارنا اس کے قانون کو پکارنا ہوتا ہے

عظیم آیت ہے عزیزانِ من! یہ قرآن کی اور بڑے بڑے اہم مسائل کو حل کر دیتی ہے یہ۔ یوں خدا کی مدد ملتی ہے۔ جو خدا کو پکارتا ہے اس پکار کے اوپر خدا کی طرف سے مدد دینے والی ایک جماعت ہونی چاہیے دنیا کے اندر موجود۔ یہ جو روز کہتے ہیں نا کہ صاحب ظالم کا ہاتھ کیوں نہیں خدا روک لیتا وہ خدا کس قسم کا عادل ہے۔ چاہتے تو یہی ہیں نا کہ مظلوم کے اوپر جو ظلم کرتے ہیں وہ ہاتھ اٹھائے تو وہ ہاتھ اسی وقت وہاں پتھر کا بن جائے' وہ تلوار اٹھائے تو وہ تلوار کند ہو کے رہ جائے۔ خدا کیوں نہیں ایسا کر دیتا۔ یہاں خدا نے بتایا ہے کر سکنے کو تو وہ قادرِ مطلق ہے وہ کیا نہیں کر سکتا لیکن وہ یہ کرتا نہیں ہے۔

قرآن حکیم کے نزدیک انسانی زندگی کو احسن طریق سے سرانجام دینے کے لیے ایک نظام کے تحت ایک امت کا ہونا ضروری ہے

اس کے لیے ایک اس نے نظام بنا رکھا ہے اس نظام کی رو سے یہ ایک امت' یہ ایک جماعت یہ دنیا میں اس کی موجودگی نہایت ضروری ہے۔ وہ اس قسم کی مظلومیت کے خلاف جو مدد دیتا ہے اس جماعت کے ذریعے سے مدد دیتا ہے۔ جب یہ جماعت دنیا میں نہیں رہتی تو پھر ظلم کو روکنے والا کوئی نہیں رہتا۔ انسانی معاملات کے اندر خدا براہِ راست Interfere نہیں کرتا۔ اور یہ بڑی چیز ہے عزیزانِ من! اتنے بڑے لامتناہی اختیارات کا مالک خدا' یہ سارا کچھ وہ دیکھ بھی رہا ہے یہ بھی ضروری بات ہے کہ اس کو پسند نہیں' پسند ہوتا تو مظلوم کی آواز پہ یہ کیوں کہتا۔ وہ اس سے اس کا دل بھی پسیجتا (پھر بھی میں یہی کہہ رہا ہوں الفاظ خدا کے لیے) دل بھی پسیج رہا ہے مظلوم کی آواز کے اوپر' سب کچھ کر سکتا ہے اس کے تو ایک کُن کہنے سے ساری کائنات وجود میں آ گئی تھی عزیزانِ من! وہ کیا نہیں کر سکتا تھا۔ وہ پکار رہے ہیں' خود نہیں کچھ کر رہا' مدینے کی مملکت کو کہہ رہا ہے کہ تم سنتے نہیں ہو کہ وہ ہمیں پکار رہے ہیں' اٹھتے کیوں نہیں ہو۔ یہ حل ہو گیا مشکل ترین مسئلہ کہ اس قدر ظلم بڑھ رہا ہے' مظالم ہو رہے ہیں' ناانصافیاں ہو رہی ہیں' دھاندلیاں ہو رہی ہیں' وہ کیسا ہے خدا تمہارا یہ کرتا ہی

نہیں ہے۔

قرآن حکیم کو اگر سمجھنا مقصود ہو تو مناظروں سے نہیں بلکہ اسے حقائق سے سمجھئے

بات تو وہ ہے ذرا یونہی تھوڑی لطیفے کی سی لیکن وہ اسی مسئلے کو حل کر دیتی ہے۔ آج سے کوئی پچاس برس پہلے مناظرے بڑے ہوا کرتے تھے۔ عیسائی خاص طور پہ آیا کرتے تھے مناظرہ کرنے کے لیے' اب تک یاد ہے ہمیں۔ وہ عیسائی نے مسلمان مناظر کے خلاف اعتراض کیا کہنے لگے تم کہتے ہو رسول ہمارے خدا کے محبوب تھے اس رسول کا محبوب نواسہ کربلا کے میدان میں اس طرح سے ظالموں کے ہاتھوں سے شہید ہو گیا اور تمہارے خدا نے کچھ نہ کیا اس کے لیے اور تمہارے رسول نے بھی جا کے اپنے خدا سے نہ کہا کہ اس کی مدد کو پہنچے۔ میں کہہ رہا ہوں بات یہ لطیفے کی ہے' فساد نہ اسے سمجھ لیجیے گا لیکن میں عرض کر رہا ہوں کہ کس طرح سے یہ Approach تھی اس قسم کی۔ تو تمہارے خدا نے کچھ بھی نہ کیا اس کے لیے' تمہارا رسول بھی خدا کے پاس نہ گیا کہنے کے لیے۔ اُس نے اٹھ کے کہا مناظر نے کہ رسول ہمارا گیا تھا خدا کے پاس' اس نے جا کے کہا تھا کہ تم دیکھ نہیں رہے ہو میرا اتنا عظیم نواسہ ہے اور ظالموں کے ہاتھوں سے اس طرح سے یہ ہو رہا ہے اور تم اس کی مدد کو نہیں پہنچ رہے۔ تو اس نے' خدا نے آنکھوں پہ سے رومال اٹھایا تو دیکھا وہ رو رہا تھا' اُنہوں نے کہا کہ کیا بات ہے' کہنے لگے کہ میرے اکلوتے بیٹے کو پھانسی پہ چڑھا دیا' کچھ نہیں کیا تم نواسے کو پکار رہے ہو۔ عزیزانِ من! میں نے کہا ہے نا یہ مناظرے نہیں لطائف ہوتے تھے' حقائق نہیں ہوا کرتے تھے۔ بعض اوقات اس میں بات بڑی پتے کی ہوتی تھی۔

کائنات کی پستیوں اور بلندیوں کا ایک ایک ذرہ غیر متبدل قانون کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے

اس کائنات کو وجود میں لانے کے بعد قوانین بنا دیے' اصول دیدے اب اس کے اندر وہ کہتا ہے Interfere نہیں کرتا اور وہی اس کی خدائی ہے۔ ایسا ہی خدا خدا ہونا چاہیے۔ یہ جو چیز ہے کہ وہ مظلوم بچے جو دہائی دے رہے ہیں تم نہیں پہنچتے' کیوں نہیں پہنچتے ان کی مدد کے لیے۔ یہ ہے سارا راز۔

عزیزانِ من! دنیا سے اگر آپ نے مظالم ستم جور استبداد دھاندلیاں مٹانی ہیں تو اس کے لیے ایک جماعت موجود رہنی چاہیے کہ جہاں سے مظلوم کی فریاد اٹھے' وہاں جا کے سینہ سپر ہو کے کھڑے ہو جائیں۔ اور پھر میں نے تو یہ کہا ہے کہ وہ کسی قوم کا ہو' کسی مذہب کا ہو یہ میرا اجتہاد یہ میری دلیل نہیں ہے۔ آپ نے دیکھا پہلی آیت یہاں جنگ کی اجازت دی گئی ہے اس جنگ کی اجازت میں یہ کہا تھا وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ (22:40) اگر خدا ایسا انتظام نہ کرے دنیا میں کہ ایک جماعت کے ہاتھوں دوسری جماعت کی مدافعت کرے' اگر وہ ایسا انتظام نہ کرے دنیا میں تو نہ ہندوؤں کا مندر باقی رہے' نہ یہودیوں کا صومعہ باقی رہے' نہ عیسائیوں کا گرجا' نہ مجوسیوں کا آتش کدہ' نہ مسلمانوں کی مسجد۔ تو یہ جو چیز ہے نا کہ وہ یہودیوں اور عیسائیوں کے معبدوں اور مجوسیوں کے معبدوں کی حفاظت کے لیے یہ کہتا ہے اس سے میں نے کہا تھا کہ مظلوم کی آواز کہیں سے آئے۔

ملتِ اسلامیہ کے لیے جہاد کی اہمیت اور اس کی نوعیت

پھر میں عرض کرتا ہوں جیسا میں نے پچھلی دفعہ بھی کہا تھا' مذاہب عالم کی ساری کتابیں آپ کے پاس موجود ہیں' کم از کم میری نظر سے تو وہ ساری گذر چکی ہوئی ہیں' کسی ایک کتاب میں آپ اس کے مطابق ایک آیت بتایئے کہ خدائے واحد جو اپنی توحید کی تعلیم دے رہا ہے' وہ توحید پرستوں سے کہہ رہا ہے کہ ان بت پرستوں کے بت کدے کو بھی ڈھانے کے لیے کوئی آئے تو جان دیدو اس کو بچانے کے لیے۔ اللہ اکبر۔ یہ دین' یہ خدا اس کے متعلق یہ چیز کہا جائے کہ صاحب انہوں نے یہ بزورِ شمشیر یہ کچھ کیا' سب کچھ کیا۔ اور پھر وہ خدا اس قسم کی ہدایتیں دینے والا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ کونسا وہ وقت آ سکتا ہے کہ جس میں اس مملکتِ اسلامیہ یا اس امتِ اسلامیہ کو جو جہاد اور جنگ کا حکم دیا گیا تھا' اسے منسوخ سمجھا جائے۔ یہ تو عجیب سازش تھی انگریز کی جو یہاں اس نے آ کے کی' اس کو ڈر تھا یہاں مسلمانوں کا۔ وہ؟؟؟ کے بعد یہاں جو وہابی یونین جسے کہتے ہیں وہ اٹھی تھی' اس یونین نے یہ چیز کہی تھی کہ ان کے خلاف جہاد فرض ہو گیا ہوا ہے۔ یہ ایک عام یہاں رو چلی ہوئی تھی۔ اور پھر ان کے خلاف جو کچھ کیا ہے انگریز نے' وہ ہمارے سامنے ہے۔ یہ جو یہاں آواز اٹھی تھی' انگریز کو پتہ تھا کہ اگر یہ مسلمانوں میں عام ہو گئی ہم یہاں ٹک نہیں سکتے۔ اُسے پتہ تھا ان سلسلوں کا کہ اس جہاد کی آواز کے اوپر کیا کچھ نہیں کر گذریں گے۔ یہ خطرہ تھا ان کو کہ یہاں ہم ٹک نہیں سکیں گے اور یہ وہ خطرہ تھا انگریز کا کہ جس کو مٹانے کے لیے یہاں' ایک اس کے بالکل برعکس' یہاں اس نے مہم چلائی کہ جہاد کو حرام قرار دیدیا جائے۔ ورنہ قرآن کی موجودگی میں یہ جو چیز ہے یعنی دین کو پھیلانے کے لیے جسے آپ کہتے ہیں' مسلمان کرنے کے لیے تو پہلی چیز ہے جو قرآنِ کریم کسی ایک فرد کو زبردستی مسلمان نہیں کرنا چاہتا۔

جہاد کا قدم اوّل ہر کسی مظلوم کی حفاظت ہے

لیکن جہاد تو ایک ایسی چیز ہے یہ تو انسانیت کی رگِ حیات میں خونِ زندگی ہے حقیقت میں' ساری زندگی جدوجہد کا نام ہے۔ اسی کے اندر ایک مقام ایسا آ جاتا ہے جہاں بلند اقدار اور حق کی حفاظت کے لیے جان دیدینا یہ فرض قرار پا جاتا ہے صاحب۔ اور جسے حق کی حفاظت کہا ہے' مظلوم کی حفاظت ہے اس کے معنیٰ' سب سے پہلی چیز۔ مظلوم کی حفاظت کے لیے کہیں سے آواز آئے اس کے لیے جان دیدینا اٹھ کے اور جنگ کرنا یہ ہے مسلمان کا فریضہ۔ اب یہاں یہ بات کہہ دی گئی ان سے جن کے اوپر فتح حاصل کی تھی مسلمانوں نے بدر کے میدان میں' ان قریش کو یہ کہہ دیا گیا کہ تم نے دیکھ لیا لڑ کے بھی' یہ بھی آخری حسرت تمہاری نکل گئی۔ جاؤ اب ایسا نہ کرنا' دوبارہ کرو گے تو پھر نقصان اٹھاؤ گے اور اگر تم نے ایسا کیا تو یاد رکھو ہم بھی ویسا کریں گے۔ یہاں پھر یہ نہیں کہا کہ تم ایسا نہیں کرو گے تو ہم نہیں کریں گے۔ وَ لَنۡ تُغۡنِیَ عَنۡکُمۡ فِئَتُکُمۡ شَیۡئًا وَّ لَوۡ کَثُرَتۡ (8:19) اور یہ بھی تم نے دیکھ لیا تم اپنے افراد کی تعداد کی کثرت کے اوپر کہ ہم بڑی تعداد میں' ہمارا جتھہ بہت بڑا ہے' ہمارے پاس فوج بہت بڑی ہے' اس سے تمہیں ایک ناز ہو گیا تھا' فخر ہو گیا تھا' تم اس بھول میں رہے تھے۔ تم نے یہ دیکھ لیا کہ جو جماعتیں اس مقصد کو لے کے اٹھتی ہیں وہ تھوڑی بھی ہوتی ہیں تو بڑی جماعت کے اوپر غالب آ جاتی ہیں۔ اس لیے تمہیں یہ چیز بھول میں نہ ڈالے کہ تم اکثریت میں ہو' تمہاری تعداد بڑی زیادہ ہے' لشکر بہت بڑے بڑے تمہارے پاس ہیں'

اس لیے تم غالب ہی آتے رہو گے' یہ بات بھی نہیں ہوگی۔ اس لیے کہ وَ اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ (8:19) یہ ہے اصل چیز۔ تمہارے پاس یہ افراد زیادہ ہوتے ہیں' لشکر کی تعداد بھی زیادہ ہوتی ہے لیکن دوسری طرف تعداد میں تو یہ کم ہوتے ہیں' ان کے پاس ایک حمایتی ہوتا ہے۔ اور آج بھی آپ دیکھتے ہیں کہ جہاں جہاں بھی کہیں کوئی جنگیں ہوں دو قوموں کے اندر آپس میں مخالفت ہو رہی ہو' دشمنی ہو رہی ہو' دیکھا جاتا ہے فلاں قوم کے پیچھے کون ہے ان کا حمایتی۔ یہ بھارت اتنا بپھرا ہوا کیوں ہے' کہ صاحب رشیا جیسی مملکت کے ساتھ اس نے ایک کٹھ کر رکھا ہے یعنی پیچھے جو اس کے ایک مددگار ہے۔ آج اس دور میں بھی یہ کیفیت ہے تو اس زمانے میں تو یہ خود جو چھوٹی چھوٹی مملکتیں تھیں' ان کے پیچھے کسی کا ساتھ ہونا ضروری تھا۔ کہا یہ کہ تمہاری کثرت ہے تعداد کی' اس میں کوئی شبہ نہیں' یہ تھوڑے بھی ہیں۔ لیکن ان کی ایک Advantageous Position یہ ہے کہ انہوں نے ایک اتنی بڑی قوت سے معاہدہ کر رکھا ہے کہ ایسے وقت میں وہ ان کی مدد کے لیے آ جاتی ہے قوت' اور وہ کونسی ہے' وہ خدا کی قوت ہے۔ میں چیز بار بار یہ عرض کر چکا ہوں جسے کہا ہے کہ خدا ساتھ ہوتا ہے' ابھی یہ بات ہمارے سامنے آ گئی کہ وہ براہِ راست تو خود آ کے تو نہیں کچھ کرتا۔ ابھی بات یہ آ گئی کہ وہ کرتا تو مکے کے کمزور تھے ان کی فریاد پہ خود کیوں نہ پہنچا۔ یہ جو خدا کا ساتھ ہونا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ خدا کے دیے ہوئے اصول' اقدار' قوانین کے تابع یہ کچھ کرتے ہیں اور یہ بڑی قوت ہوتی ہے۔ جہاں بھی خدا کی قوت اور نصرت ہے

قوانین خداوندی کی راہنمائی انسانی نفسیات میں ایک انقلابِ عظیم پیدا کرنے کا باعث بنتی ہے

عزیزانِ من! یاد رکھیے وہ براہِ راست یونہی نہیں بیٹھے بیٹھے مل جاتی' نہ دعائیں کرنے سے کچھ ہو جاتا ہے۔ یہ ہوتی ہے ان قوانین کے تابع زندگی بسر کرنے سے۔ اور یہ تو آپ جانتے ہیں کہ ایک قانون کے تابع اور قانون ہو وہ صحیح۔ اس کے مطابق اگر Disciplined Life ایک اختیار کی جائے۔ اس کے اندر ایک قوت ہوتی ہے جو افراد کی تعداد کا جو حاصل جمع ہوتا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ یہ ایک عجیب فلسفہ ہے جس کا حل نہیں آج تک مل سکا۔ ایک فرد کا کوئی معیار مقرر کیجیے' اسی قسم کے دس آدمی ہوں' دس سے ضرب دینے سے وہ آ جائے گی نا۔ یہ سائیکولوجی آف موب کا ایک مسئلہ ہے کہ وہ دس سے ضرب دینے سے بھی نہیں ہوتی' وہ کتنی ہی گنا بڑھ جاتی ہے۔ ''او جیہڑا کیندے نیں اک کلاتے دو یاراں''۔ اس کا ایک نفسیاتی اثر ہوتا ہے۔

قرآن حکیم کے بیان کردہ اصولوں کی بنیاد پر حاصل ہونے والی استقامت کی نوعیت دس گنا زیادہ بڑھ جاتی ہے

یہ تھا وہ نفسیاتی اثر جسے قرآن نے نزولِ ملائکہ کہا تھا کہ ان کے قلوب میں آ کے وہ اطمینان دے گا' ان کے قدموں کو جما دے گا' استقامت ہوگی۔ بلند اقدار تو بڑی چیز ہیں' چھوٹے پیمانے پہ بھی قاعدے قانون اور Discipline کے مطابق زندگی بسر کرنے سے قوت اب بھی 80,70 کی لائف میں اور..... کی لائف میں دیکھ لیتے ہیں۔ ہمارے ہاں ہجوم ہوتا ہے' ان کے مقابلے میں ان کی ایک ٹکڑی چلی آ رہی ہے سڑک کے اوپر۔ وہ ایک خاص قاعدے سے لیفٹ رائٹ کرتی ہوئی' ان کے اندر ایک ہم آہنگی ہوتی ہے۔ اس ہم آہنگی کا

ایک ہول بیٹھ جاتا ہے سننے والوں کے اوپر۔ اور پھر جس وقت وہ اپنے خاص ڈسپلن کے تابع' اپنے ہاں نقل وحرکت کرتے ہیں' مقابلے میں آتے ہیں۔ یہ ہجوم جو آپ کے سامنے ہے' بھیڑیں بن کے بھاگ جاتا ہے سامنے سے۔ تعداد کے اعتبار سے تو یہ ان سے دس گنا زیادہ ہوتا ہے' سو گنا زیادہ ہوتا ہے وہ دس آدمی آ کے ان کو آگے لگا لیتے ہیں۔ یہ ہے قاعدہ اور قانون۔

جان دینے کی خاطر دل و دماغ کی ہم آہنگی کی قوت تو دس آدمی سو پر بھاری ہوتے ہیں

اور ابھی میں نے عرض کیا ہے کہ یہ تو ابھی صرف Physical Discipline کی بات ہے۔ وہ قلوب کے اندر اگر وہ چیز ہم آہنگی کی پیدا ہو جائے اور اس بلند مقصد کے لیے جان دینے میں وہ حیاتِ ابدی سمجھ لیں' اس قسم کے دس آدمی جو ہیں یقیناً سو کے اوپر بھاری ہو جائیں گے۔ یہ ہے وَ اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ (8:19) اور یہ تھی وہ چیز عزیزانِ من! ہم تو نہیں آج سمجھے' اس دور کے مشرکین اور کفار کیسے سمجھے تھے اس بات کو' حیرت ہوتی ہے۔ ایران فتح ہوا اس کا سب سے بڑا گورنر ہرمزان پابجولاں حضرت عمرؓ کے سامنے آ گیا قیدی کی حیثیت سے۔ تفصیل میں نہیں جانا چاہتا یہ وہاں کا جو شہنشاہ تھا' یہ اس سے بھی زیادہ زبردست شخص تھا۔ یہ تھا اس کی شکست کے بعد بھی جو لڑتا رہا تھا۔ اس حالت میں یہ آیا پابجولاں' حضرت عمرؓ نے اس سے پوچھا کہ ہرمزان یہ بتاؤ کہ اس سے پہلے حالت یہ تھی کہ تم ایرانی عربوں کے ساتھ جنگ کرنا بھی وجہِ ذلت سمجھتے تھے اور تمہاری قوتوں کا یہ عالم تھا کہ ایک چھوٹی سی ٹکڑی تمہاری آ جاتی تھی یہ عرب بیچارے کھڑے ہی نہیں ہو سکتے تھے تمہارے سامنے۔ کبھی ہوا ہی نہیں ہے کہ تمہیں شکست ہو جائے' یہ اب کیا ہو گیا کہ اتنی بڑی تمہاری مملکت' اتنی بڑی سلطنت' اتنے ساز و سامان' اتنا اسلحہ' اتنی سپاہ' یہ تو پھر یہی تھوڑے سے تھے اور یہ جو گئے ہیں' پھر مارتے مارتے ایران کی ساری مملکت فتح کر لی انہوں نے صاحب۔ عظیم چیز تھی۔ اس سے پوچھا کہ ہرمزان بات کیا ہے یہ' پھر یہ تبدیلی کیوں آئی ہے۔

حضرت عمر فاروق کے سوال پر ہرمزان کا ایک بصیرت افروز شکل میں اعترافِ حقیقت

عزیزانِ من! الفاظ یہ سن لیجیے اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ یہ یاد رکھیے گا لفظ کہ مؤمنوں کے ساتھ اللہ ہوتا ہے۔ ہرمزان نے کہا کہ عمرؓ بات بڑی صاف سی ہے۔ اس سے پہلے جب جنگ ہوتی تھی تو ایک طرف ایرانی ہوتے تھے' ایک طرف تم لوگ عرب ہوتے تھے۔ دو قوموں کے اندر یہ جنگ ہوتی تھی ہمارے پاس یہ سب کچھ زیادہ تھا' ہم مار لیتے تھے۔ اب جو جنگ ہوتی ہے تو ایک طرف تنہا ایرانی ہوتے ہیں' دوسری طرف عرب اور ان کا خدا ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ عربوں کو تو ہم مار سکتے ہیں' ان کے خدا کو کون مار سکتا ہے۔ اللہ اکبر۔ اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اس شخص نے کہا ہو گا صاحب عربی زبان میں۔ ''اے ہن دو گیارہ بن گئے' کلائیں ریا''۔ یہ تھا جو اس نے جواب دیا تھا یہ لوگ تھے جو اس کی تہ تک پہنچے تھے کہ اب ہمیں شکست پہ شکست اور انہیں فتح پہ فتح کیوں ہو رہی ہے۔ اضافہ اتنا ہی تھا عزیزانِ من!۔

آج مراکش سے انڈونیشیا تک ملتِ اسلامیہ کا وہ بحیرِ ذخار جس کا انگ انگ دوسروں کے رحم وکرم کا رہین منت ہے

اس کے بعد پھر اگلی بات آج آ گئی کہ روز کا رونا جو ہمیں یہ ہو رہا ہے کہ اتنی تعداد ہماری ستر کروڑ مراکش سے لے کے انڈونیشیا تک ایک بحرِ ذخار ہمارا ہے' جغرافیائی پوزیشن ایسی کہ کسی قوم کو اور دنیا میں حاصل نہیں ہے۔ یہ سب کچھ ہوتے ہوئے جہاں کہیں دو مسلمان اس دنیا میں ملتے ہیں وہ اپنی حالت کا رونا روتے ہیں۔ یہ کیا ہوا ہے' ہوا یہ ہے کہ اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ان کے ساتھ خدا نہیں رہا۔ طبعی قوتیں ان لوگوں نے زیادہ حاصل کر لیں۔ تسخیرِ فطرت سے' تسخیرِ کائنات سے یہ کچھ انہوں نے کیا نہیں' ان کے مُلا نے ان کو ثواب کی خاطر آخرت کے اوپر نگاہیں ان کی رکھیں۔ دنیا کو ذلیل ان کے لیے قرار دیا مردار قرار دیا' یہاں سے نفرت پھیلائی اس کے۔ ہزار سال کی یہ تعلیم جو سازش ہوتی چلی آ رہی ہے وقت آیا تو کبھی میں اس سازش کی تاریخ آپ کے سامنے پیش کرونگا۔ خاص سازش کے ماتحت یہ چیزیں ان کے اندر ہونی شروع ہو گئیں صاحب کہ سارا ان کا مکر اس دنیا کو ان کی نگاہوں میں ذلیل اور نفرت انگیز ثابت کرو۔ بڑا گہرا اثر ہوتا ہے نفسیاتی ان چیزوں کا۔ اور دوسری قومیں جو ہیں وہ چاند پر کمندیں ڈال رہی ہیں۔ یہ آج تک ان کو سمجھایا جاتا رہا ہے کہ انگلی کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہو گیا تھا۔ یہ کیا اور وہ جو ان کے ساتھ خدا ہوتا تھا تو اس کے بعد خدا تو باقی نہ رہا' یعنی یہ مقامِ آدم پہ ہی نہیں' ملائکہ ان کے سامنے نہیں جھک رہے تو خدا ان کا ساتھ کیا دے گا۔ میں کہہ یہ رہا تھا کہ راز یہ تھا ان کا وَ اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ۔

خدا کے ساتھ تعلق اس کی کتاب سے ہی وابستہ ہے اور وہ کتاب اللہ کا نظام ہے جسے عملاً متشکل کرنا ہوگا

پھر دہرا دوں خدا کی معیت جو ہے یاد رکھیے وہ تصور آپ کے ہاں مقربین کے' یہ ساری سازش کے تابع آئے ہوئے ہیں صاحب۔ مَعَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ جماعتِ مومنین کے ساتھ خدا ہوتا ہے۔ خدا کا ہونا یہ ہے کہ وہ اپنا نظام خدا کی کتاب کے مطابق قائم کریں۔ سن رکھیے عزیزانِ من! پتہ نہیں زندگی میں یہ وقت آئیں یا نہیں۔ ایک ہی بات ہے خدا کے ساتھ ہمارے تعلق کی' ایک ہی چیز ہے خدا کی اطاعت کی' ایک ہی چیز ہے خدا کے ساتھ ہونے کی اور وہ صرف اس کی کتاب ہے' قرآنِ کریم ہے۔ کوئی براہِ راست تعلق نہیں اس کے کلام کے سوا' یہ ہم سے باتیں کرتا ہے اس لیے اس کو کلام اللہ کہا ہے۔ اسی میں وہ اپنی ہدایتیں دیتا ہے اسی قانون کے تابع زندگی بسر کرنا سکھاتا ہے۔ جو اس کے مطابق کرتے ہیں ان کے ساتھ وہ ہوتا ہے۔ اور یہ چیز ایک نظام کی ہے' ایک جماعت کی ہے' یہ انفرادی نہیں ہے یہ Subjective نہیں ہے' یہ پرائیویٹ نہیں ہے' ایک نظام ہے۔ اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ (8:19) اب بات آگے آئی کہ پھر مسلمان خوش ہو گئے نا کہ صاحب ہمارے ساتھ تو ہمارا رب ہے۔ سیاں بھئے کوتوال اب ڈر کاہے کا۔ کہا کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ خدا تمہارے ساتھ ہے' تمہیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ عزیزانِ من! قرآن ہے سانس ابھی نہیں ختم ہوا اس آیت کا تو کہا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ (8:20) یہ نہ سمجھ لینا کہ خدا ساتھ ہے اور بس' بالکل نہیں۔ اطاعت کرنی ہوگی تمہیں اللہ اور رسول کی۔ سوچا آپ نے کس طرح خدا ساتھ ہوتا ہے۔

دواڑھائی سو سال بعد اکٹھی کی گئیں روایات کو نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب کر دیا گیا

اب یہاں سے پھر ایک سازش ہوئی۔ یہ اطاعت کس طرح سے ہے۔ انہوں نے کہا کہ صاحب دیکھیے نا ایک اللہ کی اطاعت ہے' ایک رسول کی اطاعت ہے۔ دو اطاعتیں ہو گئیں۔ اللہ کی اطاعت جو ہے ٹھیک ہے جی قرآن شریف سے ہے' یہ تو ہوا کہ ہر چیز پر 786 لکھا جاتا ہے۔ عملاً نیچے تین سو سال کے بعد آ کے یہ روایات کے ڈھیر لگے پھر اور اسکے بعد کہا گیا کہ رسول کی اطاعت جو ہے وہ ان روایات کے ذریعے ہے کیونکہ قرآن میں اللہ اور رسول کی اطاعت کہا گیا ہے۔ قرآن کے متعلق یہ کہا گیا کہ یہ مجمل ہے' یہ مبہم ہے' یہ مفصل نہیں ہے' یہ اپنی تشریح نہیں کرتا' یہ سارا اس کی تفسیر' اس کی تشریح' اس کی تفصیل' اس کے عمل' وہ سارے کا سارا ان روایات کی رو سے ہوگا۔ قرآن تو ہو گیا معطل اب ان کے متعلق یہ صورت ہے کہ جس کے جی میں جو آیا' اس نے قال رسول کہا اور اس کے بعد ایک عربی کا فقرہ اور اس کا نام کہہ دیا کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے۔ عزیزانِ من! وہ کونسا مسلمان ہے جو حضور ﷺ کی حدیث سے انکار کرے گا اس کے متعلق دل میں ذرا سا شائبہ بھی گذرے۔ غنیمت یہ ہے کہ جسے کہا جاتا ہے یہ حضور ﷺ کی حدیث ہے' وہ حضور ﷺ کی نہیں ہوتی حضور ﷺ کی طرف منسوب کیا ہوا ایک قول ہوتا ہے۔ دواڑھائی سو سال بعد جا کر یہ چیزیں اکٹھی کیں' منسوب کر دیا رسول اللہ ﷺ کی طرف۔

قرآنی نظام حیات کی جگہ مذہبی تصورات اور عقائد و نظریات کی بھرمار

اب ان کے اندر یہ ساری جو میں نے ابھی عرض کی ہے کہ یہ دنیا ایک لاش ہے اس کے چاہنے والے کتے ہیں۔ مومن کی زندگی اس دنیا میں ایسے ہے جیسے قید خانے میں وہ رہتا ہے۔ یہ دنیا ساری قابل نفرت ہے۔ کفار کے لیے ہے' مومن کے لیے نہیں ہے۔ یہ سب کچھ ان کے اندر ہے ان احادیث میں جو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔ یہ تعلیم شروع ہو گئی وہاں سے۔ اس کے بعد یہ صورت صاحب کہ فلاں چیزیں ہیں' اس کے لیے اتنے نفل پڑھیے' اتنی نیاز دیجیے۔ ساری نگاہیں اس دنیا سے ہٹا کے آپ کی' تصوراتی دنیا کے اندر لے جائی گئیں۔ یہ ساری دنیا' یہ کائنات اتنی حسین و جمیل' اس کو قابلِ نفرت بنا دیا' اس کو تو کفار کے لیے چھوڑ دیا۔ یہ کفار کا حصہ ہے' یہ ہیں وہ روایات جس کی رو سے یہ ساری تعلیم آپ تک آ رہی ہے اور آپ کے لیے یہ کہہ دیا ٹھیک ہے' آپ جنت کما لو۔ یہ انہوں نے کہا کہ یہ ہے اللہ کی اطاعت اور یہ ہے رسول کی اطاعت۔

اللہ اور رسول کی اطاعت کا مفہوم خدا کے اس نظام کی اطاعت ہے جو نبی اکرم ﷺ نے متعین فرمایا

سارے قرآن میں عزیزانِ من! ایک چیز ہے جو بڑی نکتے کی ہے۔ ذرا مشکل تو ہے لیکن بات وہ سمجھ میں آ جائے۔ یہ دو آتے ہیں "اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ" اطاعت اللہ کی اور رسول کی۔ عربی قاعدے کی رو سے اس کے بعد اردو اور انگریزی میں تو صرف واحد اور جمع ہوتا ہے نا عربی زبان کے اندر یہ تین ہوتی ہیں چیزیں' ایک لیے واحد' دو جمع آئیں اس کے لیے تثنیہ' تین اور اس کے اوپر جائیں تو جمع۔ تو اللہ اور رسول دو ہیں اس کے بعد جو بھی فعل یا ضمیر جو بھی آنی چاہیے Pronoun یا Verb' عربی قاعدے کی رو سے وہ تثنیہ آنا چاہیے۔ اس میں تثنیہ کے لیے الگ ہیں' فعل بھی الگ ہیں' ضمیریں بھی الگ ہیں۔ قرآنِ کریم میں جہاں بھی یہ اطاعت

آئی ہے اللہ و رسول کی یا اور مقام پہ آیا ہے اس کے بعد ہمیشہ واحد کی ضمیر آئی ہے' واحد کا فعل آیا ہے۔ یہ کیا ایک چیز ہے جس کی اطاعت ہے' یہ ہے جسے آپ الدین کہتے ہیں جسے نظامِ مملکت آپ کہتے ہیں یہ ہے وہ اطاعت۔ خدا کی اطاعت اس نظام کی رو سے جو رسول اللہ ﷺ نے متعین فرمایا' یہ ہوئی اللہ اور رسول کی اطاعت۔ سوال ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد:

رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد رسول کی اطاعت کیسے کی جائے گی؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اعلان

پھر یہاں سے وہ سوال پیدا ہوا تھا نا کہ حضور ﷺ کی اطاعت کیسے کی جائے حضور ﷺ تو تشریف لے گئے اس دنیا سے۔ جہاں سے روایات کی ضرورت انہوں نے کہی۔ قرآن نے اس کا حل دیدیا وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ (3:144) خدا نے خود اس کو Anticipate کر دیا تھا کہ یہ بات پیدا ہوگی کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد کیسے اطاعت کی جائے پھر۔ کہا کہ حضور ﷺ اللہ کے رسول ہیں اس سے پہلے کئی رسول آئے اپنے اپنے وقت پہ اپنا اپنا مشن پورا کر کے وہ چلے گئے۔ کیا کل کو اگر اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ (3:144) اگر کل کو یہ مر جائے یا کل کو قتل کر دیا جائے تو پھر تم یہ کہو گے کہ وہ جس کی اطاعت ہم نے کرنی تھی تو وہ تو نہیں رہا ہے' تو ہم پھر اپنے پچھلے نظام پہ چلے جائیں' نہیں۔ یہ تھی جس کی تفسیر و تشریح حضور ﷺ کے سب سے پہلے جانشین صدیقِ اکبرؓ نے اس وقت جب ابھی حضور ﷺ اس حیاتِ ارضی سے آخری سانس ہونے کے بعد' جسدِ مبارک بھی ابھی رکھا تھا کہ جس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسجد کے اندر اس کا اعلان کیا تھا کہ جب لوگ تڑپ رہے تھے اس بات سے کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے' اب کیا ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اسی سے نظر آتا ہے کہ کس قدر صحیح جانشینی کا فیصلہ کیا تھا۔ یہی شخصیت ہو سکتی تھی جو ایسے وقت کہرام کے اندر یہ بات کہے اٹھ کے ان لوگوں سے کہ لوگو! یہ کہرام کس قسم کا ہے' یاد رکھو تم میں سے جو شخص محمد ﷺ کو اپنا معبود بنائے ہوئے تھا' وہ رو لے جی بھر کے' قیامت تک روتا رہے کہ اس کا معبود مر گیا۔ اور جس نے خدا کو اپنا معبود بنایا تھا' اس کے لیے رونے کا کوئی مقام نہیں' وہ حی قیوم ہے' قیامت تک زندہ رہے گا۔ اور اس کے بعد آپؓ نے یہ آیت پڑھی تھی وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ (3: 144) آنکھیں کھل گئیں۔

خدا کے نام پر قائم ہونے والی اتھارٹی کی اطاعت ہی خدا اور رسول ﷺ کی اطاعت کہلائے گی

صحابہؓ کہتے ہیں ایک فقرے سے' بات سمجھ میں آ گئی۔ انہوں نے کہا کہ حضور ﷺ نے جو نظام مقرر کیا تھا' وہ نظام اسی طرح سے چلے گا۔ یہ جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ صاحب حضور ﷺ کی لاش مبارک ابھی باہر پڑی تھی اور ان لوگوں کی خلافت کو پڑ گئی اور چلے گئے اپنے لیے سلطنت بٹانے کے لیے۔ کیا کہا جائے ان اعتراضوں کے متعلق۔ کہتا ہوں جب یہ چیزیں سامنے آتی ہیں' واقعی آنکھوں میں چمک پیدا ہو جاتی ہے کہ یہ لوگ کس قدر صحیح سمجھے تھے نظام کو۔ حضور ﷺ کے آخری دم کے بعد ان کے نزدیک پہلا کام یہ تھا کہ وہ نظام جو ہے اس کے اندر خلا نہ کہیں واقع ہو جائے کیونکہ ایک اتھارٹی ہونی چاہیے اسلام کے نظام میں کہ جس کے فیصلے کی اطاعت خدا اور رسول کی اطاعت قرار پائے گی۔ انہوں نے کہا کہ اگر اس کے درمیان میں کوئی معاملہ ایسا آ گیا' اس معاملے کے لیے ضرورت ہوگی آپ کو ایک

اتھارٹی کو جو فیصلہ دے اور اس کے فیصلے کی اطاعت سب کریں اور وہ اتھارٹی نہ ہوگی تو پھر کس طرح فیصلہ ہوگا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک اتھارٹی کے فیصلہ کی اہمیت بڑی واضح اور اہم تھی

یہ وجہ تھی کہ ان لوگوں نے اس سے بھی پہلے اس کو مقدم جانا اس سوال کو کہ سب سے پہلے یہ فیصلہ کرلو' یہ فیصلہ خود انہوں نے انتخاب سے باہمی مشورے سے کرنا تھا۔ پہلے یہ کام کیا انہوں نے۔ اور میں کہتا ہوں جب اگلی بات سامنے آتی ہے تو نظر آتا ہے کہ کیسی اس قدر دور اندیش نگاہ تھی ان لوگوں کی' کیسے سوچا انہوں نے کہ اگر کوئی اختلافی بات ہوگی تو فیصلہ کون کرے گا۔ وہیں یہ اختلافی بات ہوگئی کہ حضور ﷺ کو کہاں دفن کیا جائے۔ ہمارے ہاں تو یہ عام جنازے پہ بھی ہوتا ہے قبر کے سرہانے کھڑے ہو جایئے' اس قسم کی جمہوریت یہاں ہے کہ مردے کو دفن ہی نہیں ہونے دیتے۔

نبی اکرم ﷺ کے متعلق یہ سوال کہ آپ ﷺ کو کہاں دفن کیا جائے گا' معاملہ خلیفہ وقت کے کہنے پر طے ہوا

نبی اکرم ﷺ کے متعلق یہ سوال پیدا ہوگیا دفن کہاں کیا جائے۔ مختلف آراء اس کے لیے آ رہی تھیں اور اس وقت خلیفہ کا انتخاب ہو چکا ہوا تھا۔ حضرت صدیقِ اکبرؓ نے کہا کہ جانشین رسول کا فیصلہ ہے کہ حضور ﷺ کو یہاں دفن کیا جائے گا' معاملہ ختم' سب نے کہا کہ اطعنا۔ وہ لوگ اس کی اہمیت کو جانتے تھے کہ اس میں انقطاع نہیں ہونا چاہیے۔ ایک سانس کے لیے بھی اگر اس نظام میں انقطاع واقع ہو جاتا ہے' اطاعت والا جو سمبل ہے' باقی نہیں رہتا۔ اور آپ نے اب یہ دیکھا کہ اللہ اور رسول کے بعد واحد کے صیغے کیوں آئے ہوئے ہیں۔ نظام میں ایک یا چار یا دو یا دس کی اطاعت نہیں ہے' اطاعت نظام کی ہے۔ آج بھی آپ حکومت کا فیصلہ کہتے ہیں نا' حکومت کا قانون کہتے ہیں نا حالانکہ وہ پتہ نہیں کتنے لوگ اس میں شامل ہوتے ہیں۔ یہ نظام کے فیصلے ہیں۔ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ وَ لَا تَوَلَّوۡا عَنۡہُ (8:20) یہ عنہ کی ضمیر واحد کیوں آئی ہے صاحب۔ اس سے روگردانی نہ کرو۔ کیا چیز ہے جس سے کہا گیا ہے روگردانی نہ کرو' یہ وہ نظام جو اللہ اور رسول کا متعین کردہ ہے۔ یہ اس نظام کا نہ رہنا تھا جس سے یہ پھر بات پیدا ہوئی کہ خدا کی اطاعت تو اس کتاب کے ذریعے سے' رسول کی اطاعت کیسے کی جائے۔ اس ضرورت کے تابع پھر یہ چیز ہوئی کہ خدا کی کتاب تو موجود ہے رسول اللہ ﷺ تو احادیث کا کوئی مجموعہ ہی نہیں دے کے گئے جس کی رو سے اطاعت کی جائے۔ اس ضرورت کے ماتحت 'زذوقِ بندگی پرودگارِ؟؟ پیدا' اس ضرورت کے تابع پھر انہوں نے یہ چیز کی۔

احادیث مبارکہ کو اکٹھا کرنے کا اہم کام آپ ﷺ کے جانشینوںؓ نے کیوں سرانجام نہ دیا؟

ورنہ عزیزانِ من! کبھی سوچیے خالی الذہن ہو کر' سب سے بہترین موقع جو تھا حضور ﷺ کی ان احادیثِ مبارکہ کا اکٹھا کرنا حضور ﷺ کے جانشینوںؓ کا کام تھا۔

حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں مملکت کے اندر قرآن حکیم کے ایک لاکھ نسخے موجود تھے

یہ سارے صحابیؓ اس زمانے میں موجود تھے۔تو یہ کیا چیز ہے کہ خلافتِ راشدہ آپ کے ہاں قائم رہتی ہے اتنا عرصہ' ان میں سے کسی نے اتنا نہیں کیا ہے کہ ایک چھوٹا سا مجموعہ ہی احادیث کا جمع کر کے دیدے۔اس سے بڑی Athentic کتاب کوئی اور ہوسکتی تھی اس سے زیادہ مستند مجموعہ کوئی اور ہوسکتا تھا۔حضورﷺ کے ساتھی موجود تھے' خلافتِ راشدہ میں نہیں کیا' پورے صحابہؓ کے دور میں کسی نے نہیں کیا۔یہ غور طلب چیزیں ہیں۔جذبات میں آ کے یہ چیز اتنا کہنے والے کہدیا کہ منکرِ حدیث ہے منکرِ شانِ رسالت ہے۔یہ غور طلب چیز ہے۔اطاعت اگر اس طرح سے یوں ہونی تھی قیامت تک کے لیے' سب سے پہلے نبی اکرمﷺ کے اوپر فرض تھا بحیثیت رسول ہونے کے کہ قرآن کے ساتھ کوئی اس قسم کی چیز دوسری بھی اگر تھی تو وہ دے کے جاتے کیونکہ اس کے بعد تو کسی نبی نے نہیں آنا تھا۔اس چیز کو امت کے اوپر چھوڑ دیا' آپﷺ نے نہیں دیا تو خلافتِ راشدہؓ کا کام تھا جنہوں نے قرآن کی اشاعت کی تھی کہ امام ابن حزم کے قول کے مطابق حضرت عمرؓ کے زمانے میں کم از کم ایک لاکھ نسخہ مملکت میں موجود تھا قرآنِ کریم کا۔اور وہ احادیث بیان کرنے والے کو قید کرتے تھے' وہ کہتے تھے کہ مملکت کی موجودگی میں مرکز کی موجودگی میں اگر انفرادی طور پر' یہ اجازت دیدی گئی لوگوں کو کہ جس کا جی چاہے کوئی بات یہ کہدے کہ رسول اللہﷺ نے یہ فرمایا تھا' وہ شخص مرکز کے فیصلے کے مقابلے میں جو رسول کی طرف تم بات کرو گے اس کی طرف جائے گا' ادھر نہیں آئے گا' خلفشار پیدا ہو جائے گا امت کے اندر۔

مملکت کی طرف سے قائم کردہ اتھارٹی کے بغیر کوئی متعین تعریف' انتشار کا باعث ہوتی ہے

ایک مملکت Establishad By Law کے اندر تو عزیزانِ من! کسی ایسی اتھارٹی کو جو حکومت کی طرف سے نہ ہو اس کو اس Law کی Interpetion کی بھی اجازت نہیں دی جاسکتی۔غور فرمایا آپ نے جو میں نے کہا ہے۔حکومت کے قانون کی تاویل کے لیے بھی انفرادی طور پر اجازت نہیں دی جاسکتی' وہ بھی حکومت کی مقرر کردہ ایجنسی ہوتی ہے جسے آپ کورٹ کہتے ہیں' اس کی انٹر پریٹیشن مستند قرار پاتی ہے' افراد کی نہیں۔یہ وجہ تھی کہ جب تک یہ نظام قائم تھا انہوں نے اس کی قطعاً اجازت نہیں دی۔باقی رہے یہ Continuity تسلسل اس کا تو تسلسل تو نظام اور حکومت کا ہوتا ہے۔جو فیصلے حکومت کے Supersede نہیں ہو جاتے جس کو حکومت خود منسوخ نہیں کر دیتی' وہ سو سو سال تک قائم رہتے ہیں۔خود یہ عدالتیں آپ کی جن فیصلوں کو منسوخ نہیں کرتیں' وہ آپ نے دیکھا وہ Quote کیا ہوا ہوتا ہے وہ Clause L.D.1895 Madras فلاں اور فلاں' وہ کیا ہوتا ہے' ایک کورٹ کا ایک فیصلہ جو نہ معطل ہوا نہ منسوخ ہوا وہ اس وقت جو ہے وہ برقرار رہتا ہے وہ اتھارٹی ہوتا ہے۔لیکن اس کے باہر کتنا ہی بڑا ہی کوئی؟؟ کیوں نہ ہو وہی جج ریٹائر ہو کے جب باہر آ کے بیٹھ جائے' اس کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔یہ تھا وہ نظام جو دیا تھا قرآن نے۔

ہزار سال سے ملت میں خلفشار کی اصل وجہ انفرادی طور پر مختلف انداز کی آئین سازی ہے

یہ جتنا خلفشار امت کے اندر پیدا ہوا ہے یہ سارا اس نظام کے نہ ہونے کی وجہ سے ہوا ہے۔انفرادی طور پہ پھر ان کی ضرورت پڑی'

پھر انفرادی فقہاء کی ضرورت پڑی' پھر مجتہدین کی ضرورت پڑی' کوئی قانون بنانے والے فقیہ بیٹھے' کوئی اجتہاد کرنے والے مجتہد بیٹھے' کوئی مفسر بیٹھے' کوئی محدث آ گئے' کوئی خدا کی طرف سے آنے والے' اترنے شروع ہو گئے۔ یہ ساری چیز' چوں نہ بینند حقیقت رہے افسانہ زنند' حقیقت وہی تھی نظام۔ الدین نظام کا نام ہے عزیزانِ من! اسلام انفرادی چیز نہیں ہے یاد رکھیے یہ مذہب نہیں ہے' یہ الدین ہے۔ کبھی آپ کے ہاں وہ صورت پیدا نہیں ہو سکتی جس کو یاد کر کے آج آپ دنیا کے سامنے فخر کا نام لیتے ہیں۔ جن کا تصور ہمارے لیے ایمان کی مثال بنتا ہے صدرِ اول کا۔ کبھی نہیں آ سکتا تاوقتیکہ آپ اسلام کو مذہب کی صف سے نکال کے' الدین میں نہ لے جائیں گے' نظام نہ اس کو قائم کریں گے آپ۔ اپنی مملکت اور نظام کے بغیر اسلام' الدین نہیں بن سکتا۔ وَ لَا تَوَلَّوۡا عَنۡهُ (8:20) اس سے روگردانی نہ کرنا۔

سننا اور اطاعت کرنا اس کے لیے ملٹری کی مثال ہمارے سامنے ہے

اور اگلی بات نے تو معاملہ ہی صاف کر دیا وَ اَنۡتُمۡ تَسۡمَعُوۡنَ (8:20) درآں حالیکہ تم سن رہے ہو کہ کیا حکم دیا جا رہا ہے۔ یہ عزیزانِ من! اور بات آ گئی۔ اطاعت جو ہے اس کی کی جا سکتی ہے جس کی بات سنی جائے۔ وَ اَنۡتُمۡ تَسۡمَعُوۡنَ۔ اسی لیے قرآنِ کریم نے سَمِعۡنَا وَ اَطَعۡنَا (2:285) کہا ہے کہ ہم نے سن لیا اور ہم اطاعت کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں تو یہ پھر صورت نہیں ہے نقشہ ہی بگڑا ہوا ہے' میں نے کہا ہے۔ مجھے بار بار پھر آنا پڑتا ہے ملٹری کی طرف' اللہ تعالیٰ ان کے اس نظام کو قائم رکھے کہ ان کے صدقے میں آج بھی ہم کچھ چین کی نیند سو جاتے ہیں۔ ان میں نہ کہیں ابتری آ جائے جیسی ہم میں آئی ہوئی ہے۔ وہاں آرمی کا جو آرڈر آتا ہے' لکھا ہوا آرڈر پتہ نہیں کہاں سے وہ چلا ہوا ہوتا ہے لیکن جب وہ جن سے وہ آرڈر منوانا ہوتا ہے' ان کو وہ صرف لکھا ہوا نہیں دیتے' سامنے کھڑا کر کے وہاں بولتے ہیں اور پوچھتے ہیں سن لیا ہے' سن لیا ہے' جاؤ اطاعت کرو۔ آرڈر آف دی ڈے جو ہے صبح سنایا جاتا ہے۔ وَ اَنۡتُمۡ تَسۡمَعُوۡنَ۔ یہ عزیزانِ من! سنانے والی شخصیت جو ہے حاضر ہونی چاہیے' موجود ہونی چاہیے۔

آخر کار کتاب مبین کا عطا کردہ نظامِ حیات ہی انسانیت کے لیے آسودہ حالی کا باعث بن سکے گا

یہ سارا خلفشار آپ کے ہاں پیدا ہوا سنانے والی وہ جو اتھارٹی تھی' وہ نہ رہی آپ کے ہاں' اب کچھ میں نے پڑھ لیا' کچھ انہوں نے پڑھ لیا۔ یہ تھا نظام۔ یہ ہے اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ خدا مؤمنوں کے ساتھ اس طرح سے ہوتا ہے کہ وہ اطاعت کرتے ہیں اس نظام کی' اس سے روگردانی نہیں کرتے اور وہ نظام احکام ان کو سناتا ہے' وہ سنتے ہیں اطاعت کرتے ہیں۔ جب تک یہ نظام نہیں قائم ہوگا عزیزانِ من! خدا آپ کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ اب یہاں کہا وَ اَنۡتُمۡ تَسۡمَعُوۡنَ درآں حالیکہ تم سن رہے ہو۔ قرآن ہے عزیزانِ من! میں نے عرض کیا ہے نا کہیں نکلنے ہی نہیں دیتا۔ اب سننے والی بات جو تھی' اس میں بھی سمجھ میں آ گئی کہ ایسے بھی چور آئیں گے درمیان میں۔ کہا وَ لَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَ هُمۡ لَا يَسۡمَعُوۡنَ (8:21) کہیں یہ نہ سمجھ لینا' ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جن سے پوچھا سن لیا' انہوں نے کہا سن لیا' درآں حالیکہ انہوں نے سنا نہیں تھا۔ یہ کیا بات ہے سنا نہیں تھا' بولے تو نہیں تھے' سننے اور سننے میں فرق اس سے پہلے

آ چکا ہے قرآنِ کریم میں۔ وہ ینظرون ویبصرون کا فرق یسمعون کا فرق بھی وہاں آ گیا' وہ دولفظ ہیں نا قرآن کے کہ یہ لوگ تمہاری محفل میں آ کے بیٹھے ہوئے ہیں' نظر یہ آ رہا ہے کہ یہ تمہیں دیکھ رہے ہیں' (اردو میں ہیں ہی نہیں دولفظ دوسرے تو میں بولوں کیا)۔ لَا یُبْصِرُوْنَ (7:198) کسی کی طرف تکنا دیکھنا' دھیان کا کہیں اور ہونا اور دیکھنا اور دھیان اسی میں ہونا۔ کہیے لوگ کہتے ہیں قرآن کے ترجمے ہو جائیں گے' اس زبان کے ترجمے ہو جائیں گے اس چیز سے؟۔ اسی طرح سے اس نے سماعت کا کہا ہے' ٹھیک ہے نظر آ رہا ہے' کان لگائے ہوئے ہیں سن نہیں رہے۔ کتنا فرق کیے جاتا ہے۔ یہاں کہا ہے نا اَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ درآنحالیکہ تم سن رہے ہو' ساتھ ہی کہا ہے یاد رکھنا سننے اور سننے میں بڑا فرق ہوا کرتا ہے' ''ایویں نہ سن لینا جس طراں تراویحاں اچ قرآن سن کے آ جاندے ہیگے او' سارا کچھ کرن دے بعد ستاسویں نوں یا اللہ عاقبت بخیر' یعنی اتھے تے بیڑہ غرق ہوندا تریا جائے' کوئی گل نئیں ہیگی''۔

قرآن حکیم تو سننے سننے میں اور دیکھنے دیکھنے میں بڑا فرق بیان کرتا ہے

وَ لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ ھُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ (8:21) یہ نہ کہہ دینا کہ جی سن لیا ہے درآنحالکہ سنا نہیں ہے۔ یاد رکھو اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰہِ الصُّمُّ الْبُکْمُ الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ (8:22) یہ ہے سننا۔ بدترین مخلوق خدا کے نزدیک وہ ہیں بہرے گونگے' کون لوگ' لَا یَعْقِلُوْنَ عقل وفکر سے کام نہ لینے والے۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ یہ اتنی بڑی مخلوق سماعت رکھتی ہے' کان رکھتی ہے' سن رہی ہے۔ پھر یہ یوں کیوں نہیں سن رہی ہے جیسا قرآن کہتا ہے۔ وہ یعقلون والی بات تھی نا۔ عزیزانِ من! جتنا قرآن ہم سنتے ہیں اس میں یہ یعقلون کی بات کبھی آتی ہے یعنی اس میں عقل وفکر کو کوئی دخل ہوتا ہے؟

صدیوں سے ایک ایک رات میں پورے کا پورا قرآن حکیم سنا جاتا اور سنایا جاتا ہے لیکن حالت یہ ہے کہ حالات دن بدن ناگفتہ بہ ہو رہے ہیں

کیا یہ سننا' سننا ہے' کیا اس سننے کا کوئی فائدہ ہے۔ وہ شَرَّ الدَّوَآبِّ کہتا ہے ان کو۔ سنتے ہیں قرآن کی خدا کی بارگاہ سے ہمیں یہ چیت کیسے مل رہے ہیں' نام کیا ہیں ہمارے' بدترین مخلوق۔ کہا کہ یہ جو عام لوگ ہیں' سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سارے وہ جتنے مخالفین تھے' قریش مخالفین مشرکین' ہر دور کے مخالفین اور اس دور میں ہم سب۔ کہا یہ گیا ہے کہ پھر یہ کیا ہے' خدا نے یہ کتاب بھی نازل کر دی۔ یہ کچھ بھی ہو گیا' سنایا بھی جا رہا ہے' پھر خدا ان کو سنا کیوں نہیں دیتا۔ یعنی پھر وہی بات آ گئی ''اے وی کم او کیوں نئیں کر دیندا ہیگا آپے آپ ای''۔ کہا وَ لَوْ عَلِمَ اللّٰہُ فِیْھِمْ خَیْرًا لَّاَسْمَعَھُمْ (8:23) اگر ان کے اندر یہ چیز جو تھی' استعداد وصلاحیت جو ہے سننے کے لیے Receptive Mind کا ہونا کہ وہ سننا چاہتے ہیں' سمجھنا چاہتے ہیں۔ اگر ان میں یہ چیز ہوتی تو پھر تو کہا یہ ایسے ہے جیسے پھر تو خدا ان کو سنا بھی دیتا۔ یعنی آپ نے کہا کہ پھر خدا سنا دیتا ہے' وہ خود ہی تو سننا تھا ان کا۔ انداز ہے قرآن کا یہ بات کہنے کا کہ تم ہمیں کہتے ہونا' خدا کو کہ تم نے سنا کیوں نہ دیا ان کو صاحب' کہا کہ اگر ان کے اندر یہ سننے کی چاہت ہوتی' اس کے لیے خواہش ہوتی' ایک رغبت ہوتی Receptive Mind ہوتا' قبول کرنے کی بات ہوتی' کچھ توجہ دینے کی بات ہوتی' یہ چاہتے کہ کچھ معلوم کریں۔ نہ ہی اس کے بعد

اس کو قبول کرتے اتنا تو ہوتا اگر اتنا سا کچھ کرتے لَّاَسۡمَعَهُمۡ تو وہ ان کو سنا دیتا۔ وَ لَوۡ اَسۡمَعَهُمۡ لَتَوَلَّوۡا وَّ هُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ (8:23)

قرآن حکیم کے مروجہ تراجم کے متعلق تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

قبل اس کے کہ میں اس کا مفہوم بیان کروں' آپ کے پاس اگر یہ نسخے سامنے ہیں تو ان الفاظ کو رکھیے یاد اور ان کا ترجمہ اگر نیچے ہے تو ان کو ذرا دیکھیے اور پھر دیکھیے کہ کس مشکل میں پھنستا ہے آدمی یہاں۔ ہزار سال سے یہ آیت ہے میں دیکھتا چلا جا رہا ہوں' جن کے سامنے تھی' یہاں آپ کے جو پھنسے ہیں اس الجھن کے اندر' نکل ہی نہیں سکے۔ اور بات اتنی سی تھی وہ جو کلیدی تالا ہوتا ہے نا حرفوں والا۔ بہرحال۔ سنیے یہ کیا مشکل تھی ان کی۔ الفاظ ہیں وَ لَوۡ عَلِمَ اللّٰهُ فِيۡهِمۡ خَيۡرًا لَّاَسۡمَعَهُمۡ اللہ اگر ان کے اندر خیر دیکھتا تو ان کو وہ سنوا دیتا وَ لَوۡ اَسۡمَعَهُمۡ لَتَوَلَّوۡا اور اگر اللہ ان کو سنوا دیتا تو وہ منہ پھیر کے چلے جاتے۔ ان میں کوئی خیر دیکھتا تو خدا ان کو سنا دیتا اور اگر خدا بھی ان کو سنا دیتا تو یہ منہ پھیر کے چلے جاتے۔ تو وہ اس کے سنانے کا فائدہ پھر کیا تھا۔ یعنی ویسے بھی انہوں نے چلے جانا تھا اس کے سنانے کے بعد بھی وہ چلے ہی جاتے۔ یہاں آنے کے بعد سب رکتے ہیں' یہ ہوا کیا ہے۔

قرآن حکیم کا اندازِ بیاں جس کو سمجھنے میں کسی قسم کی کوئی الجھن باقی نہیں رہتی

ہونا تو یہ چاہیے تھا نا کہ اگر اللہ ان میں کوئی خیر دیکھتا ان کو سنا دیتا اور اگر اللہ ان کو سنا دیتا تو پھر یہ کبھی منہ پھیر کے نہ چلتے' یوں بات ہونی چاہیے تھی۔ کہا یہ جا رہا ہے کہ اگر ان میں یہ ہوتی تو اللہ سنا دیتا۔ بات اتنی ہی ہے عزیزانِ من! قرآن کا انداز یہ ہے' سنیے وہ کیا کہتا ہے۔ اگر ان کے اندر یہ چیز ہوتی پیدا دل کے اندر' یہ خواہش پیدا ہوتی کہ ہم نے کچھ سننا ہے پھر اس کے بعد دیکھنا ہے' پھر غور و فکر سے کام لینا ہے' پھر فیصلہ کرنا ہے کہ قبول کرنا ہے یا نہیں کرنا' یہ چیز ہوتی تو اَسۡمَعَهُمۡ پھر ہم ان کو سنا بھی دیتے۔ اور آگے ہے کہ اگر اس کے بغیر جیسا تم چاہتے ہو ہم زبردستی ان کو سنائیں تو سننے کے بعد بھی یہ منہ پھیر کے چل دیں گے۔ واہ واہ۔ تو تم جو کہتے ہو کہ زبردستی کیوں نہ سنا دیا' کہا زبردستی جس کو سنایا جاتا ہے اس کے بعد تو اس کی کیفیت یہ ہوتی ''تسی زبردستی کسے منڈے نوں سکول بھیجو دو تین دن نال چھڈ کے وی چلے آؤ' کسے اک دن وی گھر بٹھا دیو؟؟؟ ہو جاندا ہیگا اے''۔

دل و دماغ کی رضامندی کے بغیر کوئی عمل نتیجہ ثمر بار نہیں ہو سکتا

یہ جو چیز ہے اب یہیں سے آپ دیکھیے دین کی قبولیت جو ہے' اس کا راز آ گیا' خدا کہتا ہے کہ اگر ان کے اپنے ارادے اور خواہش کے خلاف اگر ہم کسی طرح سے زبردستی ان کو پھونک بھی دیتے ان کے دماغ میں' خدا خود کہتا ہے کہتا ہے اسکے بعد صورت ان کی یہ ہوتی کہ منہ پھیر کے چل دیتے۔ سننے کے بعد تو کھڑا اس کے اوپر وہی رہے گا جس نے اپنی چاہت سے سنا' اپنے دل کے اختیار و ارادے سے تسلیم کیا' ورنہ اگر خدا بھی زبردستی کسی کو سنا دیتا ہے' مقصد حاصل نہیں ہو سکتا' وہ منہ پھیر کے چل دے گا۔ اتنی بڑی چیز ہے۔ وہی لایعقلون والی بات ہے کہ خود انسان کو اپنی عقل و فکر سے کام لینا ہے' اپنے ارادے سے کام لینا ہے۔ اس کے بعد پھر سننا ہے' سننے کے بعد پھر اس پہ اس نے غور کرنا ہے پھر اپنے فیصلے سے قبول کرنا ہے۔ جو ایسا کرے گا نہیں وہ منہ پھیر کے چل دے گا۔ ورنہ اگر خدا بھی ان کو زبردستی سنا

دے تو پھر بھی یہ منہ پھیر کے چل دیں گے۔ تو یہ بات ہوئی صرف سننے کی' سنا تم نے' غور کیا اس پہ' ہاں جی' تو کیا اس سے کام چل گیا۔ یہ تو زیادہ سے زیادہ فلسفہ ہوا' سن بھی لیا غور و فکر بھی کیا۔ اس کے بعد کہا سبحان اللہ بہت اچھی بات ہے۔ زیادہ سے زیادہ شاعری کی بات کہہ دی۔ اس سے تو نہیں اللہ ساتھ ہو جاتا۔ بات اس کی تشریح ہو رہی ہے کہ اللہ کیسے ساتھ ہوتا ہے۔

قرآن حکیم کے نزدیک کسی کی بات کو سننے کا معیار

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَجِیۡبُوۡا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوۡلِ (8:24) اے جماعتِ مؤمنین! آؤ تمہیں بتائیں کہ یہ جو ہم نے کہا ہے' سننا اور اس کے بعد اس پہ غور و فکر کرنا' اس کا عملی مظاہرہ کس طرح سے ہوتا ہے۔ اے جماعتِ مؤمنین! اِذَا دَعَاکُمۡ لِمَا یُحۡیِیۡکُمۡ (8:24) پھر میں یہ کہہ دوں اسۡتَجِیۡبُوۡا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوۡلِ اس آواز پر لبیک کہا کرو۔ اس نے آواز دی کون ہے یہاں آ کے' سخت مرحلہ آ گیا ہے سامنے' مشکل ترین معاملہ آ گیا ہے۔ دشمن بڑی سختی میں ہے۔ اس وقت بڑھنا ہے اس نے کہ جو سر بکف آئے' جان دینے کے لیے جو یہاں آئے اس کو بڑھنا ہے آگے۔ کون ہے اسۡتَجِیۡبُوۡا آواز دو' ہم ہیں' ہم آئے۔ اے جماعتِ مؤمنین! جب یہ آواز اس قسم کی پڑا کرے کہو کہ ہم ہیں' ہم آئے۔ یہ کس طرف بلا رہا ہے تمہیں۔ عجیب بات ہے۔

ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

عزیزانِ من! عجیب آیت ہے قرآن کی۔ اے جماعتِ مؤمنین! جب اللہ اور رسول تمہیں بلائے اس چیز کی طرف' کس چیز کی طرف' نظر آ رہا ہے کہ کوئی بڑا ہی سخت ترین مرحلہ درپیش ہے اور ظاہر ہے کہ وہ میدانِ جنگ تھے جن کی طرف یہ دعوت دی جا رہی تھی۔ جانیں دینا تھا۔ کہا لِمَا یُحۡیِیۡکُمۡ اس چیز کی طرف تمہیں بلایا ہے جو تمہیں حقیقی زندگی دے گا۔ بلا رہا ہے میدانِ جنگ میں جان دینے کے لیے' کہہ رہا ہے یہ بلاوا وہ ہے جو تمہیں زندگی عطا کر دے گا۔ یہاں تو جان دینے سے زندگی ملتی ہے عزیزانِ من!۔ اور یُحۡیِیۡکُمۡ جو ہے یہ ایک فرد کے لیے نہیں ہے اجتماعی چیز ہے' افراد کا جان دینا جماعت کے لیے زندگی کا سامان پیدا کر دیتا ہے۔ فرد کے لیے حیاتِ جاوِدان وہاں پیدا کرتا ہے' جماعت کے لیے یہاں پیدا کر دیتا ہے۔ لِمَا یُحۡیِیۡکُمۡ ۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَجِیۡبُوۡا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاکُمۡ لِمَا یُحۡیِیۡکُمۡ (8:24) کیا آیتیں ہیں!! پکار رہا ہے آؤ کون ہے جان دینے والا۔ کہا ہے کہ وہ پکار رہا ہے تمہیں اس چیز کی طرف جو تمہیں زندگی عطا کر دے گی۔

خدا تعالیٰ کی راہ میں جان دینے کا انداز ہی نرالا ہے

ایسی آواز پہ کہا کرو کہ حاضر ہیں ہم۔ بات تو وہ غزل کے شعر کی ہے' برجستہ ذہن میں آ جاتا ہے وہ شخص' بڑے پیارے انداز میں اس شخص نے کہا ہے

پوچھتے ہیں وہ جاں نثاروں کو
تم بھی حسرت اٹھو سلام کرو

ڈاکٹر[1] صاحب دیکھا کیا انداز ہے اس شخص کا۔ کچھ نہیں کہا زبان سے' کچھ نہیں کہ اٹھ کے کچھ کہو۔

پوچھتے ہیں وہ جاں نثاروں کو تم بھی حسرت اٹھو سلام کرو

اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (8:24) وہ پوچھ رہے ہیں کون ہیں جاں نثار' زبان سے کچھ نہ کہو اٹھو۔ یہاں پھر وہی بات کہی **اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ** اللہ اور رسول کی آواز پہ لبیک کہو اور آگے ہے (**اذا دعاکم**) وہی واحد کا صیغہ ہے۔ دیکھ رہے ہیں آپ۔ ہمارے ہاں جب بعد میں؟؟؟ میں بنی ہے؟؟ وغیرہ' ہمارے؟؟؟ جو تھے ان کو یہاں آ کے دقت پیش ہوئی۔

قرآن حکیم کی عربی زبان میں اعراب کی اہمیت

قرآن جیسی کتاب اور عربی زبان کے اندر تو وہ ذرا قاعدے قانون سے ان کا ایک اعراب اِدھر اُدھر ہو جاتا تھا تو وہ تو بڑے نازک واقع ہوئے تھے اس معاملے میں' بڑے لکھنوی تھے وہ۔ وہ صاحب بڑے سے بڑا ان کے ہاں کا جو خطیب ہوتا تھا' سارے خطبے کے اندر ایک تلفظ یا اعراب کی غلطی کر جاتا تھا' سارے اٹھ کے چلے جاتے تھے۔ اور ان کو اس کی احتیاط اتنی برتنی پڑتی تھی' بات یاد آ گئی۔ نظام عطاء بن واصل' معتزلہ کا پہلا امام' شعلہ بار خطیب' لیکن زبان میں پتہ نہیں ایک مقام پہ کچھ گرہ سی تھی اور ز کا' حرف جو تھا وہ صاف نہیں نکلتا تھا زبان سے ''اولاہور یا ہونا اے اصل اچ' اوناں جدو کیناں' چڑی نوں چری کیناں ایناں نیں' روڑے نوں رورا ای کیناں اے''۔ ویسے پڑھتے چلے جائیں اردو بڑا صاف پڑھتے چلے جاتے ہیں جونہی اسی کو سمجھانے لگتے ہیں' چڑی کو چری پھر کر کے اری۔ وہ کچھ ایسا تھا اس میں' یہ ہوتا ہے بعض اوقات دقت سے نکلتی تھی خطیب اتنا شعلہ نوا' سامعین سارے یہ عرب بیٹھے ہوئے ہیں۔ مقابلے ان کے ساتھ بڑے سخت ہوتے تھے۔ گھنٹوں تک اٹھ کے تقریریں کرتے تھے' وجد میں آ جاتے تھے لوگ۔ زبان کی وسعت ملاحظہ فرمائیے گھنٹوں تک وہ تقریریں کرتا تھا کوئی لفظ نہیں بولتا تھا جس میں ''ز'' آ جائے۔ کیا قوم تھی!!۔ اُسے پتہ تھا کہ درمیان میں کہیں ایک دفعہ بھی آیا اور میں نے رکوڑ کہا تو یہ سارا مزہ کرکرا سا ہو جائے گا۔

نظام عطا بن واصل جیسے خطیب کی شعلہ بیانی اپنی مثال آپ تھی

بلا تھا یہ شخص' اور میں اس کی بات بھی صرف نہیں کرتا' میں تو اس زبان کی بات دیتا ہوں جس کی کیفیت یہ ہے گھنٹوں تک ایک خطیب اپنے اسی انداز میں بولتا چلا جاتا ہے۔ پھر اس کی بات یہ ہے کہ یہ بولنے میں آپ کو معلوم نہیں کہ تیزی کتنی' سرعت کتنی ہوتی ہے۔ خیال کا آنا دماغ میں' اس کا فیصلہ کرنا اس کے لیے الفاظ کا انتخاب کرنا' الفاظ کا یہاں آنا' زبان سے ادا ہونا اور یہ سیکنڈ کے ہزارویں' کروڑیں حصے میں ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس سارے میں یہ کیفیت پیدا کرنا کہ جو کچھ بھی وہ کہتا چلا جاتا ہے' اس میں لفظ کوئی ایسا نہ آئے جس میں ''ز'' آ جائے۔ تو اس قسم کے نازک مزاج عرب وہ گرامر کی اس قسم کی غلطی کو برداشت کر سکتے ہیں کہ تثنیہ آ رہا ہے فاعل میں اور Verb جو آ رہا ہے' فعل آ رہا ہے واحد کے صیغے میں۔ لیکن وہ جانتے تھے' کسی نے اعتراض نہیں کیا۔

---

1) ڈاکٹر سعید عبدالودود صاحب جو سامعین درس میں تھے۔

اسلامی یا قرآنی نظام مملکت کے لیے اللہ اور رسول کی اصطلاح کا استعمال کیا یہ کافی نہ تھا؟

وہ جانتے تھے کہ اس کے معنی کیا ہیں وہاں نہ براہِ راست خدا افراد سے کچھ کہتا تھا' نہ اس کا رسول اپنی طرف سے کچھ کہتا تھا۔ وہاں یہ ایک Technical Term تھی آج میں کہونگا' یہ ایک اصطلاح تھی اس دور کی کہ یہ جو نظامِ مملکت تھا اس کو وہ اللہ اور رسول سے تعبیر کرتے تھے اور بڑی جامع اصطلاح تھی۔ نظام خدا کا دیا ہوا پھر اس کے بعد ہر فرد کو اس کی اجازت نہیں' ہر امام کو اس کی اجازت نہیں کہ اپنی اپنی جگہ وہ بن بیٹھے اتھارٹی۔ وہ نظام جسے قائم کیا ہے خدا کے رسول نے سب سے پہلے' رسول اللہ ﷺ کے بعد حضور ﷺ کے جانشینوں نے۔ جب یہ نظام ٹوٹا' یہ سارے خواب پراگندہ ہوگئے صاحب اس کے اور پھر یہ سارے افسانے آپ کے ہاں آئے۔ مقربین بھی آئے' خدا کی طرف سے بھی آئے' مفسر بھی آئے' مجتہد بھی آئے' فقہا بھی آئے' مفتی بھی آئے' قاضی بھی آئے' سارے افسانے تھے۔

عزیزانِ من! بات یہی ہے اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ (8:24)۔ آگے ایک بات آتی ہے۔ یہ قرآنِ کریم کی بظاہر مشکل آیات میں سے آیتیں ہیں جو میں عرض کر رہا ہوں' آج کے درس میں اتفاق سے ساری ایک کے بعد دوسری آتی چلی جاتی ہیں۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِہٖ وَ اَنَّہٗٓ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ (8:24) یاد رکھو' سمجھو یہ بات کیا ہو رہی ہے' لبیک کہو نظامِ خداوندی کی اس آواز پر جب وہ تمہیں اس مقصد کے لیے بلائے جو تمہارے لیے حیات بخش ہے' جو تمہارے لیے زندگی دینے والا ہے۔ زندگی دینے والا ہے۔ یہاں میں آتا ہوں عزیزانِ من! اپنے میں' میں نہیں رہتا جس انداز سے قرآن نے یہ کہا ہے۔ اور اقبالؒ نے کس حسین انداز سے یہ بات کہی ہے' ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی' ٹھیک ہے' عام حالات کے اندر جان کی حفاظت زندگی ہے' کبھی وہ وقت بھی آجاتا ہے کہ جب جان کا دیدینا' زندگی ہو جاتا ہے۔

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی

مقام بڑا جرآت آزما ہے' جان دینے کے لیے بلاوا' اس کے اوپر لبیک کہہ کے ہنستے ہوئے چلے جانا۔ کہا کہ یاد رکھو مقام بڑا نازک ہے۔ یہ ہے جی قرآن کا خاص لفظ' وہ انسان کی انسانیت یا بشریت جو ہے' اس کو نظر انداز نہیں کرتا وہ اس کو فرشتے تسلیم نہیں کرتا' انسان تسلیم کرتا ہے۔ اب ایسے وقت کے اوپر جب جان دینے کے لیے آواز پڑ جائے' کہا ذرا احتیاط رہنا متنبہ رہنا' خبردار رہنا اس میں ایک تھوڑی سی کشمکش آیا کرتی ہے' ایک طرف آواز پڑتی ہے۔ جوہرِ مردانگی کی ہمتِ مردانہ اس کو یہ کہہ رہی ہوتی ہے کہ ٹھیک ہے' جان دینا ہے۔ دوسری طرف کچھ قلبی میلانات ہوتے ہیں' کچھ جذبات ہوتے ہیں' کچھ عواطف ہوتے ہیں' وہ اس کو روک رہے ہوتے ہیں۔ کچھ مصلحتیں سمجھائیں گے' کچھ مفادات' کچھ پھر وہی Reasoning جسے کہتے ہیں تیرے ایک کے جان دیدینے سے کیا ہو جائے گا' خوامخواہ کے لیے بچے بھوکے مر جائیں گے۔ یعنی ایک کشمکش آتی ہے' کہا یاد رکھنا ایسے وقت میں۔

قرآن حکیم کی آیت 8:24 کا عام ترجمے کے برعکس اس کو صحیح انداز میں سمجھنے کی کوشش اور لفظ مرء کا حقیقی مفہوم

یہ ہے جی وہ آیت اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ (8:24) مشکل یہاں اس میں آپ دیکھیے گا' ترجمے اس کے عام طور پہ ہو گئے کہ یاد رکھو اللہ' آدمی اور اس کے دل کے درمیان گھومتا رہتا ہے۔ یہ چیز آدمی اور اس کا دل یعنی یہ کوئی دو چیزیں ہیں ان دونوں کے درمیان وہ گھومتا رہتا ہے۔ مشکل تھا یہ' دشواری پیش آتی ہے۔ ترجمے میں پھر دیکھیے بات نہیں بنتی' یا ان کے درمیان حائل ہو جاتا ہے بعض یہ کہتے ہیں' یاد رکھو خدا حائل ہو جاتا ہے آدمی اور اس کے قلب کے درمیان' دل کے درمیان۔ بات نہیں سمجھ آتی۔ بات قرآن یہی کہہ گیا ہے' یہاں لفظ ایک طرف مرء ہے وَ قَلْبِهٖ ہے' یہ مرء کا لفظ جو ہے ہمارے ہاں تو ایک لفظ مروت آ گیا نا وہ پھر مروت کے معنی مروت۔ عربی زبان کا لفظ جو ہے مرء' جو مردانگی ہے نا' ترجمہ صحیح بات ہے' مرد ہونا' جرآت مندانہ اقدام کرنا' اس کے لیے لفظ آتا ہے۔ مرء کے معنی ہیں مردانی اور ہمت کے جذبات جرأت کے جذبات۔ قلب ہوتے ہیں' رقیق جذبات انسان کے۔ کہا کہ یاد رکھیے خدا کا حکم آتا ہے جب تو وہ ان دو کے بین بین ہوتا ہے' ایک طرف جرآت مندانہ اقدامات جو ہیں' وہ اس کو آواز دے رہے ہوتے ہیں' دوسری طرف قلبی میلانات اور عواطف جو ہیں وہ اس کو اپنی طرف کھینچ رہے ہوتے ہیں۔ ایک کشمکش ہوتی ہے ایسے میں۔ ایسے وقت کے اوپر صحیح فیصلہ کرنا ہوگا تمہیں۔ اور صحیح فیصلہ کیا ہے' جان دینے کی تو آواز آ رہی ہے۔ کہا وہ صحیح فیصلہ کرے گا جو یقین رکھے گا وَ اَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ (8:24) اس وقت مر بھی جاؤ نگا تو کیا ہوگا' آخر الامر تو بہر حال اسی کے پاس جانا ہے' اسی کی طرف جمع ہونا ہے۔ یہ جو مرنے کے بعد کی زندگی کا یقین ہے عزیزانِ من! یہ انسان کو اس کے لیے آمادہ کر دیتا ہے کہ وہ جان دیدے تا کہ حیاتِ جاویداں حاصل کر لے۔ کہا اس کو نظر انداز نہ ایسے وقت میں ہونے دینا' ورنہ یہ جاذبیتیں' یہ کششیں جو ہیں اس دنیا کے میلان و عواطف' وہ کشمکش پیدا کر دیں گے دل کے اندر۔ اور یہ تو ہمارے تجربے ہیں

جہاد زندگی کے اس موڑ پر سود و زیاں کا فیصلہ کرنا ہوگا

عزیزانِ من! ہمارے تجربے کیا صاحب ہم میں تو اب وہ کشمکش بھی پیدا نہیں ہوتی۔ وہ مروت اور جرآت اور مردانگی مدت ہوئے ختم ہو چکے ہوئے ہیں' اب تو میلانات و عواطف ہی فیصلے کرتے ہیں ہمارے۔ لیکن ایسا وقت آتا ہے جہاں دونوں میں ایک کشمکش ہوتی ہے اور اس کشمکش کا حل اس نے کہا یہی ہے' جو موت کے متعلق سمجھتا ہے کہ یہ مر جانا نہیں ہے' یہ تو ایک نئی زندگی نے حاصل ہونا ہے' زندگی جوئے رواں است رواں خواہد بود' یہ تو ایک ندی ہے ٹوٹتی نہیں ہے' میدان سے صحنِ گلستاں میں داخل ہو جاتی ہے' فرق تو یہ ہے۔ کہا یہ شخص ہے جو ایسے وقت میں صحیح فیصلہ کرتا ہے۔ اور آگے کہا کہ ایک بات یاد رکھو اگر ایسے نازک اوقات میں جب مخالفتوں کا ہجوم اس طرح سے امڈ کے آ رہا ہو' تمہیں آواز دی جا رہی ہو۔ اب جان دے کے زندگی حاصل کرنا ہے۔ اس کشمکش کے اندر آ گئے اور تذبذب پیدا ہو گیا تمہارے اندر تو پھر تو شکست لازمی ہے' مخالفین کی قوتیں غالب آئیں گی'

معاشرتی اور تمدنی خرابیوں کے باعث پیدا ہونے والی تباہی کی نوعیت

تو اس وقت' یہ ایک اور آیت آئی۔ عجیب آیتیں آ رہی ہیں' اس وقت پھر ایک سیلاب آئے گا' طوفان آئے گا۔ اب اس سیلاب کے اندر ہمارے ہاں اطمینان کی صورتیں جو ہیں' یہ کہ خدا کا عذاب جو ہے' وہ گناہگاروں پر فاسقوں پر' فاجروں پر' آتا ہے' یہ جو اللہ کے نیک بندے ہیں' یہ اس میں محفوظ رہتے ہیں۔ ہم دیکھتے یہ ہیں کہ جب وہ آتا ہے' تو وہ جو میں ایک فقرہ بولا کرتا ہوں کہ 'سیلاب نہ پرسد کہ درِخانہ کدام است' وہ نمازی اور شرابی میں تمیز کرنا تو ایک طرف رہا' وہ فارسی والا کہتا ہے کہ جب وہ طوفان پانی کا آتا ہے وہ تو یہ بھی نہیں پوچھتا کہ دروازہ کدھر ہے جی میں اندر آ جاؤں۔ بہت خوبصورت ہے یہ فقرہ ''اوائے وی نئیں پچھدا کہ گھر دا دروازہ کدھرائے'' طوفان تو اس کا نام ہوتا ہے۔ کہا یاد رکھو وَ اتَّقُوۡا فِتۡنَۃً لَّا تُصِیۡبَنَّ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡکُمۡ خَآصَّۃً (8:25) یاد رکھو اجتماعی طوفان جب آتا ہے دشمن کا' اس وقت پھر وہ اس میں تمیز نہیں کیا کرتا کہ تم میں نیک بخت کون تھا اور بدکار کون تھا۔ اجتماعی یہ جو مساعد آتی ہیں' یہ طوفان جو آتا ہے پھر وہ ساری قوم کو اپنے ریلے میں لے لیا کرتا ہے' انفرادی طور پہ تمہارا اس وقت نیک یا اچھا ہونا' کچھ کام نہیں دے سکتا۔ سوال یہی ہے کہ اجتماعی نظام تم نے کس قسم کا قائم کیا تھا۔ غلط نظام کے اندر عزیزانِ من! وہ لوگ ہوتے ہیں جو انفرادی طور پر دیانتداری کی زندگی بسر کرتے ہیں' امانت داری کی زندگی بسر کرتے ہیں' نیک ہوتے ہیں' عام Ethics کے مطابق ان کا اخلاق بھی اچھا ہوتا ہے۔

مشرقی پاکستان کی داستانِ غم تو سبق آموز داستان ہے

لیکن آپ دیکھتے ہیں اور سیلاب اور طوفان تو ایک طرف رہا' یہی دشمن کے ہاتھوں جو کچھ ہوتا ہے' اس میں کوئی تمیز روا رکھتے ہیں پھر وہ؟ میں پوچھتا ہوں کہ جو مشرقی پاکستان میں ہوا ہے' اس طوفان کے اندر ان گولیوں نے یہ تمیز کی تھی کہ میں جس سینے میں جا کے لگ رہی ہوں وہ نمازی کا سینہ ہے یا شرابی کا سینہ ہے' وہاں کہیں بھی مظلوم اور ظالم کی کوئی تمیز ہوئی ہے۔ وہ عفت مآب ہماری بیٹیاں جو ہزاروں کی تعداد میں کلکتہ کے میدانوں میں جا کے بکی ہیں' اس طوفان نے کچھ بھی تمیز کی ہے ان میں اور بازاری عورتوں کے اندر۔ وَ اتَّقُوۡا فِتۡنَۃً (8:25) اوڈرو اس مصیبت سے جب وہ آیا کرتی ہے تو لَّا تُصِیۡبَنَّ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡکُمۡ خَآصَّۃً (8:25) وہ پھر انہی کو چنا نہیں کرتی کہ جنہوں نے ظلم کیا تھا تمہارے اندر' وہ سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا کرتی ہے۔ اس لیے یہ کہہ کے مطمئن نہ ہو جاؤ کہ یہ ہماری ذمہ داری نہیں ہے' یہ ان لوگوں کی ذمہ داری ہے یہ' وہی سنبھالیں اور اگر یہ اس طرح دھاندلیاں ہو رہی ہیں' حرام زدگیاں ہو رہی ہیں تو ہمیں کیا' خود بھگتیں گے' کہا غلط ہے۔ یاد رکھو! اجتماعی معصیت کا جو عذاب آتا ہے' طوفان آیا کرتا ہے پھر وہ ساری قوم کو لپیٹ لیا کرتا ہے' پھر نہ کہ منزلت باشد نہ مہ را' کوئی نہیں بچا کرتا۔ اس لیے یہ اطمینان اپنے دل میں نہ کر لینا کہ صاحب مجھے کاہے کا ڈر ہے' میں تو بڑا دیانتدار امانتدار رہا ہوں' میں نے تو کوئی ایسی برائی کی ہی نہیں ہے' یہ نہ اپنے ذہن میں فیصلہ کر لینا۔

مکافاتِ عمل کے تحت قوموں کی سطح پر کی گئی بدعملیوں کو انفرادی نیکیاں نہیں بچا سکتیں

اجتماعی نظام کی چیز ہے اس کے اندر' اس لیے یہ دیکھو کہ اس نظام کے اندر کوئی کمزوری نہ آنے پائے پھر تو بچ جاؤ گے تم۔ ورنہ

انفرادی نیکیاں تمہاری' اجتماعی طوفان اور مساعد کو روک نہیں سکتیں۔ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (8:25) یاد رکھو خدا کا قانون جو ہے بڑا سخت گیر واقع ہوا ہے۔ سخت گیری تو ہے ہی۔ بظاہر تو نظر یہ آتا ہے نا کہ صاحب یہ نمازی پرہیز گار' بڑا اچھا نیک' سب کچھ' تو اللہ کو چاہیے کہ ان کو چن چن کے بیچ میں سے نکال لیا کرے۔ وہ کہتا ہے یہ نہیں ہے' اجتماعی زندگی ہے۔ یوں ذرا سا ذہن میں آتا ہے یہ ضرور کہ صاحب یہ تو کچھ دھاندلی سی ہے' دوسری طرف آدمی نہیں دیکھتا کہ جب اچھا نظام ہوتا ہے اس نظام کے اندر کبھی بھی ہم نے سوچا ہے کہ میں نے اس میں کتنا Contribute کیا ہے۔ اس کی جو خوشگواریاں ہوتی ہیں' حسنات ہوتی ہیں' اس کی وجہ سے جو نعمتیں حاصل ہوتی ہیں ترقیاں حاصل ہوتی ہیں ساری قوم کو حاصل ہوتی ہیں۔ اس میں ہم نہیں کہیں کہتے کہ صاحب ہمیں حصہ وافر ملنا چاہیے' میں نے تو اس میں کچھ زیادہ حصہ نہیں لیا تھا۔ وہ تو ہم سب لیتے ہیں کہ ہمارا حق تھا جیسے۔ لیکن جب اجتماعی بدکرداری کی بناء پر اس قسم کی مشکلات آتی ہیں تو اس وقت یہ ذہن میں ہوتا ہے کہ صاحب اس میں دیکھیے نیک بخت بھی خوامخوہ گیہوں کے ساتھ گھن پس گیا۔

خدا کا قانون قوموں کے اعمال کا پیچھا عقاب کی مانند کرتا ہے

اجتماعی نظام میں عزیزانِ من! جو نعمائے خداوندی ملتی ہیں' یہ زندگی کی خوشگواریاں ملتی ہیں' وہ بھی تمام قوم کو ملتی ہیں اور جو قوم کی اجتماعی بدکرداری سے عذاب آتا ہے' دشمن کے ہاتھوں سے' اس میں بھی ساری قوم شریک ہوتی ہے' افراد نہیں بچتے۔ اور اسی سے نظر آ گیا کہ یہ جو ہمیں انفرادی نیکیاں اور انفرادی نجات کا سبق اور وعظ دینے والے آتے ہیں' کس قدر ہمیں مغالطے میں رکھتے ہیں صاحب۔ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (8:25) یاد رکھو خدا کی گرفت بڑی سخت ہوتی ہے وہ پیچھا کرتی ہے۔ عِقاب کا لفظ عجیب ہے' کسی مجرم کا پیچھا کرنا۔ ہمارے ہاں بھی یہ جو مویشی چُرانے والے ہیں اس کے پیچھے وہ سراغ پانے والے ''پیراں دے نشان تو اگے چلدے ہوندے ہیگے نیں'' یہ ہوتا ہے عِقاب۔ مجرم کا پیچھا کرنا اور وہ جہاں بھی ہو اس کو پکڑ لینا' خدا کا عذاب یہ ہوتا ہے۔ ہم آج سورۃ الانفال کی آیت 25 تک آ گئے سلسلۂ کلام اسی طرح سے آگے چلتا جائے گا۔ اور یہ جو ابھی ابھی میں نے یہ بات کی ہے کہ یاد رکھو جب آواز دی جائے گی جان دینے کے لیے تو ایک کشمکش تمہارے سینے میں برپا ہو جائے گی محتاط رہنا اس کشمکش سے۔ اگلی آیتوں کے اندر اس کشمکش کو بتایا ہے کہ یہ کشمکش کس وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ کہا کہ یہ مال کی محبت اور بیوی بچوں کا پیار ہے جو حائل ہوا کرتا ہے درمیان میں۔ لیکن یہ بات ہم آئندہ لیں گے کیونکہ اگلی آیت میں یہ آتا ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

❀.....❀.....❀

چوتھا باب: **سورۃ الانفال** (آیات 26 تا 32)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیزانِ من! آج دسمبر 1972ء کی 17 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ الانفال کی آیت 26 سے ہوتا ہے۔

(8:26)

مکے سے مدینہ ہجرت کر کے آنے والوں کی حالت اور قریش کی طرف سے لشکر جرار کے ساتھ حملہ

اس سورۃ میں ذکر چلا آ رہا ہے جنگِ بدر کا یعنی وہ مقام کہ جہاں حق اور باطل کی مخاصمت دونوں فریقوں کو میدانِ جنگ میں کھینچ کر لے آئی۔ اور ان دونوں کا اگر تقابل کیا جائے تو نظر آ رہا ہے کہ یہ حق کی خاطر میدان میں آنے والی جماعت حالات کے اعتبار سے بڑی ہی کمزور جسے کہیں گے، پناہ گزینوں کی جماعت۔ سن 48-1947ء میں وہ تو پھر بھی یہاں ایسی مملکت میں آئی تھی کہ جہاں پہلے بہت کچھ موجود تھا۔ یہ جماعت تو ہجرت کر کے مدینے میں گئی تھی، وہاں چند لوگ افراد مسلمان ہوئے تھے اور وہ بھی کسی اعلیٰ پوزیشن کے مالک نہیں تھے۔ کل تعداد تین سو کے قریب، ہتھیار بھی پاس پورے نہیں تھے، سامانِ جنگ بھی پاس نہیں تھا، آ کے بیٹھے بھی نہ تھے کہ قریش نے پورے ایک لشکرِ جرار سے، اس زمانے کے معیار کے مطابق ساز و سامان اور اسلحہ سے لیس، حملہ کر دیا۔ اور یہ وہ وقت تھا جہاں یہ کہا گیا کہ اب فیصلے کی گھڑی آ گئی ہے۔ وہ جو میں نے کہا تھا کہ

ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی

ان سے کہا گیا تھا اب زندگی جان دے کر حاصل کرنی ہوگی۔ اس انداز سے یہ میدان میں آئے تھے اور اس مقام پہ یہ کہا گیا تھا کہ یاد رکھیے افراد اور اقوام کی زندگی میں ایک وقت ایسا آ جاتا ہے کہ۔

قدرت کی طرف سے مشکل سے مشکل مقام سے آسانی کے ساتھ گذر جانے کے لیے ایک جذبۂ محرکہ کی نشاندہی

وَ اعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ (8:24) وہاں اکثر اوقات یہ ہوتا ہے کہ ایک طرف جرأت اور مردانگی کا تقاضا ہوتا ہے دوسری طرف انسان کے لطیف جذبات ہوتے ہیں ان کی کشش ہوتی ہے اور اس کشمکش میں انسان کا فیصلہ گھر جاتا ہے۔ یہ بڑا نازک مقام ہوتا ہے اور یہاں وہی لوگ اس مقام سے آسانی سے گذر سکتے ہیں جو خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل پر یقینِ کامل رکھیں اور انہیں یہ معلوم ہو کہ طبعی زندگی کے چلے جانے کا نام موت نہیں ہے بلکہ یہ اس سطح زندگی سے ایک بلند سطح زندگی پر پہنچنے کا دروازہ ہے۔ وہی لوگ اس مقام پر جرأت اور مردانگی سے کام لے سکتے ہیں ورنہ انسان کے جذبات اور اس پست زندگی کی کششیں اور جاذبیتیں انہیں اپنی طرف کھینچ لیتی ہیں اور وہ حق سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ اور کہا کہ یاد رکھو اگر ایسی کیفیت پیدا ہوئی تو پھر یہ نہ سمجھنا کہ یہ سیلابِ بلا آئے گا' وہ تم میں سے صرف انہی لوگوں تک محدود رہے گا کہ جنہوں نے ظلم اور زیادتیاں کیں۔ اجتماعی زندگی میں جو اس قسم کے سیلاب آیا کرتے ہیں وہ یہ نہیں پھر پوچھا کرتے کہ مسجد کونسی ہے اور مندر کونسا ہے' نیک کونسا ہے اور بد کونسا ہے' وہ پوری کی پوری قوم کو بہا کے لے جایا کرتی ہے۔ احتیاط برتنا۔ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ (2:196) یاد رکھو خدا کے قوانین کی نگہداشت کرنا ورنہ ایسی صورت پیدا ہو جائے گی۔ بعد کی زندگی میں اس واقعہ کی یاددہانی کراتے ہوئے یہ کہا کہ

قوم کی کمزور حالت افراد کو ہمیشہ خوف وحزن میں مبتلا رکھتی ہے

وَ اذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَ اَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (8:26) تم اپنی زندگی کے اس دور کو یاد کرو اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ (8:26) پہلی چیز تو یہ کہ تعداد کے اعتبار سے بہت ہی کم تھے تم مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ (8:26) ملک میں بڑے ہی کمزور کر دیے گئے تھے۔ تعداد بھی کم' قوت بھی بہت تھوڑی' بہت کمزور۔ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ (8:26) ہر وقت تمہیں دھڑکا لگا رہتا تھا کہ یہ زبردست قوتیں تمہیں اچک کر نہ لے جائیں۔ یہ عجیب لفظ ہے۔ یہ پرندوں کے چھوٹے چھوٹے بچے جو ابھی اڑنا بھی نہیں سیکھ پاتے' انہیں جس طرح سے یہ چیلیں اور گدھ اور عقاب اور شاہیں جھپٹ کر لے جاتے ہیں' اس کے لیے یہ لفظ آتا ہے کہ ہر وقت تمہیں یہ ڈر ستا رہا تھا کہ کہیں ہمیں اس قسم کے قوت والے' یہ طاقتیں بڑی بڑی اچک کر نہ لے جائیں۔ کیفیت تمہاری ایک ایسے بے بال و پر چھوٹے سے بچے کی سی تھی کہ جو اپنی حفاظت نہ وہاں بیٹھا ہوا کر سکے' نہ اڑ کے کسی محفوظ مقام پر پہنچ سکے۔

وحی کا ایک ایک لفظ خود خدا کی طرف سے ہی انتخاب کردہ ہوتا ہے

کیسا عجیب جامع لفظ ہے۔ کیفیت تمہاری یہ تھی' ایسے وقت میں فَاٰوٰىكُمْ (8:26) پہلی چیز تو یہ کہ تمہیں پناہ کا سامان دیا' ایسا مقام دیا اک پناہ گاہ تمہارے لیے دیدی جہاں پہنچ کے تم محفوظ ہو جاؤ۔ یہ لفظ بھی جو ہے' میں ہر درس میں اس بات کو دہراتا ہوں' قرآنِ کریم کے سمجھنے کے لیے عربی زبان کے جو الفاظ کا انتخاب کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اور یاد رکھیے یہ الفاظ بھی خدا کی طرف سے وحی کردہ ہیں۔ ان الفاظ کا جو انتخاب کیا ہے یہ بڑا ہی غور طلب ہے۔ عربی زبان اتنی وسیع زبان ہے کہ اس میں تو ایک ایک بات کے لیے سینکڑوں الفاظ' مرادفات میں ملتے ہیں۔ ان سینکڑوں میں سے اور بعض اوقات تو ہزاروں ہوتے ہیں ان میں سے فلاں مقام پہ اس قرآن میں یہ فلاں لفظ کیوں آیا ہے چن کے۔ یہ چیز اگر آپ کے سامنے ہو تو پھر آپ اس کی حقیقت تک بھی پہنچ سکتے ہیں اور میں کہونگا کہ اس سے پھر یہ بھی حقیقت معلوم ہو سکتی ہے کہ یہ کتنی عظیم اور بلند کتاب ہے' اس نقطۂ خیال سے بھی کہ اپنے مقصد کے اظہار کے لیے اس میں الفاظ کونسے چنے ہیں۔

خدا تعالیٰ کی طرف سے لفظ پناہ کا استعمال ایک عظیم حقیقت کا ترجمان ہے

فَاٰوٰىكُمْ (8:26) یہ معنی تو ہمارے ہاں یہی کیے جائیں گے تمہیں پناہ دی۔ لیکن پناہ کی تو بہت سی شکلیں ہوتی ہیں۔ یہ اس قسم کی پناہ ہوتی ہے اور غور کیجیے یہیں سے اسلام کی اجتماعی زندگی کا ایک نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ یہ باہر چرنے چگنے کے لیے بھیڑوں کا گلہ جاتا ہے۔ کوئی بھی گلہ جو جاتا ہے ان کے اندر کوئی اور تو نہیں ہوتے جو ان کی حفاظت کر رہے ہوتے ہیں۔ اسی گلے میں سے ایک بھیڑا لگ ہو جاتی ہے۔ اس کو ہر بھیڑیا جھپٹ کے لے جاتا ہے لیکن جب وہ گلے کے اندر ہوتی ہے تو گلے کے اندر رہنا ہی ان کی تقویت اور حفاظت کا موجب بن جاتا ہے۔ فرد جماعت کے اندر اگر رہتا ہے' جماعت کسے کہتے ہیں کوئی قلعہ ہوتا ہے' کوئی فوج ہوتی ہے' بالکل ایک جیسے افراد ہوتے ہیں۔ ایک فرد اگر تنہا ہوتا ہے تو اسے کہا یَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ (8:26) اچک کر لے جاتے ہیں۔ وہی فرد افراد جمع ہو کر ایک جماعت بن جاتی ہے۔ ہر ایک اس میں محفوظ ہو جاتا ہے' جماعت کے اندر رہنے سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

قوموں کی قوت کا مدار افراد کی بجائے جماعت پر منحصر ہوتا ہے

یہ عجیب Phenomena ہے سائیکولوجی کا کہ یہی افراد جب ایک جماعت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں تو جیسا میں نے پچھلے درس میں بھی کہا تھا ان کی قوت ان افراد کی گنتی کے اعتبار سے مجموعی حاصل جمع نہیں ہوتی۔ ایک فرد کی قوت اگر دس گنیئے اور دس فرد جمع ہو کے جماعت بن جائیں تو ان کی قوت سو نہیں ہوتی' ہزاروں گنا زیادہ بڑھ جاتی ہے صاحب۔ یہ ہے ایک بھیڑ کا گلے کے اندر مل جانا' ایک فرد کا جماعت کے اندر مل جانا۔ فَاٰوٰىكُمْ (8:26) کا لفظ اس معنی میں ہوتا ہے۔ اس کے معنی ہوتا ہے ایک فرد کا ایک جماعت کے اندر شامل ہو جانا اور اس شمولیت سے اس کو جو حفاظت حاصل ہوتی ہے یہ ہے جسے یہ کہا گیا ہے۔

انسانی معاشرے میں جنت کا حصول یا انفرادی نجات کی مروجہ سوچ' یہ سب غیر قرآنی تصورات ہیں

آپ کو معلوم ہے قرآنِ کریم میں جنت کے لیے جَنَّةُ الْمَاْوٰی (53:15) کا لفظ آیا ہے' الْمَاْوٰی (53:15) وہیں سے ہے۔ جنت افراد کے لیے نہیں ہوتی' فرد نہیں ہوتا' قرآنِ کریم میں جنت میں جانے کے لیے زمر کہا گیا ہے۔ جماعت در جماعت امم کہا گیا ہے۔ یہ کہا گیا ہے کہ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ .وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ (89: 29-30) میرے بندوں کے اندر شامل ہو جاؤ اور یوں جنت میں چلے جاؤ۔ یہ جنت کونسی ہے کیوں اس کو جَنَّةُ الْمَاْوٰی (53:15) کہا گیا ہے وہ تو اسی سے ہے' فَاْوٰکُمْ (8:26) سے ہی ہے۔ جماعت کے اندر داخل ہو جانا' ان میں کا ایک ہو جانا۔ بس جماعت کے افراد میں شامل ہوا اور اگر وہ افراد ہیں جنہیں قرآن نے عبادی کہا ہے' یہ جو میرے سوا کسی کی محکومیت کو تسلیم نہیں کرتے' ان میں سے ہو جا اور جنت میں داخل ہو جا۔ غور فرمایا آپ نے کیسا عجیب طریق ہے۔ یہ سارے تصورات جو انفرادی نجات کے ہیں ان کی تردید کر دیتا ہے قرآن کا یہ فرق۔ مذہب میں انفرادی نجات کا تصور ہوتا ہے۔ ایک ایک فرد اپنی اپنی جگہ بیٹھا ہوا نیک کام کرتا ہے' عبادتیں کرتا ہے' تزکیۂ نفس کرتا ہے' خانقاہوں میں مصلوں پر بیٹھا ہوا ہر فرد اپنی اپنی نجات کی فکر کر رہا ہوتا ہے۔ ہر فرد کو بھیڑیے اچک کے لے جاتے ہیں۔ اور یہی افراد اگر ایک نظام کی تسبیح میں پروئے ہوئے دانے بن جائیں' ایک گلے کے اندر رہنے والی کمزور ہی کیوں نہ ہوں' یہ اگر کیفیت ہو جائے ان کی جو ہم آہنگ ہوں خدا کی محکومیت کے تابع زندگی بسر کرنے والے افراد' جب ایک جماعت کی حیثیت اختیار کرتے ہیں تو اسے جَنَّةُ الْمَاْوٰی (53:15) کہا ہے قرآن نے۔

مذہب تو ایک انفرادی چیز ہے لہٰذا اس کرہ ارض پر جب بھی قرآن حکیم کا ظہور ہوا تو وہ صرف ایک نظام کے ذریعے' مملکت کے ذریعے ہی ہوگا

دیکھا آپ نے کہ یہ الفاظ کتنے عجیب وغریب ہیں' سارا بنیادی تصور جو ہے اسلام کا بحیثیت ایک دین ہونے کے' وہ سامنے لے آتے ہیں۔ یہی عظیم حقیقت ہے جو اسلام میں آ کے تکمیل تک پہنچی ہے کہ یہاں انفرادی چیز نہیں' یہ اجتماعی چیز ہوگئی ہوئی ہے۔ یہ تو اس اجتماعی تصور کو نگاہوں سے اوجھل کرنا تھا جو اس کے بعد آپ کے سامنے پھر یہ مذہب کے رنگ میں اسلام کو پیش کیا۔ اب افراد آنے شروع ہو گئے' خواہ وہ ایک ایک فرد اپنی اپنی نجات ڈھونڈ رہا ہے یا ان کے اندر ایک ایک فرد کہیں مجدد بن رہا ہے' لیکن مامور بن رہا ہے' کہیں ولی اللہ بن رہا ہے۔ کبھی قطب ہے' کبھی غوث ہے' کبھی ابدال ہے' فرد ہیں۔ یہ مذہب کا تصور ہے۔ اسلام جب بھی دنیا کے اندر آئے گا جماعت کے ذریعے آئے گا' نظام کے ذریعے آئے گا' مملکت کے ذریعے آئے گا۔ فرد اکیلے اکیلے اس کے اندر کچھ نہیں بن سکتے۔ ساری چیزیں عجمی تصورات کا نتیجہ ہیں عزیزانِ من!۔ جماعت ہے اس کی جنت' جَنَّةُ الْمَاْوٰی (53:15) ہے اس میں فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ (89:29) پہلی شرط ہے اس کے اندر۔

تراجم کے ذریعے قرآن حکیم سمجھ میں آ ہی نہیں سکتا لفظ فَاٰوٰکُمْ کا مفہوم

آپ غور فرماتے ہیں' قرآن نے کیوں جنت کے لیے یہ شرط قرار دی حالانکہ ہر فرد اپنے طور پہ' ہمارے مذہبی تصور کے مطابق وہ سمجھتا ہے کہ میں نیک کام کر رہا ہوں' جنت میں چلا جاؤنگا۔ وہ کہتا ہے سوال ہی نہیں ہے' یہاں تو عبادی کے ساتھ ملنے کے بعد وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ (89:30) ہے۔ میں بات کہہ رہا تھا لفظ فَاٰوٰکُمْ (8:26) سے' ہم نے تمہیں پناہ دی۔ میں نے کہا ہے کہ ترجمے ہمارے ہاں کے جو اردو کے ہیں یہ صحیح تصور مفہوم قرآن کا نہیں لا سکتے' یہ پناہ دینا نہیں ہے۔ کہا کہ ہم نے یہ جو الگ الگ بھیڑیں پھر رہی تھیں' ان کو گلے کے اندر شامل کر دیا۔ وَ اَیَّدَکُمْ بِنَصْرِہٖ (8:26) اور اس طرح سے اس نے ان لوگوں کی تقویت کا سامان بہم پہنچا دیا' یہ خود طاقتور ہو گئے۔ اکیلا تھا تو کمزور تھا جیسے دو مل گے گیارہ بنے ''یاراں جنوں کیندے ہیگے نیں'' وہ دس گنا طاقت ان کی ہو گئی اَیَّدَکُمْ (8:26)۔ اور اس کے بعد کیا کیا۔ دیکھیے کہ یہ آسمانوں کی بلندیوں کے اوپر آپ کو نہیں اڑاتا' زمین کے اوپر آپ کے پاؤں رکھتا ہے اور جب اس نے کہا تھا وَ لَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ (2:36) کے معنی یہ تھے کہ اس زمین کے اوپر تم نے ایک وقت مقررہ کے لیے رہنا ہے' مستقر ہے تمہارا یہ اور یہ متاع ہے تمہارے لیے ایک وقت تک کے لیے۔

انسانی زندگی کے متعلق مذہب کی پیدا کردہ سوچ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے متاعِ حیات کی نوعیت

مذہب ہمیشہ آپ کو آسمانوں کی باتیں بتائے گا۔ ہمیشہ آپ کو اگلی دنیا کی بات بتائے گا۔ دین آپ کو یہاں کی دنیا کی بات بتا کے اس کو خوشگوار بنا کے پھر اگلی زندگی میں پہنچائے گا۔ اسی لیے جب یہ کہا کہ اس قسم کی پناہ دی' ایک جماعت تمہاری بنا دی' پھر تقویت کا سامان پہنچایا۔ اس کے بعد ہے' کہا وَ رَزَقَکُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ (8:26) سامانِ زندگی بہم پہنچایا تمہیں۔ پہلی شرط جنت کی یہ ہے سامانِ زیست' بس فرق یہ ہے مِّنَ الطَّیِّبٰتِ (8:26) رزقِ حلال دیا' رزقِ طیب دیا۔ دوسرے مقام پہ جنت کے متعلق رزق کریم آیا ہے (8:4) عزت کی روٹی دی۔ اور یہ بڑی بات ہے عزیزانِ من! روٹی تو ملتی ہی ہے بہر حال لیکن رزق کریم جو ہے وہ خدا کے قوانین کے تابع زندگی بسر کرنے سے ہی ملتا ہے' مومن کو رزقِ کریم ملتا ہے۔ اور وہ چیز جو اس نے کہی ہے کہ

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

رزق کریم اور من الطیبٰت جو قرآن نے کہا ہے یہ وہ رزق ہے کہ جس سے پرواز میں کوتاہی نہیں آتی بلکہ اس میں اور تقویت پیدا ہو جاتی ہے اور فضاؤں کی بلندیوں میں یہ طائر لاہوتی پہنچ جاتا ہے۔ دیکھا طائر لاہوتی کہہ کے بات کیا کی ہے کہ تیرا آشیانہ' تیرا کاشانہ' تیرا مقام بہت بلندیوں کے اوپر ہے لیکن رزقِ کریم ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے تیرے بازوؤں میں اتنی طاقت آ سکتی ہے کہ تو ان بلندیوں کے اوپر پہنچ جائے۔ یہ چیز اگر نہیں ہے تو دانہ دنکا تو تمہیں ملے گا لیکن ان خاک کی پستیوں کے اوپر تو رہے گا' بلندیوں کے اوپر نہیں جا سکتا۔ وَرَزَقَکُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ (8:26) کا ہے کے لیے لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ (8:26)

مذہبی دنیا میں لفظ شکر کے محدود تصور کے برعکس اس کا حقیقی مفہوم ایک عظیم پروگرام کی نشاندہی ہے

یہ سارا کچھ کاہے کے لیے کیا گیا' ترجمہ ہمارے ہاں ہوجائے گا تاکہ تم شکر کرو' جب روٹی کھائی 'یا اللہ تیرا شکر الحمدللہ' چل بھئی۔ اب یہ سارا پروگرام بدر کا میدان اتنی بڑی تقویت کا سامان' اس قدر ایسی عجیب پناہ' یہ سارا کچھ رزق طیب یہ اتنا سارا کچھ' کاہے کے لیے' تاکہ تم اس کے بعد روٹی کھا کے کہو کہ یا اللہ تیرا شکر' الحمدللہ۔ اس کے سوا ترجمہ کوئی نہیں ہے آپ کے ہاں' جہاں قرآن میں یہ الفاظ آئیں۔ یہ سارا کچھ بظاہر نظر آتا ہے کہ بہرحال یہ مقصود بالذات تھی یہ چیزیں' یعنی غیر محسوس زندگی کی پناہ مل گئی' کمزور تھے قوت مل گئی' بھوکے تھے روٹی مل گئی' اب اور کیا چاہیے۔ منتہائے نگاہ آپ کا روٹی کپڑا اور مکان ہے نا' یہی ہے نا انتہا۔ وہ یہ کہتا ہے **لَعَلَّكُمْ** یہ انتہا نہیں یہ ذرائع ہیں تاکہ تم **تَشْكُرُوْنَ** شکر الحمدللہ کہہ سکو۔ دیکھتے ہیں کہاں لے آئے ہیں آپ کو یہ' قرآن تو آپ کے سامنے رکھا انہوں نے لیکن یہ قرآن رکھا جس کے معنی یہ کہ سب کچھ اس لیے کہ شکر الحمدللہ کہہ سکو۔ میں نے بتایا ہوا ہے کہ خود عربی زبان میں شکر کے معنی ہوتا ہے تاکہ تمہاری محنتیں' تمہاری سعی و کاوش بھرپور نتائج پیدا کر سکے۔ اس کے معنی ہوئے کہ نتائج کچھ اور ہیں' یہ ساری چیزیں جو دی گئی ہیں یہ ذرائع ہیں' سامان ہیں کوئی نتائج پیدا کرنے کے۔ دیکھتے ہیں کہاں لے جاتا ہے قرآن۔ جس مقام کو آپ نے منزل سمجھا ہے' وہ اُسے بھی راہگذر قرار دیتا ہے' منزل نہیں ہے یہ۔

ہر اک مقام سے آگے مقام ہے تیرا
حیات ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں

یہاں تو منزل ہے ہی نہیں عزیزانِ من! یہ تو راستہ ہے۔ اسی لیے اس کو **اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ** کہا ہے دنیاوی زندگی کو' منزل نہیں کہا ہے صرف صراط کہا ہے' راستہ ہے۔ یہ سارا کچھ جو منتہا ہوسکتا ہے' مقصود ہوسکتا ہے' آخری منزل ہوسکتا ہے۔ اس دنیا کے ہر معیار کے مطابق اتنا کچھ مل گیا اور چاہیے کیا' پناہ ملے' تقویت ملے' طاقت ملے' رزق ملے' راوی عیش لکھتا ہے۔ وہ کہتا ہے غلط ہے' راستہ ہے یہ منزل نہیں ہے۔ **لَعَلَّكُمْ** تاکہ تمہاری محنتیں تمہاری کاوشیں تمہارا سعی و عمل بھرپور نتائج پیدا کرے۔ یہ ساری چیزیں کسی نتیجہ پیدا کرنے کے لیے ہیں۔

پروگرام کی تکمیل کے دوران احتیاط کو یقینی طور پر پیش نظر رکھنے کی تلقین

تو بات ہوئی نا کہ پروگرام یہ ختم نہیں ہوا بلکہ یہ سامان اکٹھا ہوا ہے' کوئی اور نتیجہ پیدا کرنے کے لیے۔ اور نتیجہ وہ بتا دیا کہ دنیا میں اقدارِ خداوندی کو مسلط کرنا اور انسانی معاشرے کو اس کے مطابق ڈھالنا' یہ ہے مقصود یہاں کا۔ یہ کرنے کے بعد تاکہ اس زندگی سے بلند تر ارفع تر زندگی جو ہے اس کے قابل بن سکے۔ اس کے لیے پھر وہ بات آئی۔ یہ سب کچھ دیا اب آگے دیکھئے کیا کہتا ہے' احتیاط برتنا۔ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ** (8:27) یہ ہے جی عجیب چیز آ گئی۔ یاد رکھو! نظام خداوندی قائم ہوا خدا کا نظام جو اس کے رسول کے ہاتھوں قائم ہوا' پہلی یہ چیز کہ اپنے اس نظام سے خیانت نہ برتنا۔ پہلا قدم یہ بتایا

اتنا کچھ دینے کے بعد' پروگرام اگلا یہ ہے اس نظام سے خیانت نہیں برتنا' اس سے غداری نہیں کرنا' بغاوت نہیں کرنا۔ خیانت کا لفظ ہے' خیانت نہیں برتنا۔ یہ اصل میں یہ خیانت ہوتا ہے کہ کسی پر پورا بھروسہ کیا جائے اور وہ اس بھروسے میں دغا دے جائے۔ یہ نظام جسے آپ کہتے ہیں کوئی آسمان سے اتری ہوئی چیز ہے' یہی افراد آپس میں طے کرتے ہیں کہ ہم نے اس طریق کے مطابق زندگی بسر کرنی ہے' اسی کو نظام کہتے ہیں نا۔ یہ ایک دوسرے پہ پورے Trust اور Confidence کے اوپر ہوتا ہے۔

لفظ Faith کے معنی بھروسہ کرنے کے ہوتے ہیں' خیانت نہ کرنے کے ہوتے ہیں

یہی جو Trust اور Confidence کا میں نے لفظ کہا ہے عجیب چیز ہے یہ۔ اگرچہ آپ کے ہاں ایمان کا ترجمہ وہ Faith کیا جاتا ہے' Faith کا تصور ہی آپ کے ہاں اور ہوتا ہے۔ ذرا وہ مذہبی اصطلاح سے Faith کو ہٹا کے' ادھر آجائیے۔ اس کے معنی ہی بھروسے کے ہوتے ہیں' اعتماد کے ہوتے ہیں۔ خیانت یہ ہوتا ہے کہ جس کے اوپر آپ کو پورا اعتماد ہو' وہ عین اس وقت دغا دے جائے کہ جب اس کے دغا دینے سے آپ کی محنت برباد ہو رہی ہو۔ یہ آج اب تو ہمارے ہاں واٹر سپلائی کا سسٹم ہے۔ وہ جو کنوؤں سے چرخی سے پانی نکالتے تھے بھرا ہوا ڈول نیچے سے پانی کا کھینچ رہے ہیں آپ' آپ کو یاد ہے کہ وہ پانی کی کشش اس ڈول کو نیچے لے جا رہی ہوتی ہو' آپ کا ہاتھ اس کو اوپر لے آ رہا ہوتا ہے۔ بھروسہ ہوتا ہے اس رسی کے اوپر جس کے ذریعے سے آ رہا ہوتا ہے' عین درمیان میں آ کے آپ سوچیے کبھی آپ کو اتفاق ہوا ہو اس کا پانی نکالنے کا اور درمیان میں آ کے وہ رسی ٹوٹے اور ڈول نیچے جائے تو دیکھیے آپ کا اوپر کیا حشر ہوتا ہے۔ اسے خیانت کہتے ہیں عربی زبان میں' اس طرح درمیان میں رسی کا یوں ٹوٹ جانا۔ کہا نظام کے خلاف خیانت نہ کرو' تمہارے بھروسے کا نام تو نظام ہے ورنہ نظام کس چیز کا نام ہوتا ہے۔ اور اس کے لیے یہ تو ایک عظیم چیز ہے نا' اجتماعی چیز ہے اس کے لیے کرو کیا یا یہ ہوگا کیسے۔ اگلی چیز۔ وَ تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ (8:27) جو جو چیزیں In Confidence تمہارے سپرد کی جائیں' یہ پھر امانت کا لفظ وہی آیا پھر وہی امن کی چیز ہے پھر وہیں سے ایمان ہے۔ تو میں نے کہا ہے نا کہ ہم تو یہ ایمان کے متعلق ہمیں ایسا کچھ ایک طرف ڈال دیا ہے جو نہی ایمان آیا ذہن میں' Faith آیا اور اس کے معنی ہوا کسی بات کو یوں مان لینا بغیر کسی دلیل کے' بصیرت کے۔ بس اس کا نام ایمان Faith ہو گیا۔ یہ تو امن کی چیز ہے یہ تو ایک ایسا یقین ہے جس سے تمہیں خود امن نصیب ہو جائے' تذبذب' اضطراب' شکوک' سب چیزیں نکل جائیں' With Full Confidence جسے آپ کہتے ہیں۔ یہ کیفیت تمہاری ہو جائے کہ یہ مجھے دغا نہیں دے گا۔ یہ نظام مجھے منزلِ مقصود پہ پہنچا دے گا۔ یہ ہوتا ہے ایمان۔ بنیادی طور پر یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے اس کے معنی عبرانی زبان میں ہیں ہی تیقن کے' یقین کے معنی ہیں اس کے۔

لفظ آمین کا حقیقی مفہوم

یہ جو عبرانی زبان کا لفظ آمین ہے نا ہمارے ہاں' قرآن میں تو یہ ہے نہیں۔ یہ لفظ وہیں سے ہے۔ اس کے معنی جو ہم کرتے ہیں نا کہ ایسا ہی ہو' یہ معنی نہیں ہوتے۔ وہ ایک آرزو کو بیان کرتا ہے جسے آپ دعا کہتے ہیں' آمین والا کہتا ہے یقیناً ایسا ہوگا' یہ تھے اس کے

معنی۔ یہ ایمان ایک یقین کا نام ہے ایسا ہو کر رہے گا' بھروسے کا نام ہے' اعتماد کلی کا نام ہے' Confidence کا نام ہے' Trust کا نام ہے۔ اور اس کے دو نتائج ہوتے ہیں، یہ فرد' یہ شخص جو ہے اس کو یہ یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ جس راستے پہ میں جا رہا ہوں' یہ منزل مقصود پر پہنچا دے گا' بڑا بھروسہ ہے۔ باقی افراد جو ہوتے ہیں جماعت کے' اس نظام کے' ان کو بھروسہ ہوتا ہے کہ مجھے کوئی دغا نہیں دے جائے گا۔ خود اس نظام پہ بھروسہ ہوتا ہے کہ کل کو یہ کچھ اور ثابت نہیں ہو جائے گا' پورا کامل ان کو بھروسہ ہوتا ہے۔

المومن یعنی جس پر ہر کوئی مکمل طور پر بھروسہ کر سکے

اور اگلی چیز عزیزانِ من! المؤمن وہ ہوتا ہے کہ ساری دنیا کو اس پہ بھروسہ ہوتا ہے کہ ہمیں یہ دغا نہیں دے گا۔ مومن کے معنی ہوتا ہے امن کا پیام دینے والا' امن کی ضمانت دینے والا۔ ہم نے اس کا معنی ہی ایمان لانے والا سمجھ لیا۔ خدا نے اپنی صفت کہی ہے المؤمن' المؤمن المھین الجبار المتکبر۔ یہ دیکھا ہے سورۃ حشر میں آپ نے یہ خدا المومن پھر کیسے ہوا اگر اس کے معنی خدا پر ایمان لانے والا تو خدا اپنے آپ کو کہتا ہے مومن۔ اس کے معنی ہیں امن کی ضمانت دینے والا۔ تو مومن خود امن میں ہوتا ہے اپنے افراد کے ساتھ جن میں رہتا ہے' ان کی طرف سے اسے امن ہوتا ہے اور پوری دنیا کو امن کی ضمانت دیتا ہے۔ اس کے خلاف جو چیز ہے وہ خیانت ہے۔ امانت کے معنی ہیں ہر وہ چیز جو کسی پر بھروسہ رکھ کے اس کے سپرد کی جائے۔ کہا کرنے کی بات یہ ہے کہ جو چیزیں بھی اس نظام میں' اس حکومت میں تم پہ بھروسہ کر کے تمہارے سپرد کی جاتی ہیں' ان میں خیانت نہ کرنا۔ یہ جتنی Powers Deligate کی جاتی ہیں' یہ جنہیں آپ گورنمنٹ سرونٹ کہتے ہیں' اقتدار سنبھالنے والے ان کے عمال جو نیچے ہوتے ہیں۔ کسی طرح سے بھی جن کا کوئی حصہ ہوتا ہے اس نظام کے اندر' جو جو چیز ان کے سپرد کی جاتی ہے' وہ اس بھروسے کے ماتحت سپرد کی جاتی ہے کہ یہ امانت دار ہونگے' دیانتدار ہونگے' امین ہونگے۔

قرآنی نظام حیات کے سلسلہ میں سب سے پہلے اہم چیز بھروسہ ہے اور امانت ہے

کہا اس بھروسے کو ٹھیس نہ لگنے دینا' دیکھنا تمہارے بھروسے پہ یہ چیز تمہارے سپرد کی جا رہی ہے۔ اور میں نے کہا ہے' سپرد کی جا رہی ہے۔ قرآن نے تو پہلا قدم یہاں اٹھایا ہے کہ سپرد کرتے وقت یہ دیکھو اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (4:58) پہلی چیز تو یہ۔ خدا حکم دیتا ہے تمہیں اب اگلے الفاظ جو ہیں اس کا عام ترجمہ یہ کر دیا اور اس کا' انفرادی بنا دیا کہ امانت اگر کوئی تمہارے پاس رکھ دیتا ہے تو اس کو لوٹا دیا کرو' ٹھیک ہے' لیکن یہ تو بڑی ایک انفرادی سی چیز ہے' چھوٹی سی چیز ہے' بات تو بہت بڑی کہہ گیا ہے قرآن۔ قرآن یہ کہہ گیا ہے کہ یاد رکھو امانات جو ہیں تمہارے پاس یہ جتنی چیزیں ہیں' یہ امت کی امانت تمہارے پاس ہے' صاحبِ اقتدار کو وہ یہ کہتا ہے تمہارے باپ دادا کی جاگیر نہیں جو تمہیں ملی ہوئی ہے۔ یہ تمہاری جماعت جو ہے' یہ امت جو ہے' یہ قوم جو ہے' یہ ملت جو ہے' یہ اس کی امانتیں تمہارے پاس ہیں یہ جسے تم اقتدار کہتے ہو۔ اب اس اقتدار کو تم نیچے Deligate کر رہے ہو' نیچے لوگوں کو دے رہے ہو تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا اسے دو جو اس کا اہل ہے۔ پہلے تو ان کے متعلق بات ہو گئی۔ یعنی اس اقتدار کو امانت کہنا۔

قرآن حکیم نے مملکت کے اقتدار کو قوم کی امامت قرار دیا ہے

عزیزانِ من! ایک ایک لفظ کے انتخاب میں قرآن اپنی ساری اصولی ہدایت کو دے جاتا ہے۔ کبھی کسی صاحبِ اقتدار نے یہ سمجھا ہے کہ یہ امانت ہے میرے پاس' میں امین ہوں اس کا۔ اقتدار کو امانت کہا۔ قوم سے یہ کہا کہ یاد رکھو یہ تمہاری چیز ہے' تم لگے ہو دینے کسی کو یہ' اس کے سپرد کرنے لگے ہو تھوڑے وقت کے لیے۔ کس کے سپرد کرو' اِلٰٓی اَھۡلِھَا بڑا جامع لفظ ہے کوئی لمبی چوڑی تفصیل نہیں دی' ہر اعتبار سے اس کا اہل ہونا چاہیے نا۔ پہلی چیز تو یہ دی۔ جس کو دی اسے کہا وَ تَخُوۡنُوۡۤا اَمٰنٰتِکُمۡ جو امانت تمہارے سپرد کی گئی ہے اس میں خیانت نہ کرنا' اُنہیں یہ کہا گیا۔ یہ ہے ساری چیز نظام کی۔ من حیث الکل نظام کے خلاف خیانت نہ کرنا' جن افراد کے پاس کوئی چیز اقتدار کی یا اس امانت کی موجود ہے' قوم سے کہا گیا ہے کہ امانت اس کے حوالے کرنا جو اس کا اہل ثابت ہو۔ اور یہی چیز ہے اسلام کے نظام کے اندر کہ جس وقت بھی قوم یہ دیکھے کہ یہ اس کے اہل نہیں رہا ہے یہ قوم کی چیز تھی جو اس نے دی ہے' اس کو واپس لے سکتی ہے۔ یہ تُؤَدُّوا کا لفظ جو ہے اس کے معنی یہ ہیں اپنی چیز کسی دوسرے کو دینا۔ یہ تمہاری تھی تم نے دی تھی' امین سمجھ کے دی تھی امانت تھی'

کسی چیز کا بطورِ امانت حاصل کرنا اور پھر اسے بطورِ امانت واپس کرنا' یہی ایمان کا ثبوت ہے

ٹھیک ہے دیتے وقت بھی اس چیز کا اطمینان کر لو کہ یہ اہل ہے اور اس کے بعد ٹھیک ہے جب بھی دیکھو کہ اہل نہیں رہا تو تمہاری چیز تھی' واپس لے لو۔ انہیں کہا واپس لے لو' اُنہیں کہا یہ امانت تھی' یہ تمہاری ملکیت نہیں ہو گئی تھی۔ تو امانت کا تو کہا ہے نا کہ جب بھی امانت والا مانگے اس کو واپس دو اس کو۔ واپس دیدو کوئی جھگڑا ہی پیدا نہیں ہوتا عزیزانِ من! ۔ بشرطیکہ اُسے امانت سمجھا جائے باپ دادا کی جائیداد نہ سمجھا جائے' ملکیت نہ سمجھا جائے یہ چیزیں ملکیت کی ہوتی نہیں ہیں۔ وہ تو جان کے متعلق بھی یہ چیز کہتا ہے کہ

جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اتنے وقت کے لیے جو اس نے اتنی بڑی چیز تھی کچھ اس کا بھی مجھے حساب دینا چاہیے تھا نا' میں نے آخر میں تو وہی لوٹا دی ''جناں کسے نوں دتا جائے اونوں اوناں ای دتا جائے''۔ وہ کہتا ہے کہ میں اس جان کے ساتھ دوں کیا' عجیب بات کہہ جاتا ہے یہ شخص کہ یہ اس نے مجھے دی تھی جو جان دی تھی اس سے میں نے بہت کام لیا' بڑے فائدے ہوئے' زندگی حاصل ہوئی۔ واپس دیتے وقت چاہیے یہ تھا کہ ''میں کوئی نیوندرا دینداا ونوں''' لیکن میرے پاس تو اس سے زیادہ کچھ چیز تھی نہیں' اس لیے میں نے یہی لوٹا دی اور اس جان دینے میں یہ سمجھنا کہ میں نے اس پہ کوئی احسان کیا ہے تو کہا تو نے تو اتنا بھی نہیں کیا کہ ساتھ کچھ دے سکے' تیرے پاس ہی کیا تھا۔ کیا باتیں یہ لوگ کہہ جاتے ہیں۔ اس لیے کہا کہ یہ امانت ہے' واپس لوٹاؤ۔ وَ اَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ (8:27) تمہیں پتہ ہے کہ یہ امانت ہے میرے باپ دادا کی نہیں تھی۔ بڑی چیز ہے وَ اَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ سب جانتے ہیں یہ۔ اب یہاں وہ مقام آیا جہاں کہا تھا کہ ایسے مقام پہ یاد رکھو خدا کے احکام انسان کا جوہرِ مردانگی یہ قوت ان چیزوں کی جسے مقابلے بھی کہتے ہیں اور یہ قلبی میلانات اور عواطف اور جذبات اَنَّ اللّٰہَ یَحُوۡلُ بَیۡنَ الۡمَرۡءِ (8:24)

عجیب آیت ہے قرآن کی' نفسیات کا طالبعلم ہی اس کو Appreciate کرسکتا ہے۔ کہا کہ ان دونوں کے درمیان گردش یوں کرتا ہے۔

زندگی کی مستقل اقدار کے برعکس مفاد عاجلہ کے ٹکراؤ کی نوعیت اور اس سے محفوظ رہنے کی تاکید

یادرکھو یہ مقام فیصلے کا ہوتا ہے۔ جوہرِ مردانگی کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی' جذبات اور عواطف کا تقاضا ہوتا ہے کہ ہیں اس کو سمیٹ کے رکھو' اس کو حفاظت سے رکھو۔ کہنے لگے یہ کشمکش ہوتی ہے دیکھنا اس کشمکش میں فیصلہ صحیح کرنا۔ اور یہ کشمکش جو ہے کیوں ہوتی ہے کیا چیزیں ہیں اس کے لیے۔ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (8:28) یادرکھو مال و دولت کی محبت' بیوی بچوں کی کشش' یہ وہ چیز ہے جو روک لیتی ہے تمہیں۔ یہ ہیں وہ چیزیں جو صحیح فیصلے پہ نہیں پہنچنے دیتیں۔ بڑا اہم مقام آ گیا عزیزانِ من! یہ۔ یہ بیوی بچے ان کا پتہ ہے ان کے متعلق قرآن نے کیا کہا ہے کیا مقام ہے وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ (25:74) یہ مومن کی صفات بیان ہو رہی ہیں مومن کون ہیں۔ پیچھے سے چلی آتی ہیں مختلف قسم کی صفات ان کی جو ہیں گنائی گئی ہیں کہ مومن اسے کہتے ہیں۔ اس میں ایک یہ بھی چیز ہے۔

قرآن حکیم کے نزدیک ماں باپ کے اپنے بچوں کے ساتھ باہمی تعلقات کی نوعیت اور اس کی تفصیل

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ (25:74) جو یہ آرزوئیں جن کے سینوں میں مچلتی ہیں یا جو یہ دعائیں مانگتے ہیں کہ یا اللہ ہماری بیوی' ہمارے بچے جو ہیں' انہیں ہمارے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک بنا۔ کتنی بڑی چیز ہے یہ۔ مومن کی دعائیں ہیں' یہ اس کی آرزوئیں ہیں' قرآن اس کا ذکر کر رہا ہے۔ جہاں اور خصوصیات مومن کی بتا رہا ہے' یہ عام چیز نہیں مومن کی خصوصیات بتا رہا ہے۔ بال بچوں کے متعلق وہ دعائیں مانگتے ہیں قُرَّةَ اَعْيُنٍ میری آنکھوں کی ٹھنڈک کا موجب بنا۔ بیوی بچے آنکھوں کی ٹھنڈک کا موجب ہوتے ہیں۔ یادرکھیے پھر ان کی محبت' ان کی باہمی الفت' ان کی کشش یہ ایسی کیوں ہو جائے جسے یہاں کہا گیا ہے کہ صاحب یہ تو فتنہ ہوتی ہیں۔ یہیں سے آگے بات چلی جو میں نے کہا تھا کہ بڑی عظیم چیز ہے۔ جسے آپ انسان کہتے ہیں' یہ زندگی آدمی کی سطح پہ جہاں آئی ہے' اس کے اندر آپ دیکھیں گے کہ وہ پیچھے سے زندگی چلی آ رہی تھی اپنی Evolutionery Stages طے کرتی ہوئی ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی۔ اس میں حیوانی زندگی' حیوانی زندگی کے اندر کچھ Instincts' ان کی جبلتیں ان کی خاصیتیں حیوان کی زندگی کی۔ اس سے اگلی سطح ہے جو انسان کی زندگی کی ہے۔ انسان کے اندر حیوانی زندگی کی یہ جتنی Instincts ہیں' جبلتیں ہیں' وہ ساری ان کے اندر آئی ہوئی ہیں۔ اگر 9/10 نہیں تو کم از کم 3/4 حصہ اس کی زندگی کا یہی حیوانی سطح کی ہے۔ پہلی چیز یہ بچے کی پیدائش بالکل اسی طرح سے جس طرح حیوان کے بچے کی پیدائش ہوتی ہے' پیدائش کے بعد بچے کے اولیں جتنے بھی ردِعمل ہوتے ہیں زندگی کے لیے' دودھ پینے کے لیے' ماں کی چھاتیوں کی طرف جانا' یہ زندگی اسی سانس' روشنی' کھانے پینے پہ ان کا انحصار' اسی سے یہ زندگی ترتیب پاتی ہے' اس سے مستحکم ہوتی ہے۔ اور اس سے آگے چلیے افزائشِ نسل جسے جنسی تعلقات کہتے ہیں' یہ ساری چیزیں آپ دیکھتے ہیں کہ حیوانات اور اس میں Common ہیں' مشترک ہیں۔ یہ حیوانی خصوصیات ہیں جو اس کے اندر ہیں۔ حیوانات کے متعلق انہیں Instincts

کہا جاتا ہے کہ جو چیزیں باہر سے حاصل نہ کی ہوئی ہوں خود اندر موجود ہوں۔ یہ اس کے اندر بھی موجود ہیں یہی Instincts ہیں جن کو جذبات کہا جاتا ہے۔ زندہ رہنے کا جذبہ' Preservation of Self کا جذبہ' زندگی کا تقاضا ہے یہ' خواہ وہ حیوان کے اندر ہو خواہ انسان کے اندر ہو' تحفظِ خویش۔ Self Aggression دوسرے کے اوپر تغلب حاصل کرنا' یہ بھی یہی تقاضا ہے زندگی کا تقاضا ہے' خواہ حیوان میں ہو خواہ انسان میں ہو۔ اور اس کے بعد Self Procreation اپنے جیسا پیدا کر کے پھر آگے جانا یا ختم ہونا' افزائش نسل جسے کہتے ہیں یہ بھی حیوانات میں اور انسانوں میں مشترک ہیں۔ باقی جذبات یہی جو موٹے تنے ہیں' ان کی شاخیں ہیں حقیقت میں' بنیادی چیزیں یہی ہیں تین۔ یہ تو انسان کے اندر بھی ہیں۔ ایک فرق ہے یہ' حیوانات کی زندگی ایک اعتبار سے انسانوں کے مقابلے میں زیادہ مستحکم ہوتی ہے۔ وہ جو Instinct ان کی ہے اس میں کبھی غلطی نہیں کرتے۔ پہلی چیز تو یہ ہے کہ وہ خود فیصلے اس کے لیے نہیں کرتے' کبھی کسی بکری نے کھڑے ہو کے فیصلہ نہیں کیا کہ آج گوشت پکے گا یا آج صرف پالک پکے گی۔ روز صبح انسان کے ہاں یہ ہوتا ہے کہ گوشت پکے گا یا سبزی پکے گی۔ بکری کو کبھی یہ فیصلہ نہیں کرنا پڑتا' شیر کو کبھی یہ فیصلہ کرنا پڑتا نہ اس کی بیوی میاں سے پوچھتی ہے' نہ میاں کچھ کہتا ہے۔ حیوانات کے فیصلے ہوئے ہوئے ہوتے ہیں' انسان کو فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔ دیکھا یہ۔ بظاہر یہ جاتا ہے وزن حیوانات کی طرف کہ واقعی صاحب بڑی اچھی زندگی ہے' سارے فیصلے ہوئے ہوئے اور جو ہوا ہوا ہے فیصلہ اس میں کوئی کسی قسم کا خطرہ نہیں ہوتا۔ کبھی نہیں یہ ہوتا کہ وہ بکری آ کے ڈاکٹر کے پاس اور وہ پوچھے کہ ''اج کی کھاداہیگا سی' تے او کہے کہ جی میں اج گوشت کھاداسی' او کہے کہ توں گوشت کیوں کھاداسی'' کبھی نہیں۔ اس کا فیصلہ ہوا ہوا ہوتا ہے اور اس فیصلے میں غلطی نہیں۔ اور Instincts جو ان کی ہے جی وہ تو عجیب وغریب فیصلے ان کے لیے کرتی ہے۔

موسموں کے لحاظ سے سات سات ہزار میل پرندوں کی ہجرت بغیر کسی نشاندہی کے

یہ تو میں نے یونہی پیش پا افتادہ مثال دی ہے۔ Migratory Birds کو دیکھیے آپ' یہ پرندے جو ہجرت کر کے سردی کے موسم میں یا گرمی کے موسم میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہیں' وہ پرندے ہیں' آپ حیران ہونگے ایک جزیرے سے وہ اڑتے ہیں بحرالکاہل سات ہزار میل کا سفر وہ اڑان میں کرتے ہیں اور ہوائی کے پاس ایک جزیرے میں آ جاتے ہیں وہاں آ کے وہ انڈے دیتے ہیں' بچے پیدا ہونے سے پہلے واپس چلے جاتے ہیں۔ یعنی پوچھو کہ ''کیہڑا ایناں نیں جی ٹی روڈ بنائی ہوئی ہیگی اے جیہدے تے ترے جاندے نیں''۔ یہ آپ کے ہاں ریل کی لائن پر جو روز آپ کے ایکسیڈنٹ ہوتے ہیں' وہ فیصلے کی غلطی ہوتی ہے نا ''کانٹے والے نے ایوں موڑ دتا''۔ یہ سات ہزار میل کی اڑان میں کوئی راستہ نہیں کوئی سڑک نہیں' ریلوے نہیں کچھ نہیں ''ایناں دا کانٹا کدی غلط نئیں مڑدا'' ہمیشہ اپنے اسی مستقر کے اوپر چلے جاتے ہیں بغیر نشان راہ کے۔

پرندوں کے بچوں کے سلسلہ میں ایک اور حیران کن بات

اور حیرت یہ ہے کہ وہ جو انڈوں سے بچے نکلتے ہیں جہاں اُس وقت ان کے یہ ماں باپ بھی نہیں ہوتے انہیں پتہ ہی نہیں ہوتا ہم

کہاں ہے' جب ان میں اڑنے کی طاقت ہوتی ہے تو اسی راستے سے اڑ کے وہ وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ یہ اشرف المخلوقات کے بچے کا روز ''مسجد توں لگھو وجدا اے' فلاں نے دا بچہ گم ہو گیا جی کسے نوں پتہ لگا ہووے تو فلاں مقام تے بھیج دیو' ماں وی رون ڈئی اے تے منڈا الگ رون ڈیا اے''۔ اور یہی چیز ہے ان کے لیے حیوانات کی زندگی میں جو ان کو Sense of Security دیتی ہے' تیقن کا Sense' وہ جب چلتا ہے اڑنے کے لیے وہ پرندہ اُسے کبھی تذبذب نہیں ہوتا کہ پتہ نہیں میں کہاں پہنچوں کہاں نہ پہنچوں' راستہ صحیح ہے نہیں صحیح۔

حیوانی زندگی اور انسانی زندگی میں پایا جانے والا بنیادی فرق اختیار وارادے کا ہے

دیکھا یہ سارا کچھ' بظاہر نظر آتا ہے نا کہ وہ زندگی تو اس سے بہر حال بہت اعلیٰ زندگی تھی۔ ایک ہی فرق ہے عزیزانِ من! کہ اس کو اختیار وارادہ کی قوت دی ہوئی ہے' اُن کو اختیار وارادہ نہیں ہوتا' وہ مجبور ہیں فطرت کے ہاتھوں۔ اور اصلِ زندگی' اصلی لذت یہ ہے کہ آپ اپنے فیصلے سے راستہ اختیار کریں۔ یہی وہ زندگی کی لذت ہے نا کہ جب بچہ 18-17 سال یا سولہ سال کا ہوتا ہے تو پھر اس کے بعد آپ سے یہ کہتا ہے کہ ''ابا جی کی تسی روز ایس طراں کر لیندے ہیگے' او مینوں ہن تسی بچہ ای سمجھدے ہیگے او''۔ وہ برداشت نہیں کرتا اس کے بعد کہ اس کے لیے Determinism ہو' فیصلہ کوئی اور کرے' وہ اپنے فیصلے آپ کرنا چاہتا ہے۔ غلطیاں کرتا ہے' نقصانات اٹھاتا ہے یہ سب کچھ ہے' فیصلہ آپ کرنا چاہتا ہے' اسی کو Freedom کہتے ہیں۔ آزادی کی خاطر یہ کیوں اتنی اتنی قربانیاں دی جاتی ہیں۔ یہ قید کے پیچھے جو رکھتے ہیں کسی کے' Bars کے Behind' تکلیفیں چھوڑ دیجیے وہاں' کیا تکلیف وہاں ہوتی ہے' وہاں آپ اپنے فیصلے آپ نہیں کر سکتے۔ جوہرِ انسانیت یہ ہے' اپنے فیصلے آپ کرتا ہے انسان' بس اس ایک فائدے کے لیے وہ تمام فائدے جتنے پہلے وہ زندگی میں جو میں نے ابھی گنائے ہیں حیوانات کی زندگی میں' یہ سارے قربان کر دیتا ہے۔ یا یوں کہیے کہ زندگی میں وہ سارے اپنے مفاد جو تھے قربان کر دیے اس ایک چیز کے حاصل کرنے کے لیے۔ اس کو اپنے فیصلے آپ کرنے کی اجازت ہو' بس اتنی چیز اس کو ملی ہے۔

افزائشِ نسل کے سلسلہ میں حیوانات کی جہلت کی ایک اور مثال

یہ ہے وہ مقام عزیزانِ من! انسان کے سامنے یہ جو حیوانات کی Instincts آ رہی تھیں' جبلتیں آ رہی تھیں' اس جبلت کے اندر افزائشِ نسل بھی تھی نا چیز حیوان کی زندگی میں' ان کے ہاں بھی بچے پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے لیے اور تو ہم نے کچھ زیادہ نقشے نہیں دیکھے یہ ابھی مارچ اپریل کے اندر یہ جو چڑیا گھونسلے بناتی ہے' حیرت ہوتی ہے کبھی آپ کے کمرے کے اندر وہ بنانے والی چڑیا اور چڑے آئیں نا تو پھر آپ دیکھیے' سارا دن پتہ نہیں وہ کوئی دس ہزار میل کا سفر کرتی ہے ایک تنکا اٹھا کے لاتی ہے۔ آپ اس کو اجاڑ دیجیے' پھر بنا رہی ہے وہ' پاگل ہوئے پھرتے ہیں وہ دونوں ایک ایک تنکا اکٹھا کر رہے ہیں۔ افزائشِ نسل کا ایک جذبہ ہے نا' کتنا قوی جذبہ ہے یہ صاحب۔ وہاں پھر وہ انڈے دیتی ہیں اس کے بعد بچے نکلتے ہیں پھر وہ دن بھر ایک حفاظت کرتا ہے ان میں سے نر یا مادہ' دوسرا باہر جا کے کہیں سے ذرا سا بھی اگر وہ چوگے کا دانہ نظر آتا ہے' وہ لیے ہوئے چونچ میں آتی ہے' پہلے اس کے منہ میں دیتی ہے۔ یہ سارا کچھ جو ہے یہ حیوانی سطح

ہے جسے آپ بیوی بچے جسے کہتے ہیں یہ ہے نا اس کی کیفیت' انسان کے اندر بھی یہ صورت ہے۔ انہی کی خاطر جسے آپ یہ مال کہتے ہیں کہ روز جا کے وہاں سے کچھ دانہ دنکا لانا اور یہ دینا' مال کے معنی ہوتے ہیں کہ ایک وقت میں کچھ تھوڑا سا اکٹھا کر رکھیے کہ روز بھاگنا نہ پڑے' اصل میں یہ چیز تھی اس کی۔ یہ چیزیں ہیں جو انسان کے اندر بھی ہیں حیوان کے درجے میں۔

حیوانی سطح زندگی کے بعد انسانی سطح زندگی کی اقدار کی قدر و قیمت کا معاملہ

لیکن انسان کی صورت جو ہے میں نے کہا ہے کہ وہاں سے زندگی کسی حد تک سہی اوپر بھی تو آئی ہے اس کو ایک زندگی انسانی بھی تو ملی ہے۔ یہاں تک تو حیوانی زندگی کے تقاضے تھے' اوپر ایک اور تقاضا ہے اور وہ تقاضا ہے جسے آپ Values کہتے ہیں' اقدار کہتے ہیں۔ بکری اس میں تو کبھی نہیں غلطی کرتی کہ وہ گھاس کھائے یا گوشت کھائے لیکن اس میں کبھی تمیز نہیں کرتی کہ گھاس اپنے مالک کے کھیت سے کھائے' دوسرے کے کھیت سے نہ کھائے۔ اس کو بھوک لگی ہے' باہر گئی ہے وہ رسا تڑا کے' جو پہلے آ گیا اس نے کھا لیا۔ یہ جو تمیز ہے اپنے کی اور غیر کی' میری اور تیری' حلال اور حرام یہ مقام انسانیت کا آ گیا عزیزانِ من! یہ ہیں جسے Values کہتے ہیں۔ اور یہی ہے جو انسان کا اختیار وارادہ جو اس نے اتنی قیمت سے لیا تھا' بڑی قیمت دی ہے حیوانی زندگی کی سکیورٹی کی ضمانت' تیقن' بڑی چیزیں اس نے دی ہیں اس اتنی چیز حاصل کرنے کے لیے کہ اس مقام کے اوپر یہ فیصلہ کرے کہ میں نے رزق حلال لینا ہے یا رزق حرام لینا ہے۔ یہ حیوانی زندگی کی بات نہیں تھی عزیزانِ من! یہ انسانی زندگی آئی یہاں۔ اب یہاں پہنچ کے دو تقاضے آ گئے جی۔

کفر اور ایمان کی زندگی میں کشمکش کا انحصار حلال وحرام میں فرق پیدا کرنے میں ہے

بات یہاں تک آنی تھی جس کے لیے میں اتنی تمہید عرض کی۔ دو تقاضے آ گئے: حیوانی زندگی کی Instinct کا ایک تقاضا۔ زندگی کو' جان کو محفوظ رکھنے کے لیے کھانا پینا ضروری' انسانی زندگی کا ایک تقاضا کہ کھانا پینا ضروری لیکن حلال کا کھانا یہ آ گئی وہ کشمکش۔ یہی وہ کشمکش ہے جسے قرآنِ کریم نے کفر اور ایمان کی زندگی قرار دیا ہے۔ قرآن کفر کی Definition دیے جاتا ہے' اس کے بعد مومن کی Definition خود آ جاتی ہے۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ (47:12) کفر یہ ہے کہ زندگی صرف حیوانی تقاضوں کے مطابق گذاری جائے۔ Definition دیکھ رہے ہیں عزیزانِ من! اللہ اکبر۔ نتیجہ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ (47:12) نتیجہ جہنم ہے۔ نام زندگی کا یہی حیوانوں کی كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ عجیب بات قرآن کہتا ہے!! حیوانی سطح پہ۔ یہ کھانے پینے کے متعلق تو قرآن نے اتنی تاکید کی ہے' ابھی ابھی کہا ہے رزق طیب دیتے ہیں ہم اسے۔ یعنی کھانا پینا جو ہے یہ کوئی ایسی چیز معیوب نہیں ہے کہ جس سے باز رکھا جائے۔ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ جو ہے یہ ہے غور طلب چیز۔ حیوان کے کھانے میں اور انسان کے کھانے میں یہ ایک جو Value تھی' اس کا فرق تھا نا۔

بل ہم اضل کی کیفیت کا عملی مظاہرہ

جونہی انسان نے یہ تمیز اڑا دی حلال وحرام کی تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ کی طرح ہو گیا یہ کیونکہ اس میں حلال وحرام کی تمیز نہیں ہوتی۔ قرآن تو

کہتا ہے بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ یہ کمبخت اس سے بھی نیچے چلا جاتا ہے۔کوئی حیوان سنکھیا نہیں پھانکتا یہ سنکھیا بھی پھانکتا ہے۔بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ Instincts کو یہ توڑتا ہے تو دونوں طرف اس کے لیے ہے نا' ادھر آتا ہے تو حلال اور حرام میں تمیز کرتا ہے۔یہاں بھی اس نے حیوانی جبلت کو توڑا ہے' نیچے جاتا ہے کم بخت تو وہ چیز جو حیوان بھی نہیں کرتا' خودکشی کوئی حیوان نہیں کرسکتا' یہ خودکشی بھی کر لیتا ہے۔کہہ میں یہ رہا تھا کہ اس مقام پہ آئے۔بس قرآن نے کفر یہ کہا ہے کہ اگر Values کی زندگی نہیں رہی' مقصدِ حیات یہی رہ گیا وہ جو حیوان کا مقصد حیات ہے Instincts کا: کھانا پینا جینا افزائش نسل کرنا مرنا' کہا یہ کفر ہے۔اور اگر یہ سب کچھ جو ہے ان Instincts میں آ کے آپ نے اقدار کا خیال رکھ لیا' یہ ایمان ہے۔وہ کافر ہے' یہ مومن ہے۔

اجتماعی طور پر کافر اور مومن میں فرق

اجتماعی طور پہ اسی چیز کو وہاں دہرا کے کہا وَ مَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ پوچھنا چاہتے ہو مسلمان کسے کہتے ہیں' کافر کسے کہتے ہیں: جو بھی اپنی زندگی کے فیصلے انفرادی نہیں اجتماعی فیصلے مَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ یہ فیصلے خدا کی دی ہوئی اقدار کے مطابق نہیں کرتے' انہیں کافر کہا جاتا ہے۔آپ نے دیکھا حیوانات کی Determinism جو تھی یعنی وہ مجبور ہیں۔انسان کو اختیار دیا ہے۔یہ فرق زندگی کی اس بلند سطح کا۔اختیار دیا ہے اس بات کا کہ جب Instincts کے پورا کرنے کے لیے ایک ایسا دوراہا آئے جہاں ایک طرف اقدار کے مطابق اسے پورا کیا جائے' دوسری طرف اقدار کو توڑ کے پورا کیا جائے تو تم نے اپنے فیصلے سے یہ طے کرنا ہے کہ میں نے اقدار کو زیادہ Value دینی ہے اس کو زیادہ اہمیت دینی ہے اس کے مقابلے میں۔اب بات صاف ہوگئی۔جہاں اس قسم کا موڑ آیا ایک طرف بات آئی اقدار کے تحفظ کی جس کی خاطر یہ کچھ کہا کہ یہ سب کچھ دیدینا چاہیے' وہ بلند چیز ہے نا حیوانی سطح زندگی سے انسانی سطح زندگی اونچی ہے نا۔اس اونچی سطح زندگی کے تحفظ کے لیے نچلی سطح زندگی کے کچھ تقاضے' انہیں قربان کر دینا جو ہے یہ وہ موڑ جہاں ہم پہنچ گئے۔

انسان کو اپنی جرأت اور مردانگی کا ثبوت دینا ہوگا

یہاں آنے کے بعد یہ کہا کہ یاد رکھو یہاں پہنچنے کے بعد یہ ایک کشمکش پیدا ہوگی انسان کی قوتِ مردانگی و جرأت کے اندر اور اس کے جذبات کے اندر یعنی Animal Instincts کے اندر ان میں ایک کشمکش پیدا ہوگی۔اور اس کشمکش کے لیے یہ کہا کہ یاد رکھو اَنَّمَاۤ اَمۡوَالُکُمۡ وَ اَوۡلَادُکُمۡ فِتۡنَةٌ (8:28) اموال اور اولاد اگر یہ کشمکش کا مقام نہ آئے تو اس سے پہلے قُرَّةَ اَعۡیُنٍ کہا۔آؤ تمہیں بتاؤں وہ قرۃ اعین کیسے بنتے ہیں' اگلا لفظ میں نے ابھی نہیں کہا تھا دعا یہ تھی کہ هَبۡ لَنَا مِنۡ اَزۡوَاجِنَا وَ ذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعۡیُنٍ (25:74) انہیں میرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک بنا۔

آدمی کے بعد انسان' انسان کے بعد مومن اور متقی کے بعد متقیوں کی امامت کے حصول کی دعا

اگلی چیز ہے وَّاجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِیۡنَ اِمَامًا (25:74) اور ہمیں متقیوں کی امامت عطا فرما۔متقی بھی صرف یہ نہیں' ان کی بھی امامت

فرما۔ یہ ہوگئی بلند زندگی۔ حیوانات میں تو یہ چیز نہیں ہے۔ وہ جو تیرے قوانین اور اقدار کے مطابق زندگی بسر کرنے والے ہیں' کتنی بڑی دعا ہے' دعا تو ہمیشہ انسان کو سواسو کی کرنی چاہیے تاکہ سو تو ملے کم از کم۔ متقی بننا ہی کوئی کم آرزو نہیں ہے' متقیوں کی امامت کی آرزو دل کے اندر رکھو' وہاں تک پہنچنے کی آرزو رکھو گے تو کچھ کم بھی رہ جاؤ گے تو اونچے تو پہنچو گے۔ آپ نے دیکھا کہ یہ آرزو کیا ہے' بیوی بچے آنکھوں کی ٹھنڈک کا موجب بنیں اور اگلی زندگی انسانیت کی' متقیوں کی امامت حاصل ہو جائے۔ اب اگر یہاں آپ نے آ کے یہ جو تقویٰ ہے' اسے قربان کر دیا' بیوی بچوں کی اس محبت کے اوپر تو یہ زندگی کفر کی اور حیوان کی ہوگئی۔ اور اگر آپ نے یہاں یہ جو اقدار ہیں آپ کی بلند ان اقدار کے تحفظ کے لیے' اس نچلے درجے کو قربان کر دیا آپ نے' یہ ایمان ہو گیا۔

آج کرہ ارض پر انسانی زندگی دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے

اب دنیا میں دونوں Extreme چلی آ رہی تھیں' ایک تو یہ تھا جو قرآن نے کہا کہ وہ کھاتے پیتے ہیں حیوانات کی طرح' جسے آج کے دور میں یہ Materialist کہا جاتا ہے عام طور پہ' حالانکہ یہ بڑا غلط ترجمہ ہے اس کا۔ Materialist تو ہر مومن کو ہونا چاہیے جس مومن کی شان یہ ہے سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ (45:13) ساری مادی کائنات اس کے زیرِ تسخیر کر دی گئی ہے اس سے بڑا اور Materialist کون ہونا چاہیے۔ لیکن خیر یہ اصطلاح ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ جو اقدار کو نہیں مانتے' زندگی صرف یہ طبعی اور اس کے مفاد اور اس کی کششیں اور جاذبیتیں جو حیوانی تقاضے ہیں' انہی کو مانتے ہیں۔ ایک تو یہ ہو گئے انہوں نے کہا کہ زندگی یہی ہے۔ ہمارا یہ دور' پہلے دور میں یہ کہیں استثنائی صورتیں ہوتی تھیں غلطی اقدار سے ہی کچھ ہوتی تھی ضرور' اس دور میں تو پوچھو ہی نہیں' نہ دیر میں نہ حرم میں خودی کی بیداری'۔

تصوف کی طرف سے پیش کردہ فلسفہ حیات

دوسری طرف Extreme یہ گیا جنہوں نے یہ کہا کہ یہ طبعی زندگی مادی زندگی یعنی یہ جو حیوانی زندگی انسان کے اندر آئی ہوئی ہے' اس کی کششیں اس کے تقاضے' انہوں نے کہا یہ سارے کے سارے قابلِ نفرت اور حرام ہیں' چھوڑو' بھاگو' دوڑو' ترک کرو' یہ تصوف کی زندگی ہے یہ مذہب کی زندگی ہے۔ دونوں ہی زندگیاں غلط ہیں۔

مومن کی زندگی کا شعار یہ ہے کہ خود کو ہمیشہ فتنہ سے محفوظ رکھتا ہے

کہا اس نے یہ کہ یاد رکھو جب کسی بلند قدر کی خاطر ایک کشمکش آ جائے کہ دونوں میں سے ایک چیز باقی رہتی ہے تو اس بلند زندگی کے تقاضے کی خاطر پست زندگی کو اس وقت قربان کر دینا' مومن کا شعار یہ ہے۔ جب دونوں میں کشمکش نہیں آ کے پڑتی تو اس صورت میں یہ جتنے تقاضے زندگی کے ہیں ان کو برقرار رکھنا' یہ بھی مومن کا شعار ہے۔ کشمکش نہیں آتی درمیان میں تو بیوی بچے آنکھوں کی ٹھنڈک کا موجب ہیں اور جب وہ کشمکش آتی ہے اس کشمکش کے اندر یاد رکھو اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ یہ جو چیز ہے پھر اموال اور اولاد کیا چیز بن جاتی ہے' لفظ بھی یہاں بڑا پھر عجیب انتخاب میں آیا ہے' یہ فتنہ ہے۔ یہ جو سنار کی بھٹی ہوتی ہے اس میں جو کٹھالی رکھی جاتی ہے'

وہ ہوتی ہے۔ کیا ہوتا ہے اس کے اندر' اس آگ کے اندر ڈالنے سے سارا کھوٹ الگ ہو جاتا ہے۔ اگر سونا ہے تو وہ کندن بن کے نکلتا ہے اس میں اور اگر ڈلی آپ کو سونے کی نظر آتی ہے' سونے کی کہہ کے آپ نے رکھی ہے اور سونے کی کہہ کے آپ کو دی گئی ہے۔ اس بھٹی میں ڈالنے سے نکھر کے سامنے بات آ جاتی ہے کہ سونا نہیں تھا' کھوٹ تھا۔ کتنا کھوٹ تھا کتنا اصل تھا' یہ ہے فتنہ کا لفظ۔

انسانی زندگی مختلف لوازمات کا مجموعہ ہے جن سے انسان کو نبرد آزما ہوتے ہوئے کندن بن کر نکلنا ہے

کہا یہ بیوی اور بچے' ایسے مقام پہ جہاں یہ کشمکش آ جائے دونوں میں' وہاں یہ پھر ایک بھٹی ہوتی ہے وہاں تمہیں اس میں سے کندن بن کے نکلنا چاہیے۔ اور اگر اس طرف جھک گئے تو دوسرے مقام پہ تو اس سے بھی زیادہ سخت لفظ ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ (64:14) اب ہمارے ہاں کا تصوف وہ تو کرتا ہی یہ نا' قرآن سے اتنی سی آیت لے لیتے ہیں۔ کہا کہ مؤمنین یاد رکھیے کہ یہ اولاد اور یہ بیوی بچے اور یہ مال اولاد یاد رکھیے تمہارے لیے دشمن ہیں تمہارے' ان سے پرہیز کرو' الگ رہو۔ وہی سنیاس کی زندگی' رہبانیت کی زندگی' خانقانیت کی زندگی۔ جی! اب وہ قرۃ اعین جو قرآن نے کہا تھا وہ نظر انداز کر گئے۔ اگلی چیز ہے اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (64:15) وہی الفاظ جو یہاں آئے ہیں۔ دو چیزیں ہمارے سامنے آ گئیں قرآن انہی بیوی بچوں کو اور اموال و دولت کو ایک طرف آنکھوں کی ٹھنڈک کا موجب قرار دیتا ہے' دوسری طرف ان کو فتنہ اور باعث عداوت قرار دیتا ہے۔ ہے نا بظاہر دو چیزیں متضاد نظر آتیں۔ تضاد تو خدا کے کلام میں ہو ہی نہیں سکتا' مقام ہیں اپنے اپنے۔ کشمکش یہ نہیں آتی آنکھوں کی ٹھنڈک کا موجب ہے' کشمکش آتی ہے اگر یہ جذبہ جو ہے یہ قوی ہو گیا ہے' بھاری ہو گیا ہے اور وہ آپ نے انسانیت کی زندگی کے جذبے کو قربان کر دیا ہے' یہی جہنم کا موجب بن گئی۔ وہاں پہنچ کے اگر آپ نے اس کو ترجیح دی ہے یہی چیز آپ کے ہاں کے ایمان کا تقاضا تھا' یہ جنت کی زندگی بن گئی۔ تضاد تو کہیں ہے نہیں۔

طبعی زندگی کی ضروریات کو پورا کرنے کے دوران ان چیزوں کی نشاندہی جس کو پیش نظر رکھنا از بس ضروری ہے

یہی حقیقت اس میں ذرا آگے چل کے سورۃ توبہ میں ایک جامع آیت آتی ہے قرآنِ کریم کی عزیزانِ من! اور وہ نکھار کے رکھ دیتی ہے یہی جو میں نے کہی تھی کہ وہ ایک بھٹی ہوتی ہے جس میں سے کندن بن کے نکلتا ہے۔ ایک آیہ جلیلہ کے اندر بات ساری نکھار کے رکھ دی۔ یہی تقاضے جتنے ہیں' یہ طبعی زندگی یا حیوانی زندگی کے جتنے تقاضے ہیں اس صفحۂ ارض پہ جو مستقر ہے ہمارے لیے' یہاں پہ پاؤں ٹکانے کے لیے جسے کہتے ہیں' اس کے لیے جتنی چیزوں کی ضرورت ہے اور وہ کشمکش جو بلند اقدار کی حفاظت میں انہیں قربان کرنے سے حائل ہوتی ہے دیکھیے وہ آیہ جلیلہ کیا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِیْمَانِ (9:23) یاد رکھو اگر تمہارے ماں باپ بہن بھائی اس میں تمام عزیز رشتے دار بھی آ جائیں گے یاد رکھو اگر یہ لوگ ایمان کے مقابل میں کفر کو زیادہ پسند کرتے ہیں' اور ایمان اور کفر کی زندگی تو میں نے ابھی ابھی بتا دیا قرآن کی رو سے۔ یہ اتنی سی چیز نہیں جو ہم نے

سمجھ لیا ہوا ہے کہ کرم چند جو ہے وہ کافر ہوتا ہے' عبدالرحمٰن مسلمان ہوتا ہے۔ یہاں تو اس نے خصوصیات بتائی ہیں جو صرف حیوانی سطح کے اوپر زندگی بسر کرتا ہے' قرآن نے کہا ہے وہ کافر ہے۔ جو قرآن سے یا خدا کی دی ہوئی اقدار کے مطابق فیصلے کرتا ہے' وہ مومن ہے۔ ایمان والوں سے کہا ہے نا کہ یاد رکھو اگر تمہارے ماں باپ بہن بھائی یہ اگر ایمان کے مقابل میں کفر کو زیادہ پسند کرتے ہیں' انہیں اپنا دوست مت بناؤ۔ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (9:23) جو ان کے ساتھ اس حالت میں بھی دوست داری کے تعلقات رکھتا ہے تو یاد رکھو وہ ظلم کرتا ہے اپنے آپ پہ' وہ ظالمین میں سے ہو جاتا ہے۔ اور آگے وہ آتی ہے آیت۔ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (9:24) یاد رکھو اگر تمہارے ماں باپ' تمہاری اولاد' تمہارے بہن بھائی' تمہاری بیویاں' تمہارے دیگر رشتہ دار' تمہارا وہ مال و دولت جس کو تم اس طرح سے کماتے ہو' تمہاری وہ تجارت کہ جس کے مندا پڑنے سے تم اتنے خائف رہتے ہو' تمہارے یہ محلات کہ جنہیں تم نے اتنی خواہش سے بنوایا ہے' اتنا پسند کرتے ہو۔ یہ تمام چیزیں

قرآن حکیم کی ہدایات کو سامنے نہ رکھنے کا نتیجہ جہنم ہے، تباہی ہے' بربادی ہے

آپ دیکھ لیجیے کوئی چیز باقی بھی رہ جاتی ہے پھر۔ یہ تمام متاعِ حیات' یہ تمام عواطف' یہ تمام کششیں جتنی بھی ہیں اگر یہ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ اگر یہ تمہارے نزدیک نظامِ خداوندی کے مقابلے میں زیادہ پرکشش ہو جاتے ہیں ان میں کوئی چیز بھی وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ اور اس کے راستے میں جدوجہد کرنے کے مقابلے میں' ان میں سے کوئی چیز بھی زیادہ پرکشش ہو جاتی ہے' دامن گیر تمہارے ہو جاتی ہے تو یاد رکھو فَتَرَبَّصُوْا پھر تم انتظار کرو۔ بڑی سخت وعید ہے۔ کس چیز کا' حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ تا آنکہ خدا اپنا فیصلہ لیے ہوئے آ جائے تمہارے پاس۔ اللہ اکبر۔ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ. فسق کے معنی ہوتا ہے جس پیڑن کے اندر کسی کی نشوونما ہونی ہو اس کو پھاڑ کے دوسری طرف نکل جانا۔ یاد رکھو جو قوم بھی یہ روش اختیار کرتی ہے' اس کو ہم کشاد کی راہ کبھی نہیں دکھاتے۔ انتظار کرو پھر خدا کا فیصلہ آ جائے تمہارے پاس۔ سن رہے ہیں برادرانِ عزیز! ''کیندے تے ہوگے جی وچ کہ نہ ای سندے تے چنگا سی'' لیکن عزیزانِ من! اس سے تو کام نہیں چلتا' یہ آنکھیں بند کرنے سے ہلاکت سے نہیں بچ سکتا انسان' یہ تو ایک سیلاب آ رہا ہوتا ہے۔ یہ سوال ہی نہیں ہے کہ نہ سنتے تو اچھا تھا۔ انتظار کرو' انہیں کہا تھا اس زمانے میں' ابھی وہ آیا نہیں تھا عذاب' انتظار کرو۔

ہم ہیں کہ جہنم میں موجود ہونے کے باوجود' جہنم کو محسوس نہیں کرتے

ہمیں تو یہ بھی ضرورت نہیں ہے کہنے کی فَتَرَبَّصُوْا' یہاں تو تَرَبُّصُ کا سوال نہیں ہے' وہ آ چکا ہوا ہے اس جہنم کے اندر ہیں ہم تو۔ یہ کیوں جہنم آیا ہے' یہ جو چیزیں گنائی ہیں اس نے ماں باپ' اولاد' ازواج' اموال' کاروبار' محلات یہ تمام چیزیں جو وجہ کشش و جاذبیت ہوتی ہیں' یہ زیادہ پرکشش ہو گئی ہیں نا ہمارے لیے اقدارِ خداوندی کے مقابلے میں۔ سیدھی سی بات ہے اس کے بعد وہ عذاب ہے جس

کے اندر ہم ماخوذ ہیں۔ یہ ہے عزیزانِ من! وہ مقام جس میں ہم یہاں آئے تھے۔ کہا تھا کہ یاد رکھو یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَجِیۡبُوۡا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاکُمۡ لِمَا یُحۡیِیۡکُمۡ (8:24) چار لفظ ہیں پچھلی دفعہ کے درس میں یہ آ گیا تھا۔ اے جماعتِ مومنین! نظامِ خداوندی کی اس آواز کے اوپر لبیک کہو جب وہ رسول تمہیں دعوت دے بلائے اس چیز کی طرف جو تمہیں زندگی دینے والی ہے۔

قرآن حکیم کے نزدیک سانس لینے کا نام زندگی نہیں ہے

میں نے اس دن کہا تھا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا زندہ لوگوں کے لیے ہی کہا جائے گا نا' یعنی یہ قبرستان میں جا کے تو وعظ نہیں کہا گیا مردوں سے نہیں کہا گیا کہ تم آواز دو کہ جی آئے ہم' تاکہ تمہیں زندگی عطا ہو جائے۔ یہ زندہ انسانوں کو جو کہا ہے' تاکہ تمہیں زندگی عطا ہو جائے' تو دیکھا نا Definition یہاں حیات کی بدل گئی۔ یہ حیاتِ بے شرف جسے اقبالؒ نے کہا ہے' اصل موت وہ ہے اور یہ وہ موت ہے جس کے متعلق قرآن نے یہ کہا ہے کہ جہنم کہ جس کے اندر انسان نہ مرتا ہے نہ جیتا ہے۔ (20:74) چاروں طرف سے موت آتی دکھائی دیتی ہے تو یہ مرتا بھی تو نہیں کم بخت۔ مرتا بھی تو نہیں ہے۔ (14:17) ایک یہ ہے سانس لینے کی زندگی جسے اس نے کہا ہے کہ آؤ یہ زندگی نہیں ہے' یہ تمہیں بلا رہا ہے رسول' کس چیز کی طرف بلا رہا تھا رسول' بدر کے میدان میں سر بکف آنے کے لیے' جانیں دینے کے لیے' بلا رہا ہے۔ کہا اے سانس لینے کو زندگی کہنے والو! اس کی آواز پہ لبیک کہہ کے آؤ جو تمہیں حقیقی زندگی عطا کرنے کے لیے بلا رہا ہے۔ اور وہ حقیقی زندگی ملتی کس طرح سے ہے' ایک وقت آ جاتا ہے کہ جہاں انسان اپنی عزیز ترین متاع' جسے لائف یا زندگی کہا جاتا ہے' اس کو دینے کے بعد حیاتِ جاوید حاصل کر لیتا ہے لِمَا یُحۡیِیۡکُمۡ۔ کہا لیکن اس معاملے میں اَنَّمَاۤ اَمۡوَالُکُمۡ وَ اَوۡلَادُکُمۡ فِتۡنَةٌ (8:28) یہ چیزیں تمہاری انا گیر ہو جائیں گی راستے میں' یہ پکڑ کے بیٹھ جائیں گی صاحب۔

اگر کائنات کا خلاق بھی انسانی معاشرے کی بیماری سے آگاہ نہ ہو تو پھر کون ہوگا

کہنا پڑتا ہے کہ اللہ میاں' نہ بیوی نہ بچہ نہ مال نہ دولت نہ گھر نہ بار نہ انسان کے سینے میں جس قسم کا دل وہ ''آ اوہنوں پتہ کیویں لگا اے''۔ عزیزانِ من! خالق کو مخلوق کے متعلق پتہ نہیں ہوگا تو اور کسے پتہ ہوگا۔ نظر آتا ہے ہمارے سینے کے اندر بیٹھا ہوا ہماری دھڑکنیں گنا رہا ہے۔ کہا یاد رکھو یہ چیزیں ہیں جو پکڑ کے بیٹھ رہیں گی۔ ایک ہی چیز ہے جو تمہیں اس مقام پہ کشمکش سے چھڑا کے صحیح راستے پہ لے آئے گی اور وہ ایمان یہ ہے وَّ اَنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗۤ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ (8:28) اس کے بدلے میں جو وہاں سے تمہیں اجر ملے گا وہ بڑا ہی بنیادی اجر ہے۔ عظیم بنیادی ہوتا ہے عظم تو وہ ہے ناہڈیاں جن کے اوپر انسان کا سارا جسم یہ گوشت پوست ٹھہرا ہوا ہوتا ہے۔ اس کے ہاں اس کے بدلے میں جو کچھ تمہیں ملے گا بڑا ہی بنیادی ہوگا یاد رکھو۔ اور وہ جو ملے گا اس کے متعلق پھر یہاں وہی بات آ گئی۔ مذہب تو آپ کو کہے گا کہ ٹھیک ہے اس زندگی میں تو تمہیں جوتے پڑتے رہیں گے ذلت اور خواری تمہارے نصیب میں ہوگی جونہی آنکھ بند کی اور آپ سرفرازیوں کی جنت میں پہنچے۔ وہ کہتا یہ ہے کہ جسے یہاں جوتے پڑتے ہیں اُسے وہاں بھی جوتے ہی پڑیں گے۔ وَ مَنۡ کَانَ فِیۡ هٰذِهٖۤ اَعۡمٰی فَهُوَ فِی الۡاٰخِرَةِ اَعۡمٰی.

قرآنی قوانین کی نگہداشت کا نتیجہ محسوس شکل میں دنیا کی امامت اور فضل عظیم کی شکل میں برآمد ہوتا ہے

آپ کو معلوم ہے یہ اجرِ عظیم کیا ہے۔ میرے یا آپ کے تصور یا ذہن یا فیصلے پہ نہیں چھوڑا یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰہَ (8:29) اے جماعتِ مؤمنین! اگر تم ان قوانین کی نگہداشت کرو گے تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ سنیے عزیزانِ من! اس دنیا کو ذلیل کہنے والو کو مخاطب کر کے پوچھیے۔ اگر تم یہ کرو گے یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا (8:29) تمہیں ایک امتیازی زندگی عطا کر دے گا۔ یہ ہے جو اس سے ملتا ہے یہاں۔ ایک لفظ کے اندر بات ہے ایسی ممتاز زندگی جو دور سے کوئی کہہ دے کہ ہاں صاحب یہ باقیوں سے الگ قوم ہے صاحب' نکھری ہوئی ممتاز Distinction کی زندگی جسے آپ کہتے ہیں۔ جہاں کہیں بھی اقوامِ عالم کے اندر اس قوم کا نمائندہ بیٹھا ہوا ہو وہاں اس کی سربلندیاں کہہ رہی ہوں کہ یہ اس قوم کا فرد ہے کہ جسے ایک حیاتِ فرقان عطا ہوئی ہوئی ہے یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا۔ ایک بات۔ وَّ یُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ (8:29) جتنی ناہمواریاں اس قسم کی پیدا ہو جاتی ہیں معاشروں کے اندر ساری کی ساری مٹا کے رکھ دے گا۔ وَ یَغْفِرْ لَکُمْ (8:29) سامانِ حفاظت اتنا عطا کرے گا کوئی قوم تمہاری طرف آنکھ اٹھا کے نہیں دیکھے گی۔

فضلِ عظیم تو انسانی سوچ سے کہیں زیادہ اہمیت کا حامل ہے

اس کے بعد وَ اللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (8:29) یاد رکھو اس کے قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے والوں کو بہت کچھ زیادہ ملتا ہے' یہ فضل اس کے اوپر ہے۔ یہ سارا کچھ گنانے کے بعد اور بہت کچھ ملے گا۔ یہ چیز ہے فضلِ عظیم' بنیادی چیزیں ملتی ہیں بڑا اضافہ ہوتا ہے تمہارے حساب و شمار سے کہیں زیادہ۔ وہ جو کہا تھا نا بغیر حساب' وہ یہ نہیں کہ ہم اپنے حساب سے علاوہ دیتے ہیں' تمہارے حساب و شمار سے جتنا ہونا چاہیے اسکے اوپر بہت زیادہ (24:38)۔ یہ ہے فضلِ عظیم جسے وہ کہتا ہے۔ اور ویسے فضل کے معنی قرآن میں بھی' عربی زبان میں بھی' معاشی زندگی کی سہولتوں کو کہا جاتا ہے۔ قرآن نے یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضْوَانًا (59:8) جو کہا ہے یہ ساری چیزیں تمہیں ملیں گی۔ اور میں کہتا ہوں باقی تفصیل نہ بھی دیتی صرف یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا (8:29) اگر کہا جاتا بڑی چیز تھی۔

کہاں ہمارے ہاں کے تراجم کی نوعیت اور کہاں جنگ بدر کے لیے یوم الفرقان کی معرکہ آرائیاں

پتہ ہے آپ کو اس کی تفسیر کیا ہوتی ہے' فرقان کی زندگی جو دور سے پہچانا جائے ''او کیندے جیہڑا متھے تے محراب پیا ہویا ہوندا اے نا اے مطبل اے اوہدا''۔ یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا اور یہ فرقان کی زندگی ملتی کیسے ہے' آپ کو پتہ ہے کہ بدر کے معرکے کو قرآن نے فرقان کہا ہے جنگِ بدر کا جو دن ہے اُسے یوم الفرقان کہا ہے (8:41)' یوں ملتی ہے۔

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

''لوگ عبدالرحمٰن ناں رکھ کے ای سمجھدے ہیگے مسلمان ہو گئے''۔ یہاں فرقان کہا ہے نا اُسی صورت میں ہے نا' بدر کے معرکے کو کہا ہے یوم الفرقان' یوں فرقان کی زندگی ملتی ہے۔ کون تھے یہ لوگ' بیوی بچے نہیں تھے ان کے؟ مال و دولت نہیں تھا ان کا؟ یہ کششیں نہیں

تھیں ان کے ہاں؟ پہلی چیز تو یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ہجرت کی ہجرت صرف کسی ایک جائے سکونت کو چھوڑنے کا ہی نام نہیں ہے ہر وہ شے جو اس کے راستے میں آ کے کھڑی ہو جائے' کانٹا بنتی ہے' اس کو الگ کر کے نکل جانا' یہ ہے ہجرت' ہر اس شے کو چھوڑتے ہوئے چلے جانا

جنگ بدر کے سلسلہ میں شرکت کرنے والوں کی لازوال قربانی کی نوعیت اور یوم الفرقان کی عظمت

سوچیے کہ یہ ان مہاجرین نے کیا کیا تھا' بستے رستے اپنے گھروں میں قریش کی زندگی بسر کر رہے تھے ممتاز ترین گھرانوں کے یہ افراد تھے' باقی قبائلِ عرب میں ان کو بڑی عزت کی زندگی حاصل تھی۔ گھر بار تھا' بیوی بچے تھے' رہنے سہنے کے مکان موجود تھے' کھانے پینے کا سامان بھی تھا' ان میں سے بڑے بڑے دولت مند بھی تھے۔ یہ ساری چیزیں جو قرآن نے گنائی ہیں' یہ ابھی ابھی جو میں نے عرض کیا سورۃ توبہ کی آیت میں' یہ ساری ان کے پاس تھیں نا۔ ایک آواز کے اوپر یہ سب کچھ چھوڑ کے' دامن فشاں' پلہ جھاڑ کے جسے کہتے ہیں' اٹھ کے وہاں چلے گئے جہاں نہ بیوی نہ بچے نہ ابناء نہ آباء نہ کوئی خاندان والے نہ وہاں کوئی مال و دولت رہنے کو مکان تک نہیں' کھانے کو روٹی تک نہیں۔ یہ سب کچھ چھوڑ کے وہاں چلے گئے' پہلی چیز تو یہ تھی اس بدر میں جانے والوں کی۔ ان میں سے کوئی کشش بھی غالب نہیں آئی اس آواز کے اوپر' یہاں آئے تو لے دے کے ایک جان باقی تھی نا اب اور تو ان کے پاس کچھ تھا ہی نہیں' اس جان کے لیے بھی آواز دیدی کہ آ جاؤ اس کو لے کے بدر کے میدان میں' یہ بھی دیدو۔ یہ تھا لِمَا یُحْیِیْکُمْ اور اس لیے اس میدان کو اس معرکے کو اس نے یوم الفرقان کہا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ واقعی یہ جو یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا ہے بدر کے معرکے کے فیصلے نے ہی ایک امتیازی زندگی عطا کر دی تھی اس قوم کو۔ وہاں سے یہ گاڑی دوسری طرف کا نٹا موڑ گئی صاحب۔ جتنے امتیازات اس کے بعد حاصل ہوئے ہیں صدرِ اول میں بھی اور اس کے بعد بھی' یہ یوم فرقان کے اس معرکے کا نتیجہ تھا۔ اور وہ نتیجہ تھا ان لوگوں کے اس ایمان کا کہ دنیا کی کوئی کشش اور جاذبیت تمہارے راہگیر نہ ہو جائے۔ یوں آ گئے۔ وَّ یُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَ یَغْفِرْ لَکُمْ وَ اللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (8:29) اور گنایا یہ ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے خلاف کفار کی طرف سے ہونے والی مختلف تدبیروں کا ذکر

کس حالت میں تم تھے' ان مخالفین کی کیا کیفیت تھی وَ اِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ وَ یَمْکُرُوْنَ وَ یَمْکُرُ اللّٰہُ وَ اللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ (8:30) پھر یاد دلایا کہ کہاں سے بات چلی تھی' پورے مؤمنین نہیں' ان کے رسول سے یہ کہا' ان کے سربراہ سے کہا' یاد ہے تمہیں جب تیرے خلاف وہاں مخالفین سازشیں کر رہے تھے' منصوبے باندھ رہے تھے' کچھ عجیب عجیب تدبیریں کر رہے تھے۔ کاہے کی' کہ یا تو تجھے گرفتار کر لیں یا تجھے قتل کر ڈالیں یا تجھے وہاں سے نکال باہر کریں' یہ تدبیریں کر رہے تھے۔ وَ یَمْکُرُوْنَ وَ یَمْکُرُ اللّٰہُ (8:30) وہ بھی تدبیریں کرتے تھے۔ یہاں لفظ مکر ہے عربی زبان کا جو لفظ ہے۔ اب ہمارے ہاں جو مکر ہے وہ تو آپ جانتے ہیں مکر' مکر پھر مکار۔ عربی زبان میں یہ اس طرح کے معیوب معنوں میں استعمال نہیں ہوتا' ہر تدبیر کو ہر منصوبے کو مکر کہتے ہیں اور مکر جو ہے شر کے لیے بھی ہوتا ہے' مکر خیر کے لیے بھی ہوتا ہے۔ تدبیر جو بھی آپ کریں گے ایک

سٹریٹجی ہے' ایک تدبیر ہے' یہ اُسے کہا جاتا ہے۔ کہا وہ بھی تدبیریں کر رہے تھے وَ یَمْکُرُ اللّٰہُ اور ادھر خدا بھی اپنی تدبیریں کر رہا تھا۔

عالم اسباب میں ہر پروگرام کی تکمیل اسباب کی ہی رہین منت ہوتی ہے

دیکھیے تدبیریں ہی کرتا تھا خدا بھی ورنہ کچھ مشکل نہ تھا خدا کے لیے کہ یہ جو مقابل کی جماعت ان کی مظلوم ہے' ہر قسم کی مدد کی بھی مستحق' اس کو کہا ہے' بغیر تدبیر کے بھی تو یہ کر سکتا تھا۔ یعنی جس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ جب اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (36:82) عدم سے وجود میں لے آتا ہے اپنے ایک ارادے کے ماتحت کائنات کو' تو کیا مشکل تھا ان کی ان تدبیروں کو وہ ناکام کر دیتا اپنے ایک یونہی ارادے سے۔ کہتا ہے نہیں وَ یَمْکُرُ اللّٰہُ یہاں عالم اسباب میں ہم اسباب ہی پیدا کرتے ہیں۔ یہاں تدبیر ہی کی جائے گی۔ کوئی سفید گھوڑیوں والے' سبز عماموں والے نہیں آئیں گے۔ تدبیر کی وَ اللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ (8:30) اور پھر خدا کی تدبیر تم نے دیکھ لیا کتنی عمدہ تدبیر تھی صاحب۔ یہ تدبیر کا عمدہ ہونا کیا ہے' ایک تو خدا کی تدبیر تو یاد رکھو ہمیشہ خیر کے لیے ہوگی شر کے لیے تو ہوگی نہیں' یعنی وہ مقصد جو ہے جس کے لیے وہ تدبیر کر رہا ہے' وہ مقصد خیر کا ہے۔ مومن کی تدبیر بھی خیر کے مقصد کے لیے ہوگی۔ اور اس کے بعد جو کہا ہے کہ وہ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ کے معنی ہیں' تدبیر کامیاب ہوئی بدر کے میدان میں۔ دونوں چیزیں ہیں: بلند مقصد کے لیے تدبیر اور تدبیر کامیاب ہو۔ کہا یہ ہے جو کچھ یہ ہوا ہے یہاں اس مقام کے اوپر۔ ان کی کیفیت یہ تھی ان مخالفین کی' یہ بات نہیں تھی کہ وہاں یہ جو کچھ تو پیش کر رہا تھا' جو مقاصدِ حیات بتا رہا تھا' جو اقدارِ خداوندی بتا رہا تھا' یہ ان سے بے خبر تھے' انہیں معلوم نہیں تھا' یہ بات نہیں تھی۔ وَ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ اٰیٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ ھٰذَآ اِنْ ھٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ (8:31) ان کے سامنے جب تو یہ چیزیں پیش کرتا تھا تو یہ کہتے تھے کہ ہاں ہم نے سن لیا ہے۔ اور میں پچھلے درس میں اس سے پہلے بتا چکا ہوں عربی زبان میں یا قرآنِ کریم میں' سننے اور سننے میں فرق دیکھنے اور دیکھنے میں فرق اور اس زبان میں تو پھر الفاظ بھی اس کے لیے الگ ہیں وہ یَنْظُرُوْنَ اور یُبْصِرُوْنَ آپ کو معلوم ہے۔ کہا یہ کہتے تھے کہ جی ہاں ہم نے سن لیا ہے۔ یہاں بھی ایک سن لیا ہے طنزاً کہا جاتا ہے' جب کہا جائے نابار بار کسی سے ''او سن لیا اے میاں' سن لیا اے' ایہدے معنی ہوندے ہیگے بکی کیوں جان ڈیا ہیگا ایں میں نئیں اوں منا میں نئیں او کرنا' اینیں وچ ای او ساری گل کر جاندا ہیگا''۔ بعض الفاظ میں تو Stress دینے سے ہی سارا مطلب صاف ہو جاتا ہے۔ یہ وہاں وہ ہے قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا'' سنی ہوئی اے' کوئی نویں گل کرن ڈیا اے'' نئی تو بات ہے نہیں جسے تم کہہ رہے ہو' خدا کی طرف سے وحی ہے' اگر ہم چاہیں تو ہم بھی اس قسم کی باتیں کر سکتے ہیں صاحب۔ افوہ۔ تئیس سال تک یہ چیلنج رہا کہ لاؤ تو سہی بتاؤ جس کا کہتے ہو کہ ہم چاہتے تو کر سکتے تھے اس جیسا بنا سکتے تھے ہم بھی۔

خالق کائنات کی طرف سے نوع انسانی کی حد تک ہر دور' ہر قوم کے ایک ایک فرد کو کھلا چیلنج

قرآن نے تو بڑے چیلنج دیے ہیں ایک سورۃ ہی بنا کے لاؤ دس سورتیں ہی بنا کے لاؤ' خود اکٹھے ہو جاؤ' اپنے حمایتوں کو اکٹھا کر لو۔ کوئی چھوٹا چیلنج نہیں تھا عزیزانِ من! یہ کوئی مذاق کی بات نہیں ہے جو یونہی ہم سن کے آگے چلے جاتے ہیں۔ یہ عرب تھے' زبان کے

اعتبار سے تو ان کو چیلنج دینا وہ تو پوچھو ہی نہیں یعنی لکھنوی تو میں یوں کہتا ہوں کہ یہاں تو صرف لطافت ہوتی ہے وہاں تو تلواریں میدان سے نکل آتی تھیں۔ کسی کے متعلق یہ کہنا کہ زبان کی غلطی کر گیا ہے وہ ملک میں رہتا نہیں تھا' منہ نہیں دکھاتا تھا واپس آ کے۔ ان سے یہ کہا جاتا رہا تیئس سال کہ ٹھیک ہے کہتے ہو نا ہم بھی بنا سکتے ہیں' لاؤ تو بنا کے' پورا قرآن نہیں دس سورتیں ہی بنا کے لاؤ۔ میدانِ جنگ میں جانیں تو انہوں نے دیدیں۔ قریباً بیاسی کے قریب ہیں چھوٹی بڑی لڑائیاں اور جھڑپیں جو حضور ﷺ کے ساتھ ہوئیں' کم از کم سات آٹھ سال تک وہ سارے کے سارے جنگوں میں میدانوں میں آتے رہے۔ یہ بڑا آسان کام تھا یعنی مشاعرہ کرنا کونسا مشکل تھا' ان کے لیے کیا مشکل تھا کہ کسی ایک میدان میں کہتے کہ ہاں صاحب چیلنج اگر یہی ہے کہ ہم اس جیسا بنا کے بتائیں اور تم کہتے ہو کہ دس سورتیں ہی لے آؤ' یہ لیجیے۔

قرآن حکیم کے پیش کردہ نظام حیات کے مقابلے میں کوئی انسان بھی اک سورۃ تک بھی پیش نہیں کر سکے گا

کیوں نہیں انہوں نے اس چیلنج کو قبول کیا۔ کتنا آسان تھا شکست دینا۔ تو ناممکن ہی تھا نا کہ نہیں ہو سکا ان سے۔ یہ نہیں ہو سکا ان سے' کہنے کو کہہ دیا کہ سنا ہوا ہے۔ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ (8:31) وہی پہلے لوگوں کی داستانیں ہیں جو تم سنا رہے ہو۔ یہ کفار کا قول تھا عزیزانِ من! اور آج آپ کوئی وعظ سن لیجیے آپ کو سب اساطیر الاولین اس میں نظر آئے گا' ساری کہانیاں' شروع سے آخر تک سب اساطیر الاولین' انہی کی کہانیاں' آپ کی زندگی کے پرابلمز جو ہیں ان کے متعلق ایک بات نہیں ہوگی۔ قرآن جو حقائق بیان کرتا ہے' جو رہنمائی دیتا ہے' جو اقدار بتاتا ہے' کچھ نہیں' کہانیاں ہی کہانیاں صاحب' اساطیر الاولین۔ یا پھر یہ وہی بات وَ اِذۡ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنۡ كَانَ هٰذَا هُوَ الۡحَقَّ مِنۡ عِنۡدِكَ فَاَمۡطِرۡ عَلَيۡنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائۡتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ (8:32) یا پھر یہ بات کہ اگر خدا تمہارا اتنا ہی قادر مطلق ہے' تمہارا ساتھ دیتا ہے' مدد کرنے والا ہے' اگر ہم اتنی غلطیوں کے اوپر ہیں' اتنا ہی اس کی ناراضگی کا باعث یہ سب کچھ ہیں تو پھر ہم پہ وہ عذاب کیوں نہیں لے آتا' پتھر کیوں نہیں برسا دیتا۔ روز جو کچھ ہمارے ہاں کہتے ہیں کہ ہاں صاحب اگر خدا ہے تو یہ ظالم کا ہاتھ جب اٹھتا ہے مظلوم کے اوپر تو وہ ہاتھ کو پتھر کیوں نہیں بنا دیتا۔ اس نے پہلے ہی کہہ دیا تھا يَمۡحُ اللّٰهُ یہاں تو اسباب اور تدبیر سے ہوتا ہے جو کچھ ہوتا ہے۔ ان طریقوں سے ہم نہیں یہ کچھ کیا کرتے' عذاب لانا ہوتا ہے انسانوں کے ہاتھوں سے عذاب ہوتا ہے۔

خدا کے ہاں نظام حکومت کا طریق اور لفظ عذاب کا مفہوم اور پھر مغضوب علیہ قوم کی کیفیت

تم کہتے ہو نا کہ وہ ہمیں قتل کیوں نہیں کر دیتا' مار کیوں نہیں دیتا' بدر کے میدان میں اس نے کہا ہے نا جماعتِ مؤمنین سے کہ یہ جو تم قتل کر رہے ہو' تم نہیں قتل کر رہے' ہم قتل کر رہے ہیں وَ مَا رَمَيۡتَ اِذۡ رَمَيۡتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (8:17) تم تیر نہیں چلا رہے ہم تیر چلا رہے ہیں۔ خدا یوں کیا کرتا ہے' براہِ راست اس قسم سے وہ یوں عذاب نہیں لایا کرتا' وہ اس عذاب سے لایا کرتا ہے جس انداز سے عذاب آیا ہوا ہے۔ وہ عذاب ہوتا ہے' شامتِ اعمال ماصورتِ نادر گرفت' قوموں کے سیاہ اعمال اور بداعمالیاں' غلط قسم کی حکومتیں جو

ہیں اور مسلط ہونے والے جوان کے اوپر ہیں' ان کو لے آتے ہیں' اسے عذابِ خداوندی کہتے ہیں۔ جیسے Infected چیز کھانے سے انفیشکن ہو جاتی ہے انسان کو' بیماری ہو جاتی ہے انسان کو' یہ خدا کا عذاب ہوتا ہے۔ عذاب کے معنی ہی ہیں اس کے صحیح قوانین کی خلاف ورزی کے مضر اور نقصان رساں نتائج' اسے عذاب کہتے ہیں۔ لیکن مذہب کی دنیا کے اندر عذاب یہی ہوتا ہے کہ وہ جناب پتھر بن جائے' آسمان سے پتھر برسنے شروع ہو جائیں یعنی جس میں ایک معجزے کا پہلو ضرور ہونا چاہیے۔ اسی لیے یہ ہے یہ غلط نگہی بلکہ خود فریبی جس کے اندر یہ امت گرفتار ہے کہ اتنا بڑا عذاب قرآن نے یہ کہا تھا کہ بنی اسرائیل پہ عذاب یہ تھا ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ وَ بَآءُ وْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ (2:61) دنیا میں ہر جگہ یہ ذلت اور خواری کی مار انہیں ماری گئی' یہ عذاب تھا خدا کا۔ یہ قوم خود ہزار برس سے یہ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ کی تفسیر کرتی رہی اپنے متعلق کبھی نہیں سوچا کہ جنہیں مغضوب علیہ کہا ہے' جنہیں کہا ہے کہ خدا کے عذاب میں گرفتار ہیں' ان کے ہاتھوں سے تمہیں جوتے پڑ رہے ہیں ''تسی فیر محبوب دے محبوب تے اوذلیل اور خوار''۔

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔

جنوں کا نام خرد رکھ لیا خرد کا جنوں

صدیوں سے ملت اسلامیہ کی اس زبوں حالی کی بنیادی وجہ صرف سوچ کا فقدان ہے

ارے یہ کیوں ذلت اور خواری تم پہ ہو رہی ہے' کہ جی اس واسطے کہ یہ دیکھیے نا دنیا اور یہ اس کی یہ جتنی ساری چیزیں ہیں یہ تو لاش ہیں اس کے چاہنے والے کتے ہیں۔ مومن یہ وہی ہے جس کے حصے میں یہ نہ آئے۔ یہودیوں کے حصے میں یہ کچھ نہ آئے تو وہ مغضوب علیہ' تمہارے حصے میں یہ کچھ نہ آئے تو تم خدا کی محبوب قوم ''او فٹے منہ تہاڈا''۔ ہوتا کیا ہے' سمجھنے سوچنے کی شمعیں گل ہو جاتی ہیں' صلاحیتیں نہیں رہتیں قوم میں سوچنے سمجھنے کی' جذبات کی اندر ہی بہے چلے جا رہی ہے عزیزانِ من! ہزار برس سے آپ ان مذہب پرستوں کے ہاتھوں سے جذبات میں بہے چلے جا رہے تھے۔ اس دور کے اندر آپ معاشرے کے اندر انہی جذبات میں بہے چلے جا رہے ہیں۔ عذاب ہے خدا کا کسی قوم کے اوپر جب وہ عقل وفکر سے کام لینا چھوڑ دے۔ سورۃ الانفال کی آیت 32 تک ہم آ گئے عزیزانِ من! 33 سے پھر آگے لیں گے اور بیان یہی چلا آ رہا ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

❀.....❀.....❀

پانچواں باب: **سورۃ الانفال** (آیات 33 تا 41)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیزانِ من! آج دسمبر 1972ء کی 24 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ الانفال کی 33 ویں آیت سے ہوتا ہے۔

(8:33)

قرآن حکیم کے نزدیک غور وفکر کی اہمیت کے برعکس انسانوں کی تکذیبی روش

سابقہ آیات میں بات یہ سامنے لائی گئی تھی' کہا یہ گیا ہے قرآنِ کریم میں کہ جب ان مخاطبین سے' ان مخالفین سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ زندگی کے اقدار ہیں' یہ کچھ اصول ہیں' یہ روش ہے' یہ نظام ہے اس پہ غور کرو' سوچو دیکھو کہ یہ تمہارے لیے' انسانیت کے لیے' کس قدر منفعت بخش ہیں تو یہ نہ اس پہ غور وفکر کرتے ہیں' نہ توجہ سے سننا چاہتے ہیں۔ یہ کہہ کے منہ موڑ لیتے ہیں کہ یہ ہے کیا' اگلے لوگوں کی کچھ کہانیاں جو بیان کی گئی ہیں' اس قسم کی کہانیاں ہم بھی وضع کر سکتے ہیں۔ گویا اس قدر Lightly لیتے ہیں ان چیزوں کو جن کا تعلق ان کی زندگی کی بنیادوں سے ہے۔ اور اس کے بعد کہتے یہ ہیں کہ یہ جو تم کہتے ہو کہ اگر انہیں تم نے تسلیم نہ کیا اور ان کے مطابق اپنی زندگی کا نقشہ نہ ڈھالا تو تم تباہ ہو جاؤ گے' برباد ہو جاؤ گے' ہلاک ہو جاؤ گے۔ تو ان کا جواب یہ ہوتا تھا کہ اگر یہ واقعی ایسی چیز ہے تو ہم ان کی تکذیب

کرتے ہیں‘ ان سے انکار کرتے ہیں‘ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ تو اگر ایسی ہی بات ہے تو کہو اپنے خدا سے کہ آسمان سے ہم پر پتھروں کی بارش کرے‘ ہمیں تباہ کر دے‘ وہ کرتا کیوں نہیں ہے۔

قرآن حکیم کی اصطلاحات کا بنیادی مفہوم سمجھے بغیر قرآن حکیم کا پیش کردہ فلسفہ حیات سمجھ میں نہیں آ سکتا

یعنی ان کے ذہن میں بھی وہی مذہب والا تصور تھا کہ یہ جو کچھ کہا جا رہا ہے‘ اس کا تعلق کچھ خدا کے اپنے کام سے ہے۔ اس کا کام ہم نہیں کرتے تو وہ اسے پھر بگڑ جانا چاہیے اور بگڑنے کی شکل جو ہے اس کا عذاب جسے کہا گیا ہے تو عذاب کی صورت تو کچھ اسی قسم کی ہو سکتی ہے کہ آسمان سے پتھر برسائے‘ ہم ہاتھ اٹھائیں تو ہمارے ہاتھ پتھر کے ہو جائیں‘ زمین میں دھنس جائیں یعنی کوئی فوق الفطرت سی بات ہونی چاہیے۔ اصل یہ ہے کہ یہ خود لفظِ عذاب بھی جو ہمارے ہاں ہے‘ آپ دیکھیں گے کہ جب یہ لفظ بولا جاتا ہے تو سزا سے کچھ الگ تصور اس کا ذہن میں آتا ہے۔ میں کئی دفعہ کہہ چکا ہوں کہ یہ جو بنیادی اصطلاحات ہیں قرآن کی جب تک ان کا صحیح قرآنی مفہوم سامنے نہ آئے‘ قرآن کے مطالب واضح ہو ہی نہیں سکتے۔ اور اس کی ضرورت خاص طور پہ اس لیے ہے کہ الفاظ تو ہمارے ہاں وہی مستعمل ہیں لیکن ان کا مفہوم کچھ اور ذہنوں میں ہمارے آ چکا ہوا ہے اور وہی مفہوم وراثتاً مسلسل آگے چلتا جا رہا ہے۔ یہ مفہوم ہے مذہب کی دنیا کا پیدا کردہ۔ اور اسلام کی اصطلاحات کا تعلق دین سے‘ نظامِ حیات سے‘ دستورِ مملکت سے ہے۔ مثلاً یہی لفظِ عذاب جو ہے ہم جب یہ کہیں گے کہ فلاں قوم کو اس کے غلط اعمال کے نتیجے میں اس قوم پر زوال آ گیا‘ اُسے میدانوں میں شکست ہوگئی‘ وہ ذلیل و خوار ہوگئی‘ سطوت اور ثروت ان سے چھن گئی‘ مملکت اور حکومت ان کے ہاتھوں سے چلی گئی‘ عروج اور بلندیوں کی بجائے وہ خاک نشیں ہوگئی‘ وہ قوم تباہ ہوگئی وہ قوم برباد ہوگئی‘ اس قوم کو اس کے غلط اعمال کی سزا ملی۔ آپ دیکھیں گے کہ یہ بات بالکل صاف طور پہ واضح ہو جاتی ہے‘ ذہن میں آ جاتی ہے کہ قوموں کے غلط اعمال کا نتیجہ کیا ہوا کرتا ہے۔ لیکن جونہی ہم اس کی بجائے وہ لفظِ عذاب اپنے سامنے لائیں گے کہ عذاب ہوتا ہے اس سے۔ انفرادی طور پہ یہ چیز آئے گی تو وہ عذاب تو ہمیشہ آخرت کی دنیا پر منتقل ہو جاتا ہے کہ وہاں ہوگا اور وہ پھر جہنم کا جو نقشہ ہے وہی عذاب ہمارے سامنے آتا ہے۔ اب یہ رہا کہ اس دنیا کے اندر قوموں کے متعلق بھی تو قرآن نے کہا ہے کہ ان کے اوپر عذاب آئے گا۔ تو عذاب سے ہمارے ذہن میں ان کے غلط روش کے نقصان رساں تباہ کن نتائج نہیں ہوتے جو اس شکل میں آتے ہیں جو میں نے ابھی عرض کیا ہے کہ قوموں کا عروج و ثروت ان کے زوال و نکبت میں بدل جاتا ہے۔ یہی ان کی تباہیاں اور بربادیاں ہوتی ہیں جسے عذاب کہا گیا ہے۔

نزولِ قرآن حکیم کے وقت مذہب پرستی کے باعث انسانی ذہن فوق الفطرت باتوں کا عادی تھا

ہمارے ذہن میں یہ بات نہیں آتی‘ ذہن میں یہی آتا ہے۔ یہ تو انفرادی طور پر ہم کہیں گے کہ اس کو اس کے جرم کی سزا ملی اجتماعی طور پر ہمیں کہنا چاہیے کہ وہ قوم تباہ اور برباد ہوگئی۔ لیکن جب یہ کہا جائے گا کہ اس پر عذاب آیا تو پھر ذہن اسی طرف منتقل ہوگا کہ کوئی فوق الفطرت سی بات ہونی چاہیے اس کے اندر۔ میں نے عرض کیا ہے کہ آج بھی ہمارا مذہب گزیدہ ذہن اسی طرف جاتا ہے۔ تو اس دور میں

جب یہ قرآن آیا ہے ان لوگوں کے سامنے تو دین کی شکل ہی ابھی نہیں تھی، دین کا مفہوم بھی نہیں تھا، اس لیے ان کا ذہن تو مذہب پرست قوموں کے اثرات سے متاثر تھا اور ان کے ہاں عذاب کا لفظ انہی معنوں میں بولا جاتا تھا جن معنوں میں آج بھی ہمارے ہاں مذہب پرست ذہن کے اندر یہ لفظ آتا ہے کہ کچھ فوق الفطرت سی بات ہونی چاہیے۔

قرآن حکیم میں جنگ بدر سے لے کر فتح مکہ تک ہونے والی جنگوں کا ذکر

لیکن آپ غور کیجیے کہ یہاں ذکر چلا آ رہا ہے بدر کی جنگ کا اور اس کے بعد آئے گا مختلف جنگیں جو ہوئی ہیں ان تمام جنگوں کا ذکر قرآن میں ہے۔ ان میدانوں میں اس قوم کو اس جماعت کو کامیابیاں حاصل ہو رہی ہیں، مخالفین کو شکست مل رہی ہے اور آہستہ آہستہ سات آٹھ برس کے عرصے میں آخری Decisive Battle جو ہوتی ہے اس میں مکہ فتح ہو جاتا ہے۔ اور اس قوم کی جو قومِ مخالف تھی، اس کی ساری مخالفت ختم ہو جاتی ہے۔ ان جنگوں میں جو اس قوم کو شکست ہوئی، ان مخالفین کی قوت ٹوٹتی چلی گئی، آہستہ آہستہ وہ نکبت اور زوال کی طرف آتے چلے گئے، ہر مقام پہ آپ دیکھیں گے کہ قرآن نے اسے عذاب سے تعبیر کیا ہے۔ یہاں بھی تو پیچھے سے ذکر جنگِ بدر ہی کا آ رہا ہے۔ یہ عذاب یہ وہی عذاب ہے جو قوموں کو ان کے زوال اور تباہی کی شکل میں دنیا میں ملتا ہے۔

قرآن حکیم نے اپنے ہاں استعمال ہونے والے الفاظ کے علاوہ اپنی تمام اصطلاحات کا مفہوم بھی مکمل طور پر پیش کر رکھا ہے

جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآنِ کریم کی یہ جو اصطلاحات ہیں، ان کو آج کی زبان میں سمجھایا جائے اور یہ نہیں ہے کہ اپنی طرف سے ان کا مفہوم وضع کیا جائے۔ یہ تو انتہائی درجے کا شرک اور کفر ہوگا۔ خود قرآنِ کریم نے ان کا مفہوم متعین کیا ہوا ہے۔ یہ عجیب چیز ہے کہ قرآن کی صرف آیات کا ہی مفہوم قرآن نے نہیں متعین خود کیا بلکہ اپنی اصطلاحات کا مفہوم بھی خود متعین کیا ہے اس نے۔ ذرا سے غور سے، فکر سے مطالعہ تدبر سے قرآن کا آدمی مطالعہ کرے تو آپ دیکھیں گے کہ ان اصطلاحات کا مفہوم بھی اس کے ہاں متعین ہو جاتا ہے۔

علامہ غلام احمد پرویزؒ کی طرف سے مرتب ہونے والی لغات القرآن کی خصوصیات

اور بات وہ اگرچہ ذاتی سی آ جاتی ہے لیکن آپ کی اطلاع کے عرض کروں کہ میں نے جو لغات مرتب کیا ہے اس لغات میں میں نے قرآنِ کریم کے الفاظ کے صرف لغوی معنی نہیں لیے ہیں، میں نے ان کا مفہوم متعین کیا ہے لسانِ عربی کے ذریعے سے جسے قرآن نے خود کہا ہے کہ ہم نے اسے عربی مبین کی زبان میں نازل کیا ہے تو بڑی اہمیت ہے اسے۔ اور پھر قرآنِ کریم نے ہی جس طرح سے ان الفاظ اور ان اصطلاحات کا مفہوم متعین کیا ہے میں نے اپنے لغت میں یہ چیز دی ہے۔

آج کے دور میں قرآن حکیم کی اصطلاحات کو سمجھنے کا طریق

یہ بڑی اہم بنیادی چیز ہے قرآن کا مفہوم سمجھنے کے لیے کہ اس کے الفاظ مفردات اور اصطلاحات کا مفہوم متعین کیا جائے آج کی زبان میں کہ آج وہ بات کیسے سمجھ میں آئے گی۔ جونہی آپ عذاب کا ترجمہ عذاب کریں گے' آپ نے دیکھا کہ ذہن کدھر منتقل ہو جائے گا۔ اور اگر آپ میدانِ جنگ میں جہاں بدر کے میدان میں قرآن یہ لفظ لایا ہے عذاب کا یہ کہیں گے کہ بدر کے میدان میں جو اس قوم کو شکستِ فاش ہوئی ذلت آمیز شکست ہوئی' اُسے عذاب کہا گیا ہے۔ آج کی زبان میں یہ نظر آئے گا کہ کسی قوم کا میدانِ جنگ میں اس طرح سے شکست کھا جانا عذاب ہے۔ میں عرض یہ کر رہا تھا کہ قرآنِ کریم جہاں ان الفاظ کو لاتا ہے' ضرورت ہے کہ اس کا صحیح مفہوم قرآن سے متعین کر کے سامنے لایا جائے پھر ان مقامات کا صحیح مطلب واضح ہوتا ہے۔

اہل قریش پر یہودی اور عیسائی مذہب پرست قوموں کے اثرات

وہ اسی پرانے تصور کے مطابق جو ان کے ہاں عربوں کے ہاں خود بھی اور وہ ایران کے مجوسی یہودی عیسائی' یہ مذہب پرست قومیں ان کے گرد و پیش تھیں اور خود ان کی آبادیوں کے اندر تھیں۔ ان کا دیا ہوا جو مذہب کا تصور تھا' وہی تصور ان قریش کے ہاں بھی یہ پایا جاتا تھا۔ انہیں بھی یہی غلط فہمی پیدا ہوئی تھی کہ یہ بھی ایک اور مذہب ہے جسکی تبلیغ اب ہو رہی ہے' ایک نیا مذہب۔ حالانکہ یہ نہ پہلے مذہب اپنے اوریجن کے اعتبار سے مذاہب تھے وہ بھی دین ہی تھے' جب ان کے پیغمبروں نے اسے پیش کیا ہے' نہ یہ جواب پیش کیا جا رہا تھا یہ بھی کوئی مذہب تھا یہ بھی الدین ہی تھا۔ وہ یہ کہتے تھے کہ اگر تم یہ کہتے ہو کہ ہم غلط روش پہ چل رہے ہیں تو پھر کیوں نہیں یہ ہوتا کہ آسمان سے فرشتے اتریں اور وہ ہاتھوں میں پتھر لیے ہوئے ہوں اور وہ آ کے ہمیں تباہ کر دیں۔ ایک چیز اس کے بعد کہی گئی۔ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (8:33) عام ترجمہ مفہوم تو یہ کہ یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ خدا ان کو عذاب دے درآں حالیکہ تو ان کے اندر ہے۔ یہی ترجمہ کیا جائے گا یہی بات پیش کی جائے گی۔ اس سے ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ انہیں اس لیے نہیں عذاب دیا جائے گا کہ تو ان کے اندر ہے۔ یعنی جب عذاب دیا جائے گا تو آسمان سے اگر وہ پتھر برسیں گے یا یہ چیز ایسی ہو گی تو اس کے اندر تو پھر سب آ جائیں گے اور تو بھی اس شہر کے اندر ہے اس لیے اب ہم ایسا کیسے کر سکتے ہیں کہ جب تو بھی اس کے اندر ہے تو پھر ان کو عذاب دیدیا جائے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ ذہن کدھر منتقل ہوا۔ یعنی اس لیے ان کو بخشا جا رہا ہے' چھوڑا جا رہا ہے کہ ابھی تو ان کے اندر بس رہا ہے' جب تو یہاں سے نکل جائے گا تو پھر ہم انہیں تباہ کریں گے۔ اور ابھی اس سے پہلے وہ آیت آپ کے سامنے آ چکی ہوئی ہے وَ اتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً (8:25) کہ اس فتنے سے ڈرو خوف کھاؤ احتیاط برتو کہ جب وہ آیا کرتا ہے تو صرف ظالمین تک ہی محدود نہیں رہا کرتا وہ سارے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا کرتا ہے۔ یہاں تو خود قرآن نے بتا دیا ہے کہ سوال ہی نہیں ہے کہ انہیں ان میں سے نکال لیا جائے اور اس کے بعد وہ پھر فتنہ آئے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ تو فتنہ آیا کرتا ہے جبکہ یہ ساری مخلوق آبادی ہوتی ہے اس میں وہ لوگ جو انفرادی طور پر نیک بھی ہوتے ہیں وہ بھی اس کی لپیٹ میں آ جایا کرتے ہیں۔ اس لیے احتیاط برتو کہ

اس قسم کی کیفیت نہ پیدا ہونی چاہیے۔ لہٰذا یہ آیت اگر یہ لیا جائے کہ اس لیے ان کے اوپر یہ عذاب نہیں آتا تھا کہ اس میں ابھی رسول اللہ ﷺ یا جماعتِ مؤمنینؓ موجود تھی تو یہ تو اس آیت کے خلاف بات جاتی ہے۔ بات یہ نہیں' اگلی ہی آیت میں بات صاف کر دی وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (8:33) بڑی اہم چیز ہے یہ۔ پہلے تو آپ یہ دیکھیے کہ جن برگزیدہ ہستیوں کو منصبِ رسالت کے لیے منتخب کیا جاتا تھا ان کی ذمہ داریاں کتنی طویل تھیں' انکے ذمے جو فرائض عائد کیے جاتے ہیں' جو کام عائد کیا جاتا تھا' جو پروگرام ان کو دیا جاتا تھا وہ کس قدر اعصاب شکن' خارہ شگاف مصیبتوں اور تکالیف سے بھرا ہوا۔

پورے حجاز میں نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس کے مقام بلند کی اہمیت لیکن نبوت کے اعلان پر مخالفت کی یہ کیفیت کیوں؟

حضور ﷺ اسی قریش کے بلندترین معززترین خانوادہ کے فرد تھے' اس دعوت سے پہلے کی زندگی اپنی زندگی یہ تھی کہ ساری قوم انہیں الامین کہتی تھی۔ سب سے بڑا بھروسہ آپ کے اوپر کیا جاتا تھا' ممتازترین فرد تھے اس دور میں پورے حجاز میں یوں کہیے۔ اتنی عزت کے مالک تھے' اتنا بلند مقام تھا اپنوں کی نگاہوں میں' اپنی قوم کی نگاہ میں۔ جونہی آپ نے یہ آواز بلند کی ساری قوم دشمن ہوگئی اور تیرہ سال اسی مکے کی زندگی میں جس کے اندر آپ اتنی ممتاز حیثیت رکھتے تھے اس سے پیشتر ان کی نگاہوں میں' ساری زندگی مصائب و تکالیف اور صعوبات سے بھری ہوئی ہے۔ ہر قسم کے الزامات آپ کے خلاف۔ کہیں (معاذ اللہ) پاگل کہا جا رہا ہے۔ کہیں ساحر کہیں مجنون' پتھر مارے جا رہے ہیں گھر سے نکالا جا رہا ہے۔ سوچیے تو سہی عام الفاظ میں کہ کیا پایا آپ نے اس آواز کو بلند کر کے۔ کتنا بڑا منصب ہے یہ لیکن اس کے بعد آپ دیکھتے ہیں کہ کیفیت وہاں کیا ہوتی ہے۔ لیکن بات یہی ہے کہ وہ تو ایسا ہی تھا کہ خدا چنتا ہی اس منصب کے لیے اُسے تھا کہ جو ان تمام چیزوں کو اس طرح سے برداشت کرے اور اپنے فریضے کے ادائیگی میں مسلسل' متواتر آگے بڑھتا چلا جائے۔

نبوت کے فرائض منصبی ادا کرنے کے سلسلہ میں آپ ﷺ کی عظمت کی گواہی خدائے علیم نے دی

خدا نکردہ معاذ اللہ' وہ یہ نہیں تھا کہ رسول یہ سمجھتا تھا کہ میں کس مصیبت میں پھانس دیا گیا میں نے تو نبوت مانگی ہی نہیں تھی۔ میں نے تو رسالت مانگی ہی نہیں تھی' از خود تو مجھے یہ دیدی ہے اور اس دینے کے بعد اب کیفیت یہ ہے کہ صاحب اُسی معاشرے کے اندر جہاں میں اتنا معزز مقام رکھتا تھا' گالیاں کھا رہا ہوں' مخالفت ہو رہی ہے' پتھر برس رہے ہیں' گھر بار والوں کے اوپر عرصۂ حیات تنگ کیا ہوا ہے۔ سوال یہ نہیں تھا۔ یہ کچھ بات ہی عجیب ہوتی ہے۔ وہ تو اندر سے پھر یہ چیز ابھرتی ہے اور انسان اس کو اپنی زندگی کا جزو سمجھ کے کرتا چلا جاتا ہے۔ یہ چیز جو تھی کہ اس آواز کو آپ نے پہنچانا تھا بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ (5:67) جو کچھ تمہیں دیا جا رہا ہے اس کو پہنچاؤ۔ اور صرف پہنچانا ہی نہیں ہے پھر اس کے مطابق ایک جماعت کی تشکیل ہے' پھر اس کے بعد ایک معاشرے کو متشکل کرنا ہے' پھر ایک مملکت کا قیام ہے۔ یہ سارا فریضہ عائد ہو گیا اس وحی کے ملنے سے۔ اب اس قوم کے اندر آپ بیٹھے ہیں' پہنچائے جا رہے ہیں ان عقائد کو' ان اقدار کو' اور ہر روز نئی تکلیف اور نئی مصیبت کا سامنا ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ایک دن آخر میں تو ہجرت کی تھی۔ سوال یہ ہے کہ پہلے ہی وہاں سے چھوڑ کے

کیوں نہ چلے گئے۔ اگر ایسی صورت پیدا ہو جاتی' اگر یہ صورت اختیار کر لیتے تو وہ جو فریضہ عائد ہوتا تھا' جو کچھ نازل کیا جاتا ہے تیرے اوپر اسے پہنچا (5:67)' یہ فریضے کی عدم ادائیگی ہو جاتی' جا ہی نہیں سکتے تھے۔ آپ دیکھیے نا اس چیز کو' دستِ تہ سنگ؟؟ پیمانِ وفا ہے' ماریں کھا رہے ہیں' گالیاں کھا رہے ہیں' تکالیف برداشت کر رہے ہیں۔ یہ ہے امکان میں کہ اس جگہ کو چھوڑ دیں' چھوڑ نہیں سکتے۔ اس لیے کہ فریضہ یہ ہے کہ سب سے پہلے اس قوم تک اپنی آواز پہنچا۔ دوسری جگہ کہا ہے تا کہ کوئی نفس اس لیے کہ اس تک یہ بات پہنچی نہیں تھی وہ تباہ نہ ہو جائے (6:70)۔ یعنی ان کو بچانا اس کا ذمہ ہے' کنہیں بچانا' کہ جو روز پتھر مار رہے ہیں' جو روز گالیاں دے رہے ہیں۔ پھر پہنچانا Mechanically نہیں ہے قرآن کہتا ہے کہ ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں تو اپنی جان گھلا لے گا اس غم میں کہ یہ لوگ کیوں نہیں سیدھے راستے پہ آتے۔ جان گھلا لے گا (18:6,26:3)۔ فریضے کی ادائیگی جیسا میں نے ابھی عرض کیا ہے وہ جسے کہتے ہیں ڈیوٹی' وہ بھی بات نہیں ہے' جان گھلا رہا ہے۔ قرآن کہہ رہا ہے کہ پہنچائے چلے جاتا کہ کوئی نفس اس لیے کہ اس تک یہ بات پہنچی نہیں کہیں تباہ نہ ہو جائے۔ تیرے ذمہ یہ فریضہ ہے کہ پہنچا دے ان ایک ایک تک۔ تو میں نے کہا ہے نا کہ مسلسل تکالیف برداشت ہو رہی ہیں' صعوبات سہی جا رہی ہیں ان کی طرف سے جن کے بچانے کے لیے یہ اپنی جان گھلا رہا ہے۔ ان کی طرف سے یہ کچھ ہو رہا ہے۔ اور اس پروگرام سے اس ملک کو بھی نہیں چھوڑتا' اس جگہ کو بھی چھوڑ کے کہیں اور نہیں چلا جاتا۔ آپ دیکھتے ہیں منصبِ رسالت اس کے فرائض اور اس کی ذمہ داریاں کتنی بڑی ہیں۔

خدا کے نبی کے لیے تو ہجرت بھی احکام الٰہی کے بغیر قبل از وقت نہیں ہوتی

ٹھیک ہے جب اس پروگرامِ خداوندی کے مطابق وہ وقت آیا جب یہ کہا گیا کہ اب اس معاشرے کے اندر اس کا امکان باقی نہیں رہا ہے کہ یہ لوگ یوں تسلیم کر لیں گے' اس لیے اب یہاں سے چلو اور اس فضا کی طرف ہجرت کر جاؤ جو اس نظام کے قیام کے لیے زیادہ سازگار اور مساعد ہے۔ اسے ہجرت کہتے ہیں۔ ذرا قبل از وقت یہاں سے چلے جانے کے متعلق خود قرآنِ کریم میں بتا دیا حضرتِ یونسؑ کا واقعہ۔ قرآن نے کہا یہ ہے' ہوا کیا تھا' انہی حالات میں حضرت یونسؑ نے یہ از خود فیصلہ کر لیا کہ اب یہ قوم صحیح راستے پہ نہیں آ سکتی ان میں سے جتنے لوگ ایسے تھے جنہوں نے اسے تسلیم کرنا تھا وہ کر چکے ہیں' اب یہ اس صحیح راستے پہ نہیں آئے گی۔ تو چنانچہ وہاں سے وہ ہجرت کر کے چلے گئے۔ یہ گویا انتظار نہیں کیا آپؑ نے کہ اس کے متعلق خود خدا کا فیصلہ ہو جائے کہ اب اس ماحول میں امکان باقی نہیں رہا کسی اور کے اس طرف آنے کا' اس وقت جانا تھا اسؑ نے۔ خود چلے گئے اور قرآن یہ کہتا ہے کہ اس کے بعد وہ خود مصیبت میں پھنس گئے اور کہا گیا کہ انہوںؑ نے خود یہ کیسے فیصلہ کر لیا کہ یہ لوگ اب راہِ راست پہ نہیں آئیں گے۔ اور یہ عجیب چیز ہے کہ اس کے بعد قرآن نے کہا کہ یہ دیکھیے وہ قوم ایمان لے آئی (37:148)۔ تو رسول کے ذمہ تو یہ چیز بھی ہوتی ہے کہ اس وقت تک اس جگہ کو بھی نہیں چھوڑ سکتا جب تک یہ فیصلہ خود خدا کی طرف سے نہ ہو (68:48)۔ تو یہ جو کہا ہے کہ یہ تو شور مچا رہے ہیں کہ اگر ایسی ہی صورت ہے تو ہم پہ پھر وہ عذاب کیوں نہیں آتا' تباہی کیوں نہیں ہوتی۔

خدائے رحیم وکریم کی رحمانیت تو انسان کو آخری حد تک صحیح روش اختیار کا موقعہ فراہم کرتی ہے

کہا یہ کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ شور تو مچاتے ہیں' جلدی مچا رہے ہیں کہ کیوں نہیں ہو رہا لیکن صورت یہ ہے کہ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (8:33) اس کا امکان تو ابھی ہے کہ تو یہ بات کہے جائے اور ان میں وہ لوگ جو چاہتے ہیں کہ ان کی حفاظت ہو جائے' اس تباہی سے وہ لوگ غلط روش کو چھوڑ کر صحیح روش اختیار کر لیں تاوقتیکہ آخر تک خود خدا اس کو نہ دیکھ لے کہ اب اس باقی حصۂ قوم میں اس کا امکان نہیں رہا کہ یہ صحیح راستے پہ آ جائیں گے۔ اس وقت تک وہ نبی اس مقام کو چھوڑ بھی نہیں سکتا۔ یہ وجہ ہے کہا کہ یہ کہتے ہیں کہ یہ جلدی سے یہ کیوں نہیں ہو جاتا۔ اس لیے نہیں ہو جاتا کہ تو ان میں ابھی اس پیغام کو پہنچا رہا ہے اور اس کا امکان ہے کہ ان میں ایسی سعید روحیں ابھی موجود ہیں کہ جو اپنی حفاظت کا سامان کر لیں گی تمہاری اس دعوت کو قبول کر کے۔ اس لیے ابھی جلدی سے یہ چیز نہیں ہو رہی۔ اور اس کے بعد جب یہ دیکھ لیا گیا کہ اب یہاں اس کا امکان نہیں ہے باقی تو پھر یہاں سے ہجرت ہوئی۔ پھر آپ ﷺ مدینے تشریف لے گئے اور وہاں جانے کے بعد پھر یہ پہلی جنگ ہوئی ہے جسے جنگِ بدر کہا گیا ہے اور شروع سے جس کا تذکرہ چلا آ رہا ہے۔ یہ ہے ناعذاب کی پہلی شکل جو سامنے آئی ہے۔

میدان بدر میں قریش کو اس قدر ذلت امیز شکست ہوئی کہ انہیں شرم کے مارے رونے کی بھی اجازت نہ تھی

بدر کے میدان میں اس قریش کو اتنی ذلت آمیز شکست ہوئی تھی۔ قوم یہ بڑی غیور تھی باحمیت تھی' ایسی ذلت آمیز شکست تھی کہ یہ چاہتے نہیں تھے کہ اس کا چرچا دوسرے قبائل میں یا عام جگہ ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے آ کے فیصلہ کیا تھا کہ کوئی گھرانہ اپنے مقتولین کی موت پہ نوحہ نہ کرے' روئے نہیں۔ یعنی یہ جو غم تھا اس چیز کا کہ اتنے وہاں میدانِ جنگ میں ان کے لوگ مارے گئے' کہا یہ گیا آ کر کہ ان کے اوپر کوئی نوحہ نہ کرے' کوئی روئے نہیں' کوئی آواز اونچی نہ نکلے کسی کی۔ تاکہ ایک تو یہ کہ عام پتہ نہ چلے اور پھر یہ بھی محسوس نہ ہو دوسروں کو کہ ہمیں اس قدر صدمہ ہے اس شکست کا اور اپنے مقتولین کا کہ ہم ان پہ نوحہ کرتے ہیں' محسوس ایسا ہو کہ گویا ہمارا کچھ بگڑا ہی نہیں ہے۔ یہ فیصلہ لیا تھا ان لوگوں نے کہ کوئی نوحہ نہ کرے۔ اور اس میں بڑا دلچسپ سا واقعہ آتا ہے ان میں کا ایک بہت بڑا سردار تھا اس کے دونوں بیٹے بدر میں مارے گئے تھے لیکن لب بند تھا' زبان پہ ایک لفظ نہیں آ سکتا تھا' رونے کی اجازت نہیں تھی' آنکھوں کے چشمے خشک کر دیے گئے تھے قوم کے اس فیصلے نے' ضبط کیے بیٹھے ہوئے تھے یہ لوگ۔ تو ایک دن اس نے سنا کہ دور سے کسی عورت کے رونے کی آواز آ رہی ہے تو اس نے اپنے غلام سے نوکر سے کہا کہ جا کے دیکھو میرا خیال یہ ہے کہ اجازت مل گئی ہے نوحہ کرنے کی' جاؤ پتہ لاؤ۔ تو اس نے آ کے کہا کہ نہیں اس کا تو اونٹ کہیں گم ہو گیا ہے وہ اس اونٹ کے ماتم میں رو رہی ہے۔ تو اس نے ایک بڑا دردناک شعر کہا تھا کہ یہ قوم بھی بڑی عجیب ہے کہ اونٹ کے گم ہونے پر تو نوحہ کی اجازت ہے' دو جوان بیٹوں کے مرجانے پہ مجھے آواز نکالنے کی بھی اجازت نہیں دی جا رہی۔ دل میں اتنا ہول اٹھ رہا تھا ان کے لیکن اس شکست اور اس ذلت کے احساس کی نمود نہیں وہ کرنا چاہتے تھے' باہر بات نہیں نکالنا چاہتے تھے کہ ہم پہ یہ ہوا ہے۔

قرآن حکیم کے الفاظ میں عذاب کی یہ شکل تھی

غور فرمایا آپ نے کہ عذاب یہ کتنا شدید ہے' کتنا سخت عذاب ہے۔ یہ تھا پہلا عذاب جو آیا ہے اور ابھی تو پہلی کڑی ہے اس کی۔ کہا کہ اب جبکہ تم مکے کو چھوڑ کے مدینے آ گئے' ان سے قطعہ تعلق ہو گیا' تم ان کے معاملات میں مداخلت نہیں کرتے۔ اس کے باوجود انکی کیفیت ہے کہ وہ یہاں بھی چڑھ دوڑے ہیں۔ آگے ایک بات کہی ہے کہ یہ سلسلہ کہاں تک جاری رہے گا' آخری Decisive جسے میں نے کہا ہے' فیصلہ کن ایک معرکہ ہے وہ کب ہو گا اور اس کا مقصد کیا ہے۔

کعبہ کا مملکت اسلامیہ کا مرکز قرار پانا نبی اکرم ﷺ کی شدت آرزو کے اظہار کی تکمیل تھی

یہ جو مملکت وجود میں آ رہی تھی یعنی دین کا تمکن جو ہو رہا تھا' اس کا مرکز کعبہ ہے۔ عجیب چیز ذہن میں آئی کہ جنوری کے مہینے میں تو یہ حج آ رہا ہے میں سمجھتا ہوں کہ حج سے پہلے ایک درس مجھے حج ہی کے متعلق مخصوص کر لینا چاہیے تا کہ یہ چیز سامنے آ جائے کہ قرآنِ کریم کی رو سے کعبے کی حیثیت کیا ہے اور حج سے مقصود کیا ہے۔ ایسا ہم کر لیں گے اس وقت آپ دیکھیں گے کہ کعبہ کے معنی کیا ہیں اور یہ ''منہ طرف کعبہ شریف اللہ اکبر ہے'' اس کا مفہوم کیا ہے۔ بڑی عظیم حیثیت ہے کعبے کی۔ بہرحال آج تو میں اتنا ہی کہہ کے آگے بڑھ جانا چاہتا ہوں کہ یہ جو نظام تھا الدین' یہ جو مملکت تھی اس کا مرکز کعبہ قرار پانا تھا۔ کعبہ مکے میں اور مکہ انہی قریش کے قبضے میں تھا' مکہ ہی نہیں بلکہ کعبے کی تولیت بھی انہی کے ہاتھ میں تھی۔ ہم دیکھ چکے ہیں پہلے دوسرا ہی پارہ جہاں شروع ہوا تھا کہ اس میں قرآنِ کریم یہ کہہ رہا تھا نبی اکرم ﷺ سے کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح تیری نگاہیں بار بار اس شدتِ آرزو میں آسمان پہ اٹھ رہی ہیں کہ بارِالٰہا یہ دین کا نظام جس کے قیام کی ابتداء یہاں مدینے میں ہو رہی ہے' اس کا مرکز اس کا منتہا و مقصود تو کعبہ ہے اور کعبہ کی تولیت ان کے ہاتھ میں ہے جو اس دین کے سب سے بڑے مخالف اور دشمن ہیں۔ یہ بات چلے گی کیسے کہ مرکز تو وہاں رہے اور اس کے قیام کی کوششیں یہاں ہوں۔ جب تک اس مرکز کی تولیت ہمارے قبضے میں نہیں آتی' دین کا نظام تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔

فتح مکہ کا جذبہ محرکہ کعبہ کو مرکزِ ملت کا مقام عطا کرنا تھا جہاں سے الناس کے لیے خدا کی حاکمیت کی آواز بلند ہو

بڑے حسین انداز میں قرآن نے یہ کہا ہے کہ ہم دیکھ رہے تھے کہ کس طرح سے تیری نگاہیں آسمان کی طرف اٹھ رہی ہیں۔ یعنی یہ آرزوئیں کتنی مچل رہی ہیں تیرے سینے میں کہ ایسا ہونا چاہیے۔ اور کہا کہ ہمیں معلوم ہے اور وہیں کہہ دیا کہ یہ ایسا ہو کے رہے گا اس لیے کہ ہم نے اس الدین کو نازل اس لیے کیا ہے کہ یہ تمام باقی یہ جتنے بھی نظامہائے حیات ہیں' ان کے اوپر غالب آ کے رہے (9:33)۔ اور یہ غالب آ نہیں سکتا تاوقتیکہ دین کا مرکز اس دین کے قائم کرنے والوں کے ہاتھ میں نہ ہو۔ اور یہ تھی جسے میں نے کہا ہے Decisive Battle فیصلہ کن معرکہ جسے فتح مکہ آپ کہتے ہیں۔ وہ کسی شہر کا فتح کرنا یا کسی قوم کو اپنا مغلوب و محکوم بنانا نہیں تھا وہ کعبہ جو مرکز تھا الدین

کا اس مملکت اسلامیہ کا اسے اپنی تولیت میں لینا تھا۔ اور تولیت میں بھی کاہے کے لیے لینا تھا' کعبے کے اندر کوئی خزانہ بھرا ہوا تھا کوئی بہت بڑا قلعہ تھا کہ جس کو سر کرنا ضروری تھا' یہ بات نہیں تھی۔ وہ ایک Symbol تھا اس چیز کا کہ خدا کا نظام جو ہے وہ الناس کے لیے نوعِ انسانی کے لیے ہے۔ اس کے لیے کہا تھا کہ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ دنیا کے انسانوں کو تم دعوت دو کہ وہ آئیں اور دیکھیں کہ یہ نظام ان کی منفعت کے لیے کیا کچھ کر رہا ہے۔ یہ مقصد تھا اس کعبے کی تولیت کا۔ یہ وہ آخری فیصلہ کن مرحلہ تھا اس کی ابتداء بدر کے میدان میں ہو رہی تھی اور یہیں سے یہ کہہ دیا کہ وَ مَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَ هُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ مَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ (8:34) کہا کہ یہ کیوں نہ ایسا ہو کیوں نہ ان کو اس قسم کی سزا ملے کیوں نہ ان کو شکستیں ملیں جب کہ کیفیت یہ ہے۔

کعبہ کی موجودہ کیفیت کے سلسلہ میں ہمارا کردار

کعبہ کو ہم نے اس مقصد کے لیے متعین کیا تھا کہ وہاں سے ایک خدا کی حاکمیت کی آواز بلند ہو۔ اور ان کی کیفیت یہ ہے کہ ایک خدا کی آواز کا بلند ہونا تو ایک طرف رہا' اس کے اندر انہوں نے اپنے اپنے قبیلے کے بت بنائے' جتنی چیزیں اقدارِ خداوندی کے خلاف ہیں ان کا سرچشمہ کعبہ بن رہا ہے۔ نسل اور حسب ونسب کا تفاخر' کعبہ ان کا مرکز' یعنی قریش وہ اس کے متولی تھے۔ دنیا بھر کے مفتوح و مغلوب انسانوں کو غلام اور لونڈیاں بنالینا یہ ان کے ہاں تھا' انتہائی سرمایہ داری ان کے ہاں تھی' جہالت ان کے ہاں کا فخر۔ یہ سارے جتنے انسانیت کے جرائم ہیں ان کا مرکز یہ قریش اور یہ کعبہ بنا رکھا ہے انہوں نے۔ تو کیا یہ ہوسکتا ہے کہ اس دینِ خداوندی کا جو مرکز ہے اس کی تولیت ان لوگوں کے ہاتھ میں رہنے دی جائے جو ان کی ہر روش اس دین کے خلاف جاتی ہے۔ کہا یہ ان کو حق نہیں پہنچتا۔ اور پھر کیفیت یہ ہے يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (8:34) اب یہاں یہ ہے کہ کعبہ کے راستے میں یہ رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ یہ تو بات نہیں تھی کہ وہ کعبے تک لوگوں تک پہنچنے نہیں دیتے تھے۔

قبل از اسلام کعبہ کی عظمت اور وہاں ہونے والے اجتماعات کی نوعیت

یہ تو اسلام سے بہت پہلے صدیوں سے قرنہا قرن سے کعبہ جو تھا لوگوں کی جمع ہونے کی جگہ موجود تھی۔ وہاں بہت بڑا اجتماع ہوتا تھا۔ یہ جو حج ہے یہ تو ان کے ہاں کا ایک سالانہ اجتماع تھا بہت عظیم اجتماع تھا' اور جسے آج عمرہ کہتے ہیں نا آپ یہ سال میں چھوٹی چھوٹی کانفرنسیں ہوا کرتی تھیں۔ میں بتاؤنگا یہ ہے ہی بات یہ۔ ایک تو ایک Annual Conference ہے اور ایک جب بھی ضرورت پڑے کسی طرح سے قوم کے نمائندوں کو اکٹھا ہونے کی' یہ وہ ہے جسے آپ عمرہ کہتے ہیں۔ تو ان کے ہاں یہ ہوتا تھا حجِ اصغر اور حجِ اکبر' سارے عرب کے اجتماعات یہیں ہوا کرتے تھے اب بھی وہ لوگوں کو بلاتے تھے۔

حج کے پروگرام میں یا اجتماعات میں پیدا ہونے والی رکاوٹوں کا ذکر

اب بھی حج ہوتا تھا ان دنوں بھی جب یہ مدینے میں تشریف لے گئے ہیں تو مکے میں اسی طرح سے حج ہوتا تھا۔ یہ جو چیز کہی ہے کہ یہ اس کے راستے میں رکاوٹ بن رہے ہیں تو یہ رکاوٹ کیا تھی۔ یعنی جس مقصد کے لیے کعبہ وجود میں آیا تھا اس مقصد کے حصول میں

رکاوٹ بن رہے ہیں اس لیے ان کا حق نہیں ہے کہ یہ کعبہ پر اپنی تولیت رکھیں۔ اِنۡ اَوۡلِیَآؤُہٗ ۚ اِلَّا الۡمُتَّقُوۡنَ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَہُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ (8:34) کعبہ کی تولیت کا حق انہی کو حاصل ہے کہ جو قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کریں لیکن مشکل یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ جو ہیں اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ کعبہ کا مقصد کیا ہے۔ انہوں نے اسے ایک قومی مرکز سمجھ رکھا ہے۔ قریش کا سارا افتخار کعبہ کی تولیت کی وجہ سے تھا اور وہ اس کا مقصد اتنا ہی سمجھتے ہیں جیسے یہ ہمارے ہاں یہ بڑے بڑے مزاروں کے مجاور ہوتے ہیں' ان کے نزدیک ان کا مقصد اتنا ہی ہوتا ہے۔ کہا انہوں نے اتنا ہی مقصد سمجھ رکھا ہے' مقصدِ عظمیٰ جو ہے کعبہ کا وہ تو ایک طرف رہا وَ مَا کَانَ صَلَاتُہُمۡ عِنۡدَ الۡبَیۡتِ اِلَّا مُکَآءً وَّ تَصۡدِیَۃً (8:35) کہا ان کی کیفیت یہ ہے کہ نام تو انہوں نے صلوٰۃ ہی رکھا ہے اس کا لیکن اس صلوٰۃ کے جو ظواہر ہیں ان کی بھی یہ کیفیت ہے کہ یہاں آ کے یہ بے معنی الفاظ زبان سے نکالتے ہیں بے مطلب حرکتیں کرتے ہیں۔ عام طور پہ ترجمہ تو یہ کیا جاتا ہے کہ یہ یہاں آتے ہیں سیٹیاں بجاتے ہیں' تالیاں پیٹتے ہیں۔ ٹھیک ہے اس کے مجازی معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں۔ بنیادی معنی ان الفاظ کے ہیں کہ بے معنی الفاظ زبان سے نکالنا وہ الفاظ کہ جن کا مفہوم نہ سمجھ رہے ہوں اور اس قسم کی حرکات کرنا کہ جن حرکات کا مقصد ان کے ذہن میں نہ ہو کہ ہم کیوں یہ کر رہے ہیں۔

آج ہمارے ہاں حج اور مناسک حج کی ادائیگی کی عملی شکل وصورت

دیکھتے ہیں عزیزانِ من! آج ہماری صلوٰۃ اور سب سے بڑا اجتماع کہ جسے ہم حج کہتے ہیں' معاف رکھیے گا' کیا یہی چیز نہیں بن کے رہ گئی۔ وہاں آگے آگے معلم کچھ عربی زبان میں بولتا چلا جاتا ہے' یہ پیچھے والے ان الفاظ کو دہرائے چلے جا رہے ہیں۔ کچھ پتہ نہیں ہم کیا کہہ رہے ہیں۔ وہ کچھ کہہ رہا ہے کہ یہاں بھاگو' یہاں گھومو۔ یہ بھی وہاں بھاگتے ہیں' یہاں گھومتے ہیں۔ حرکات کچھ ہو رہی ہیں۔ کیوں ایسا ہوتا ہے' کسی کو کچھ معلوم نہیں ہے۔ دو لفظ ان سے کہہ دیے گئے کہ یہ مناسک حج ہیں یعنی ایسا کرنا ہوتا ہے' ایسا کیوں کرنا ہوتا ہے' کسی کو علم نہیں ہے۔

مناسک حج کے سلسلہ میں شیطان کو سنگ سار کرنے کی نوعیت

یہ تو جب وہ تین شیطانوں کو وہاں کنکر مارتے ہیں' پہلے تو اچھا تھا کہ یہ باتیں باہر نہیں آتی تھیں وہاں جو تھے' وہی دیکھتے تھے۔ آپ نے فلموں میں دیکھا ہوگا جو وہاں اکثر وہاں سے آتے ہیں' پتھر مار رہے ہوتے ہیں' ہنس رہے ہیں' مذاق کر رہے ہیں اور وہ جیسے ''موچی دروازے'' کے باہر آج کل پتھراؤ ہو رہا ہے ''تیری ایسی کی تیسی'' اور میں نے دیکھا ہے جوتا اتار کے اس کو ''اے تیرے کی'' پتہ نہیں اس کے بعد مجھے بتایا ہے حاجی نے کہ گالیاں بھی اتنی اتنی بڑی دیتے ہیں۔ معاف رکھیے گا' سوال یہ ہے قرآن نے کہا تھا کہ ان کی کیفیت یہ ہوگئی ہے کہ کچھ حرکتیں کرتے ہیں جن کا کچھ مفہوم ان کے ذہن میں نہیں ہے۔ ان میں سے کسی سے پوچھیے کہ صاحب کم از کم یہ جو آپ وہاں پتھر مارتے ہیں کاہے کے لیے' کہ جی شیطان ہیں ان کو پتھر مارتے ہیں۔ کم از کم دس بارہ لاکھ آدمی (۱) ہر سال اکٹھا ہو کے' تین ہیں وہ سارے کھڑے ہوئے' اور کم از کم ہزار برس سے تو ان کو مار رہے ہیں نا اور ان میں سے آج تک نہیں مرا ایک بھی۔ سوچیے عزیزانِ

من! سوچنے کی بات ہے کہ یہ کیا تھا' کیا ہو گیا ہے۔ میں پھر عرض کروں قرآن نے کہا تھا کہ بلند مقاصد تو کعبہ کے ایک طرف یہ جو وہاں جمع ہو کے الفاظ بولتے ہیں' ان کا مفہوم پتہ نہیں۔ کچھ حرکتیں کرتے ہیں' ان کے مقصود کا علم نہیں۔ کہا کہ کہو کہ کعبے کی تولیت ان لوگوں کے ہاتھ میں رہنے دی جائے۔ اور عزیزانِ من! آج بھی کعبہ کی تولیت آپ لوگوں کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ ٹھیک ہے کعبہ کا مقام آپ لوگوں کے ہاتھ میں ہے' مملکت بھی آپ لوگوں کے ہاتھ میں ہے' نظم ونسق بھی آپ لوگوں کے ہاتھ میں ہے' کعبہ کا مقصود ومطلوب آپ لوگوں کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ کعبہ کے فرمانراوں کی سیاست بھی کہیں اور متعین ہوتی ہے' سارے مسلمانوں کی سیاست کہیں اور متعین ہوتی ہے۔ ستر کروڑ کی کہنے کے لیے آزاد مملکتیں' ایک آزاد مملکت نہیں ہے صاحب۔ اس لیے کہ قرآنِ کریم نے آزاد اور محکوم مملکت مسلمانوں کی مملکت کے متعلق ایک ہی معیار مقرر کیا تھا وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (5:44) جو بھی خدا کی اتاری ہوئی کتاب کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے انہیں کافر کہا جاتا ہے۔ میں کہہ یہ رہا تھا کہ یہ تولیت جسے قرآن نے کہا ہے' اولیاء سے جو لفظ نکلا ہے یہ مجاوری نہیں' یہ نظم ونسق کی بات نہیں ہے' انتظام کی بات نہیں ہے۔

خانہ کعبہ کو مرکز ملت کے تحت اقدارِ خداوندی کی فرمانروائی کے مقصد کو پورا کرنے کے راستے میں کون لوگ حائل ہیں

سوال یہ ہے کہ جس مقصد کے لیے اُسے قرآنِ کریم نے مرکز متعین کیا تھا ملتِ اسلامیہ کا' کیا وہ مقصد اس سے پورا ہو رہا ہے۔ قرآن نے جو ان کے ہاتھ سے تولیت کعبہ چھیننے کی غرض بتائی وہ یہ کہا تھا کہ ایک تو یہ چیز ہے کہ یہ مسجد حرام کا جو مقصد ہے اس کے راستے میں رکاوٹ بن کے کھڑے ہیں۔ سوچئے عزیزانِ من! وہ مقصد جو قرآن نے بتایا تھا کہ صرف خدا کے احکام واقدار کی فرمانروائی ہو اس مقصد کے راستے میں خود مسلمان حائل نہیں ہو رہا؟۔ یہ جو قرآن نے قریش کے متعلق کہا ہے کہ یہ مسجد حرام کے راستے میں رکاوٹ بن رہے ہیں' ان کے متعلق یہ کہا تھا کہ اور تو بات ایک طرف رہی' مسجد حرام میں ان کی صلوٰۃ کیا رہ گئی ہے' چند الفاظ کا جن کا مفہوم کچھ نہیں سمجھتے' چند حرکات جس کا مقصود ان کے ذہن میں نہیں ہے۔ کہا تھا کہ ان کے پاس تولیت کعبہ کی رہ جائے گی؟ قرآن نے دوسری جگہ یہ کہا ہے نا کہ یہ تو نجس ہیں مشرک ہیں' مشرک کعبہ کے قریب نہیں جا سکتے (9:28)۔ Physically تو بہر حال وہ انسان تو ایک طرف رہا اگر رات کو وہاں چوکیدار نہیں ہے تو وہاں حیوان بھی جا سکتے ہیں جنگل کے کتے بھی جا سکتے ہیں۔ یہ سوال تو نہیں ہے کہ ان کے قریب مشرک نہیں جا سکتا۔ کہا یہ تھا کہ کعبہ جس مقصد جس تعلیم کا مرکز بنا ہوا ہے اس مقصد وتعلیم میں مشرک شریک نہیں ہو سکتا وہاں توحید کی چیز ہے۔

دین خداوندی میں فرقے پیدا کرنے والا شخص تو مشرک ہے

اور پتہ ہے آپ کو کہ قرآن نے مشرک کے متعلق کیا کہا ہوا ہے وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ یاد رکھنا مسلمانو! ایمان لانے کے بعد مشرک نہ ہو جانا یعنی دین میں فرقے نہ پیدا کر لینا۔ قرآن کی نص صریح ہے عزیزانِ من! اور قرآن نے کہا ہے کہ کعبہ کے قریب مشرک نہیں جا سکتا۔ یہ جتنے بھی دس لاکھ وہاں جمع ہوتے ہیں ان میں کوئی ایک بھی ہوتا ہے جس کا تعلق کسی نہ کسی

فرقے سے نہ ہو مسلمانوں کے۔کیا کرو گے قرآن کی ان آیتوں کو' گلا گھونٹ دو پرویز کا کیوں یہ قرآن کی آیتیں پیش کرتا ہے' وہ قرآن سے تو آپ نہیں مٹا سکتے ان کو۔کیا تاویل کرو گے ان کی' وہ کہتا ہے کہ مشرک جو ہے وہ نہیں اس کے قریب آ سکتا۔وہ کہتا ہے کہ دین میں فرقہ پیدا کرنا شرک ہے۔

کعبے میں چار مصلّوں کے وجود کا ذکر

یہ تو غنیمت ہے وہاں اب وہ مصلّے اٹھا دیے ہیں ورنہ وہاں چار مصلے کعبے کے اندر تھے' الگ الگ یہ چار فقہ جو تھی ان کے۔وہ بھی یہ جو دین کی خدمت بہت بڑی نہیں تھی بلکہ اس لیے کہ یہ جو ان کے ہاتھ میں حکومت ابنِ سعود کے ہاتھ میں آئی تو یہ اہلِ فقہ نہیں ہیں یہ اہلِ حدیث ہیں اس لیے انہوں نے فقہ والوں کے مصلّے وہاں سے اٹھا دیے۔بات ذہن میں یوں آئی کہ صاحب انہوں نے فرقہ بندی کو بند کیا ہے۔لیکن وہاں جتنا بھی مسلمان جاتا ہے ساری دنیا کا' کوئی بھی مسلمان ایسا ہے کہ جو یہ کہے کہ میرا تعلق کسی فرقہ سے نہیں ہے۔جو ایسا آج کہتا ہے اس کے خلاف کفر کے فتوے لگ جاتے ہیں۔یہ سارے وہاں جمع ہوتے ہیں۔قرآنِ کریم نے جب کہا تھا کہ ان لوگوں کے ہاتھ میں کعبہ کی تولیت نہیں دی جاسکتی کہ یہ کعبہ کے مقصود کے راستے میں سنگِ گراں بن کے حائل ہیں۔ان کی صلوٰۃ یہ بن کے رہ گئی ہے یہ مشرک ہیں' یہ اس کے قریب نہیں جاسکتے۔تو میں نے عزیزانِ من! جو یہ کہا ہے کہ آج خود مسلمان اس کے راستے میں حائل ہو رہا ہے' قرآن ہی کے الفاظ کی تفسیر ہے جو میں نے کہی ہے۔اس لیے کہا کہ جن کی کیفیت یہ ہو چکی ہے کعبہ کی تولیت ان کے ہاتھ میں کیسے رہ سکتی ہے۔

جنگ بدر کا منتہا کعبے کی تولیت کو اہل توحید کے ہاتھ میں دینا تھا

یہ جو بدر کی جنگ شروع ہوئی ہے یہ کڑیاں اس کے بعد جتنی بھی آگے آپ کے ہاں آئیں گی' یہ اس منتہا تک پہنچنے کے لیے ہیں کہ جہاں کعبے کی تولیت ان کے ہاتھوں سے چھین کے اہلِ توحید کے ہاتھ میں دی جائے گی' یہ تھا پروگرام۔اس لیے پہلی جنگ جو ہے اس کے متعلق یہ جنگِ بدر کا ہی ذکر ہو رہا ہے نا۔فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ (8:35) بدر کی شکست کو عذاب قرار دیا ہے۔ان سے کہا کہ ٹھیک ہے اب اپنے اس کفر کے نتائج جو ہیں' غلط روش کے تباہ کن نتائج جو ہیں ان کا مزہ چکھو تم' ابھی تو پہلی چیز ہے۔اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (8:36) کہا ان کی کیفیت یہ ہے بہت دولت خرچ کرتے ہیں یہ' کا ہے کے لیے یہ دولت صرف کرتے ہیں' تاکہ لوگوں کو خدا کے راستے کی طرف آنے سے روکیں۔

سال بسال دارالعلوموں سے فارغ ہونے والوں کا معاملہ اور پھر قدم قدم پر تعمیر ہونے والی مساجد اور باہمی جھگڑوں کا سلسلہ دراز

عزیزانِ من! یہ ثواب کے کام جنہیں ہم کہتے ہیں' اس کے لیے آج بھی اس غریب قوم کی بھی جو کیفیت ہے مال خرچ کرنے کی' کچھ کم نہیں ہے۔کبھی کسی نے Cenues نہیں لی اس معاملے میں کہ مذہب کے نام پہ اس مفلوک الحال قوم کا کتنا روپیہ صرف ہوتا

ہے۔کبھی محکمہ اوقاف کے اعداد وشمار لے کے دیکھیے یہ جتنے آپ کے ہاں مذہب کے نام پہ مدرسے دارالعلوم قائم ہیں' کبھی ان کے اعداد و شمار لے کے دیکھیے آپ۔ یہ مساجد کی تعمیر جو ہے ان کے اوپر آپ دیکھیے کتنا خرچ ہو رہا ہے۔ضرورت کے لیے نہیں ہوتا یہ' مسجدیں جتنی موجود ہیں وہ تو مرثیہ خواہ ہیں کہ نمازی نہ رہے۔ یہ جو ہر سال دارالعلوم سے فارغ التحصیل ہو کر نکلتے ہیں ان کے لیے Vacancies Create کی جاتی ہیں پوسٹیں Create کی جاتی ہیں۔وہ تو مسجد میں ہی جائے گا کسی اور ہر مسجد میں پہلے ہی بیٹھا ہوا ہے ایک آدمی' وہاں تو Vacancy ہو نہیں سکتی۔دو امام وہاں نہیں جا سکتے۔کہاں جائیں گے یہ جو ہر سال نکلیں گے' کم از کم دس ہزار کے قریب ہر سال نکلتا ہے مغربی پاکستان میں۔ایک حج کی تقریب کے اوپر جتنا خرچ آپ کا ہوتا ہے' کہا گیا ہے کہ 28 کروڑ روپے کا زرِمبادلہ اس سال خرچ ہوا ہے۔زرِمبادلہ کی پائی پائی کو آپ ترس رہے ہیں۔قربانی کی عید جو آ رہی ہے' اس ایک عید کی قربانی کے اوپر آپ دیکھیے گا کتنا خرچ ہوتا ہے۔ یہ نہ سمجھئے گا کہ میں ایک ایک چیز کو کہہ رہا ہوں کہ یہ بیکار ہے' میں کہہ یہ رہا ہوں کہ خرچ کتنا ہو رہا ہے اس قوم کا' چند موٹی موٹی آئٹم کے اوپر' آپ لے لیجیے۔ان کا جو کچھ نتیجہ نکل رہا ہے وہ تو آپ کے سامنے ہے' قوم میں مزید اختلاف' افتراق' جھگڑے' فساد یہی برپا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ہر نئی مسجد اس لیے بنتی ہے کہ پہلی مسجد کا امام وہ چھاتی پہ ہاتھ رکھ کے نماز پڑھاتا ہے اور یہ کہتے ہیں کہ صاحب وہ تو باطل ہے نماز' اس کے لیے ایک نئی مسجد بنتی ہے آپ کے ہاں۔اُسی محلے کے رہنے والے دو ٹولیوں میں بٹ گئے نا اتنے میں' اور پھر آپ کو پتہ ہے کہ اس کے اوپر پھر وہ لٹھ بھی چلتے ہیں' تالے بھی پڑتے ہیں مسجدوں میں۔اتنا روپیہ صرف ہو رہا ہے آپ کی قوم کا تاکہ قوم فرقہ بندیوں کے ان شکنجوں کے اندر جکڑی رہے' دن بدن یہ شکنجے مضبوط ہوتے چلے جائیں۔اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ لِیَصُدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ (8:36) سبیل اللہ تو ایک وحدت تھی ایک امت کے فرد' توحید کے معنی ہی یہ تھے ایک خدا کو ماننے کے۔

خدا تعالیٰ کے راستے میں رکاوٹ بننے کی خاطر مال و دولت خرچ کرنے والوں کی ناکامی کا ذکر

کبھی ایک حاکم کے ماننے والے نیچے مختلف سلطنتیں بھی قائم کیا کرتے ہیں' وہ تو بغاوت ہوتی ہے عزیزانِ من!۔کہا یہ سارا مال و دولت خرچ کرتے ہیں تاکہ یہ اللہ کے راستے میں رکاوٹ بن جائیں۔لوگوں کو روکیں کہ یہ اس طرف نہ آ سکیں۔کہا یہ ٹھیک ہے ان کے متعلق کہا کہ یہ کر لیں فَسَیُنۡفِقُوۡنَهَا ثُمَّ تَکُوۡنُ عَلَیۡهِمۡ حَسۡرَةً (8:36) کہا یہ کر لیں یہ جتنا خرچ کرتے ہیں اس کے بعد ان کو اس کی حسرت ہوگی کہ ہم نے اتنا مال بھی اپنا ضائع کیا' بڑا افسوس ان کو ہوگا۔اس لیے کہ ان پہ عذاب آئے گا۔ پتہ ہے وہ کیا ہے عذاب۔میں نے عرض کیا تھا عزیزانِ من! کہ قرآن اپنے معنی آپ متعین کرتا ہے۔ سنیے ایک لفظ ہے' کیوں یہ اس کے بعد حسرت ہوگی' اس کے بعد یہ ان کو تاسف ہوگا افسوس ہوگا' کہ ہم نے کیوں اتنا مال بھی اپنا ضائع کیا' اتنی کوششیں رائیگاں گئیں' وہ کیا ہوگا جس کی وجہ سے ان کو ایسا ہوگا۔غور سے سننے کی چیز ہے عزیزانِ من! جو میں کہہ رہا تھا کہ عذاب کا مفہوم قرآن متعین کرتا ہے۔کہا اس لیے کہ ثُمَّ یُغۡلَبُوۡنَ شکست کھا کے مغلوب ہو جائیں گے' عذاب ہے ایک طرح کا۔

میدان جنگ میں کسی قوم کی شکست میدان سیاست کی مغلوبیت کے مقابلے کوئی معنے ہی نہیں رکھتی

یہ ہے وہ عذاب جو کہا گیا تھا۔ اور یہ قوم کا مغلوب و مفتوح و محکوم ہو جانا میدانِ جنگ میں نہیں ہوا کرتا' بساطِ سیاست پہ ہوا کرتا ہے۔ اور آج کی دنیا میں تو جتنی مفتوحیت اور مغلوبیت سیاست کے میدانوں میں ہوتی ہے' اتنی جنگ کے میدان میں ہوتی ہی نہیں۔ جنگ کا میدان تو کبھی برسوں میں ایک دفعہ آیا کرتے ہیں۔ یہاں تو ایک ایک سانس میں اس بساطِ سیاست پہ جو مہرہ بازیاں ہوتی ہیں اس میں مغلوب ہوتی ہے قوم۔ ثُمَّ یُغْلَبُوْنَ۔ اور اس مغلوبیت کو قرآن نے' معلوم ہے' کیا کہا ہے وَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی جَهَنَّمَ یُحْشَرُوْنَ (8:36) پوچھتے ہیں جہنم کے متعلق' کہا یہ جو مفتوحیت اور محکومیت ہے' جہنم کے گرد جمع ہونا نہیں تو اور کیا ہے صاحب۔ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ قرآن نے ثم یُغْلَبُوْنَ کہہ کے خود بات واضح کر دی کہ یہ کیا چیز ہے جسے عذاب کہا گیا ہے' کسی قوم کا مغلوب ہو جانا۔ قرآنِ کریم نے جب یہ بنی اسرائیل یا یہودیوں کے متعلق کہا تھا ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ (2:61) خدا کا عذاب ان کے اوپر' غضب ان کے اوپر نازل ہوا تو اس کی تفسیر کیا بیان کی تھی: ذلیل ہو گئے خوار ہو گئے مغلوب ہو گئے محکوم ہو گئے مفتوح ہو گئے کہیں ان کی دنیا کے اندر کوئی حکومت نہ رہی' کوئی مملکت نہ رہی۔ اسے کہا تھا خدا کا غضب۔ دوسری جگہ کہا ہے خدا کا غضب اس کی لعنت اس کا عذاب ان الفاظ میں یہ بیان کیا تھا۔

پچیس لاکھ مغضوب علیہ قوم کے ہاتھوں بیس تیس کروڑ مسلمان قوم شکست سے دوچار ہوئی

ہمارے ہاں خود تیرہ سو سال سے وہ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ (1:7) اس کی تفسیر ہر مفسر نے ہمارے ہاں یہ کی کہ مغضوب علیہ یہودی اور ضآلین عیسائی۔ عزیزانِ من! خون کے آنسو روئیے یہ قوم جو یہ تفسیر کرتی چلی آ رہی تھی اس کی آج ذلت اور خواری کی کیفیت یہ ہے کہ ان میں سے آدھی قوم پوری کی پوری ستر کروڑ میں سے اُسے اس قوم نے شکست دی ہے' ذلت آمیز شکست دی ہے جسے یہ مغضوب علیہ کہہ رہے تھے۔ بنی اسرائیل نے شکست دی ان کو۔ کم از کم بیس تیس کروڑ کے قریب مسلمانوں کی وہاں آبادیاں مختلف سلطنتیں بیٹھی ہوئی ہیں ان کے اندر بیس پچیس لاکھ یہودیوں کی تعداد ہے۔ اُس قوم کو جس کی تفسیر یہ آج تک کرتے رہے مغضوب علیہ خدا کے عذاب میں ماخوذ غضب الٰہی کے اندر مبتلا' ذلت اور مسکنت ان کے پیچھے' اس قوم کے ہاتھوں آپ کی قوم شکست کھا کے بیٹھی ہے بیس برس سے۔

تاریخ عالم میں ملت اسلامیہ کو اس قدر ذلت امیز شکست ہونے کی وجہ جواز

اس کے بعد عزیزانِ من! یہ قوم کہ جسے اس کے فضل و کرم سے اتنی بڑی مملکت ملی تھی وہ ہندو جیسی قوم کے ہاتھوں سے شکست کھائے بیٹھی ہے۔ تاریخِ عالم میں اس قدر زیادہ ذلت آمیز شکستیں کسی قوم کو نصیب نہیں ہوئی ہونگی۔ اوغضب خدا کا تمہیں بنی اسرائیل جیسی قوم شکست دے جائے' تمہیں ہندو جیسی قوم شکست دے جائے۔ ہزار برس تک تم نے ان کے اوپر حکومت کی۔ اوڈرو خدا کے غضب سے' اس سے بڑا غضب خدا کا کیا ہوگا۔ اوتم دس دس لاکھ آدمی وہاں چلے جاتے ہو حج کے اجتماع میں وہاں جا کے دعائیں مانگ کے چلے

آتے ہو' ہر حج کی تقریب کے بعد جلی الفاظ میں لکھا ہوا ہوتا ہے وہاں۔ دعائیں مانگی گئیں کہ یا اللہ اس بنی اسرائیل کا بیڑہ غرق کر دے ان کو تباہ و برباد کر دے۔ میں نے کئی دفعہ یہ چیز کہی کہ وہ دس لاکھ وہاں دعا مانگنے کے بعد اگر ادھر کا رخ کرنے کی بجائے پاس ہی تو ہے وہ بنی اسرائیل' اُدھر کا وہ رخ کر لیں ان کو وہ جھلک دیکھ کے بھاگ جائیں اپنی سلطنت چھوڑ کے۔ او اللہ کا غضب ہے۔

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دعا نے کام کیا

دس لاکھ انسان اگر ایک طرف چل پڑے' نہتا چل پڑے وہاں۔ ہر سال دعا مانگ کے چلے آتے ہیں' کہتے ہیں جبلِ رحمت پہ دعا کی صاحب' وہاں کی ہر دعا مقبول ہو جاتی ہے۔ یہ مقبول ہو رہی ہیں دعائیں' وہ ہر سال اور آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ دوسری دعائیں آپ کے ہاں یہاں ہوتی ہیں ہر جمعہ کے خطبے میں' ہر عید کی نماز میں اور اس کے بعد تو اب ہر نماز کے بعد ایک دعا ہو جاتی ہے کہ یا اللہ جس نے تیرے دین کو خراب کیا' ذلیل کر دے اس کو' خراب کر دے ان کو۔ ان کے گاؤں تباہ ہو جائیں' ان کے گھر بار تباہ ہو جائیں۔ جا کے دیکھ کے آیئے شکر گڑھ کی تحصیل اور ضلع کو کس کے گھر تباہ ہوئے ہیں' کس کا گھر تباہ ہوا ہے۔ یہ دعائیں مانگ رہے ہو۔ کہتے ہیں مغضوب علیہ وہ قوم ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ جس قوم پہ خدا کا غضب یہ کہتے ہیں' اس کے ہاتھوں سے جوتیاں کھانا' اس قوم کے لیے لفظ ہی کوئی نہیں ہے۔ غضب کا تو آخری لفظ تھا جو قرآن نے استعمال کر دیا' اسے تم نے کہہ دیا' یہ ان کے متعلق ہے۔ ہندو کے ہاتھوں اور یہاں تو۔

ایک لاکھ فوج کو خود ہندوؤں کے سپرد کر دیا گیا

عزیزانِ من! قیامت یہ ہے کہ شکست بھی نہیں تم نے کھائی وہاں' تم نے تو اپنے آپ کو خود ان کے ہاتھوں میں دیدیا۔ اور جو کچھ وہ پھر کر رہے ہیں آپ کے ایک لاکھ جوانوں کے اوپر۔ کسی سپاہی کے لیے میدانِ جنگ میں جان دیدینا کچھ مشکل نہیں ہوتا عزیزانِ من! کسی سپاہی کا دشمن کے ہاتھ میں قید ہو جانا جو ہے' ہزار دفعہ جان دینے سے بدتر ہوتا ہے۔ اور پھر قید ہو جانا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس طرح کوئی ایک فرد یا چند سپاہی محصور ہو جائیں کسی جگہ کہ کوئی اس کے لیے چارہ کار نہ رہے ان کے لیے' یہ نہیں ہے۔ حکم دیدیا جائے ان کو کہ تم نے چھوڑ دینے ہیں اپنے ہتھیار۔ یا میرے اللہ۔ آج ہی صبح ابھی ابھی جو میں پڑھ کے نکلا ہوں اس خبر کو کہ ان میں جو بہترین ان کے ہاں آفیسر ہیں' ان کو ایک خاص خفیہ کیمپ کے اندر لا کے رکھا گیا ہے۔ کہاں رکھا گیا ہے' اس لال قلعہ کے اندر رکھا گیا ہے جو تین سو سال تک آپ کی سلطنت کا مرکز تھا۔ وہاں اسی قوم کی جو نسلیں ہیں' ان کو وہاں قید کی صورت میں رکھا ہے اور کہا یہ گیا ہے کہ جو نئے آلات ہیں برین واشنگ کے' ان کا استعمال وہاں ہو رہا ہے۔ ان کو برین واشنگ کر کے تمہاری طرف واپس بھیجا جائے گا۔ او غضب خدا کا' کبھی تو سوچو کہ ہم خدا کے عذاب میں ہیں۔ کبھی تو یہ کہو کہ اللہ کا غضب ہمارے اوپر نازل ہو رہا ہے۔ کب تک فریب میں رکھے جاؤ گے اپنے آپ کو۔ قرآن نے کہا تھا ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ یہ ہے خدا کا عذاب جو کسی قوم کے اوپر آیا کرتا ہے۔ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ (8:36)۔ تم نے حشر بھی اُدھر جہنم بھی اُدھر' یہاں تمہارے لیے نہ جہنم ہے نہ تمہارا یہاں حشر ہوتا ہے' نہ قیامت برپا ہے' نہ حساب کتاب ہے' کچھ نہیں۔

سخن ز نامہ و میزاں دراز تر گوئی

ہزار حیف نہ بینی قیامت موجود

اوتو وعظ کے اندر وہاں کے حشر اور نشر اور میزان اور حساب کتاب کے لمبے لمبے ذکر کرتا ہے' جس قیامت کے اندر تو ماخوذ ہے' تجھے نظر نہیں آتی کمبخت کہ یہ کیا ہے۔ دوسری چیز اس نے کہی ہے کہ اس قوم کا کیا حال اسباب کہوں' کیا کہوں

جہنم بمقام دیگراں گفت

کہ جو جہنم کو دوسروں کا مقام بتا رہا ہے اپنا مقام نہیں بتا رہا۔ یُغْلَبُوْنَ۔

قدرت کے نزدیک مکافاتِ عمل کا تراز و بد قماش اور طیب قوموں کو علیحدہ علیحدہ کر دیتا ہے

عزیزانِ من! یہ ہے عذاب کی بات۔ کہا یہ کا ہے کے لیے یہ ہوگا۔ ہمارا مقصد کہا یہ نہیں کہ ہم دوسروں کی زمینیں حاصل کریں' دوسروں کی مملکتیں چھینیں' دوسروں کی دولت کو غصب کریں۔ یہ تو ہمارا مقصود ہی نہیں ہے۔ مقصود یہ ہے کہ انسانیت کو دو حصوں میں تقسیم کرنا ہے ہم نے اور وہ دو حصے یہ ہیں کہ جس قدر بد قماش بد قمار بد معاش اور جرائم پیشہ لوگ ہیں وہ الگ ہو جائیں' شریف امن پسند لوگ الگ ہو جائیں۔ یہی تقسیم ہے اسی کو دو قومی نظریہ کہتے ہیں عزیزانِ من! یہی دو قومیں ہیں قرآن کی رو سے۔ اس میں کسی فلسفیانہ گفتگو' کسی سیاسی پیچ و تاب کی ضرورت نہیں۔ آپ ہر سانس میں یہ کہتے ہیں دنیا کے اندر کہ یہ شریف ہے یہ بد معاش ہے' یہ دو قومیں ہیں قرآن کہتا ہے۔ قوم الظلمون اس نے کیوں کہا ہے' قوم المجر مین کیوں کہا ہے اس نے۔ دو ہی قومیں ہیں دنیا کے اندر' یا وہ شریف ہیں یا وہ بد معاش ہیں۔

لفظ خبیث اور طیب کے مفہوم کی وضاحت

اب اس کے بعد تعریف اور معیار ہے شرافت کا: شرافت کا معیار یہ ہے کہ جو اقدارِ خداوندی کی پاسداری کرتی ہے قوم وہ شریف قوم ہے' جو اس کی خلاف ورزی کرتی ہے وہ مجرم قوم ہے۔ دو ہی قومیں ہیں دنیا کے اندر۔ کہا یہ سارا کچھ ہم اس لیے کر رہے ہیں لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ (8:37) تا کہ خبیث اور طیب الگ الگ ہو جائیں۔ دیکھا دو قومیں کیسے بن جاتی ہیں۔ یہ اس لیے ہو رہا ہے خبیث اور طیب الگ الگ ہو جائیں۔ خبیث کا ترجمہ ہم نے کر دیا پلید ناپاک' طیب کا کر دیا پاک۔ اس کے بعد یہ کہہ دیا کہ صاحب اگر چونی جتنی آلائش بھی کسی کے کپڑے کے اوپر لگی ہو تو وہ ناپاک ہو جاتا ہے اور تین دفعہ کلمہ پڑھ کے دھولے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔ ہم بن گئے طیب یہ بن گئے خبیث۔ خبیث درخت وہ ہوتا ہے جس کو کوئی پھل نہ لگے۔ جس قوم کی سعی و عمل کوئی خوشگوار نتائج متعین نہ کرے وہ خبیث ہوتا ہے۔ شجرِ طیب وہ ہوتا ہے کہ جس پہ نہایت خوشگوار پھل لگیں۔ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ (14:25) اور وہ ایک ہی موسم میں پھل نہ دے' سال بھر پھل دیتا چلا جائے۔

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند

بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ

کہا یہ ہم نے اس لیے کیا ہے کہ خبیث' طیب سے الگ ہو جائے۔ دو قوموں کا وجود آ گیا دنیا کے اندر۔ وَ یَجۡعَلَ الۡخَبِیۡثَ بَعۡضَهٗ عَلٰی بَعۡضٍ فَیَرۡکُمَهٗ جَمِیۡعًا (8:37) اور پھر یہ جتنے بھی خبیث ہیں دنیا کے وہ سارے اکٹھے ہوتے چلے جائیں کیونکہ انہوں نے تو طیب کی مخالفت کرنی ہے۔ سب معاہدے کر لیں' آپ سب Treaties آپس میں کر لیں۔ عجیب لفظ ہے فَیَرۡکُمَهٗ' تہ بہ تہ' اوپر نیچے رکھتے چلے جانا ایک چیز کو۔ بڑی ہوتی چلی جائے وہ معاہدوں کی رجسٹریوں سے' کہا یہ سب کچھ کر لینے دیجیے ان کو' کہا جتنا جی چاہے یہ جمعیت اکٹھی کر لیں۔ اگر طیب مقابلے میں ہے' خبیث کچھ نہیں اس کا کر سکتا۔ وہ پشتو کا ایک محاورہ بڑا عجیب ہے' سو پاپڑ تے اک ڈنڈا' بڑا عمدہ ہے محاورہ۔ کہا اکٹھا کر لیں یہ سب کچھ' پھر اس کے بعد ہو گا کیا' یہ جو سارے اکٹھے ہو جائیں گے۔ سنیے عزیزانِ من! قرآن کی اصطلاحیں۔ فَیَجۡعَلَهٗ فِیۡ جَهَنَّمَ یہ سب جہنم رسید وہاں ہو جائیں گے' یہاں جہنم رسید ہو جائیں گے' یہیں یہ شکستیں مل رہی تھیں ان کو۔ اُولٰٓئِکَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ (8:37) یہ لوگ ہیں جو تباہ ہو جائیں گے۔ وارننگ دی جا رہی ہے۔ قُلۡ لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِنۡ یَّنۡتَهُوۡا یُغۡفَرۡ لَهُمۡ مَّا قَدۡ سَلَفَ (8:38)

کسی قانون کی حکمرانی اس وقت شروع ہو گی جب وہ نافذ ہو گا

قرآن کے قانون کے نظام میں یہ بڑی عجیب چیز ہے کہ وہ جس دن قانون نافذ کرتا ہے' اُسے اس کا اطلاق بعد کے جرائم میں کرتا ہے' جو پہلے ہو چکتا ہے اس کے اوپر Retrospective Effect نہیں دیتا اپنے قانون کو۔ اور یہ قانون کی بڑی بنیادی اصل ہے کہ جب کوئی قانون کہیں نافذ نہ ہو اس وقت اگر کوئی چیز اس کے خلاف ہو گئی ہے تو وہ جرم نہ قرار دی جائے۔ آج اگر آپ ایک قانون لاگو کرتے ہیں اور تین سال پہلے اس کا اجراء کر دیتے ہیں آپ تو اُس وقت تو یہ قانون ہی نہیں تھا۔ قرآن نے یہ چیز آ کے کہی ہے کہ غلط ہے۔ اس لیے اس سے پہلے جو کچھ ہو جاتا ہے یُغۡفَرۡ لَهُمۡ مَّا قَدۡ سَلَفَ اس کے خلاف ان کو Protection دیدے۔ دیکھا جی یہ یہی نہیں کہ مواخذہ خود نہ کر' Protection دے ان کو اس کے خلاف۔ ٹھیک ہے جس دن سے یہ قانون نافذ ہوا ہے اس کے بعد جو اس کی خلاف ورزی ہو گی' وہ جرم ہے۔ وَ اِنۡ یَّعُوۡدُوۡا فَقَدۡ مَضَتۡ سُنَّتُ الۡاَوَّلِیۡنَ (8:38) اور اگر پھر یہ وہی کچھ کرنے پہ آ جائیں یعنی اس کے بعد قانون شکنی یہ کرتے ہیں اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ عجیب لفظ ہے۔ انہوں نے کہا تھا نا کہ اساطیر الاولین ہے یہ گذری ہوئی قوموں کی کہانیاں ہیں جو بیان کی جاتی ہیں۔

قرآن حکیم میں بیان کردہ تاریخی واقعات کو بیان کرنے کا مقصد

ایک لفظ میں جواب دے جاتا ہے قرآن' کہا کہ اگر یہ پھر وہی کچھ کریں اور جرائم کا ارتکاب کریں' قانون شکنی کریں تو پھر ان سے کہو کہ جنہیں تم نے پہلی قوموں کی کہانیاں کہا ہے نا' جو کچھ ان قوموں کا انجام ہوا' وہی تمہارا انجام ہو جائے گا۔ اس لیے وہ قوموں کی وہ کہانیاں افسانے نہیں ہیں' تاریخ کے حقائق ہیں کہ جس قوم نے پہلے جو کچھ کیا ہے اس کا انجام اس کے مطابق ہوا ہے۔ تم جو کچھ کرو گے اس کا انجام اس کے مطابق ہو گا تو پھر تم سنت الاولین کا انتظار کرو' وہی کچھ تمہارے ساتھ ہو گا۔ کہا یہ وارننگ دید یجیے اس کے بعد بھی اگر یہ

پھراس سے بازنہیں آتے' چڑھ دوڑتے ہیں۔ یہاں بھی نہیں تمہیں جینے دیتے۔وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (8:39) پہلے بھی یہ آیت آ چکی ہے(2:193)اب پھر دوبارہ یہ آ رہی ہے کہ پھران کے ساتھ جنگ کرو۔قَاتِلُوْهُمْ ہے یعنی یہ چیز نہیں ہے تم قتل کرو جا کے بلکہ یہ ہے کہ قتل کے لیے آئیں تو پھران کے خلاف تم بھی جنگ کرو۔ یہ جنگ کاہے کے لیے کرو' فتنہ باقی نہ رہے۔ یہ فتنہ کیا ہے' میں نے اس وقت تفصیل سے بتایا تھا قرآنِ کریم نے جب پہلے پہل جنگ کی اجازت دی ہے پہلی آیت سورۃ حج کی آیت اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا (22:39)اجازت دی جاتی ہے ان لوگوں کو کہ جن کو اب یہاں بھی جینے نہیں دیتے' چڑھ دوڑے ہیں ان کے خلاف۔اجازت دی جاتی ہے کہ ہاں اب تم جنگ کرو۔کہا کہ کیوں اب ایسی صورت ہوئی' تین سو کی تعداد ساری کائنات اتنی' ایک ہزار کا وہ لشکر ہے مقابل میں۔ بظاہر نظر آتا ہے کہ یہ تو ایک ہی معرکے میں ختم ہو جائیں گے' انہیں اب کیوں نہیں کہا جاتا کہ بابا ان کی محکومیت اختیار کرلو سرنڈر کردو پہلے ہی' کیا لینا جھگڑا کر کے سوال کیا ہے۔کہا بات یہ نہیں ہے۔ یہ ہے

کسی سرکش فتنہ کو ختم کرنے کا تو مقصد دوسروں کی مذہبی آزادی کا تحفظ کرنا ہے

عزیزانِ من! فتنہ جسے قرآن نے کہا ہے۔کہا اس لیے کہ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا (22:40) اس لیے کہ اگر خدا ایسا انتظام نہ کرتا رہے کہ ایک سرکش قوم کی مدافعت کسی دوسری جماعت کے ہاتھوں سے نہ ہو تو تم دیکھو کہ دنیا سے مذہب کی آزادی ختم ہو جائے گی۔زوردار اٹھے گا' یہودیوں کے صومعے' عیسائیوں کے گرجے' (یہ اب میں کہونگا مجوسیوں کے آتش کدے اور ہندوؤں کے مندر) اور آخر میں کہا ہے مسلمانوں کی مسجدیں' یہ کوئی بھی باقی نہیں رہیں گی۔جس کے ہاتھ میں طاقت آ جائے گی دوسرے کی چیز کو ڈھا دے گا' جان کو ختم کردے گا۔اس کے لیے ضروری ہے کہ کوئی قوم ایسی رہے دنیا میں کہ جو مذہب کی آزادی کو قائم رکھے۔او میرے اللہ۔اس لیے ان سے کہا گیا ہے کہ جاؤ اٹھو' میدانِ جنگ میں اپنی جان دیدو تا کہ دنیا میں بت کدے قائم رہیں' گرجے قائم رہیں' یہودیوں کے صومعے قائم رہیں۔کہا جاتا ہے یہ قوم تھی جس نے بزورِ شمشیر اسلام پھیلایا تھا۔ یہ قوم جس کو پہلی اجازت اس لیے دی جا رہی ہے۔مسجد کا ذکر آخر میں آیا ہے یہاں۔لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (8:39) تا کہ فتنہ دنیا میں نہ رہے۔اور اگلا حصہ ہے وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (8:39)اب یہاں اس کا ترجمہ ان لوگوں کا سنو۔وہ کہتے ہیں کہ تا کہ اسلام جو ہے' سب کا مذہب اسلام ہو جائے۔ارے وہ تو یہ بتا رہا تھا۔ یہ سب کا مذہب اسلام کرنے کے لیے تھا تو وہ جو ہیں پھر مندر اور گرجے اور صومعے اور یہودیوں کی خانقاہیں اور یہ سارا کچھ وہ ان کی حفاظت' ان کا ذمہ قرار دے رہا ہے۔ اس نے کہا تا کہ دین کا معاملہ کسی شخص کے زور کے اوپر کسی شخص کے جبر کے اوپر نہ رہے' یہ دین کا معاملہ اس کا اور اس کے خدا کا معاملہ ہو جائے' اللہ کے لیے جس کا جی چاہے جو دین اختیار کرلے۔ یہ ہے فتنہ کا مٹنا۔دین زبردستی منوایا ہی نہیں جا سکتا' اسلامی مملکت کے اندر غیر مسلم رہیں گے۔اُن کو ان کے ہاں کی شخصی آزادی مذہب کی ملے گی۔کسی شخص پہ مذہب کے معاملے میں کسی قسم کا کوئی زبردستی اکراہ نہیں کیا جا سکے گا۔

یہ تو دل اور دماغ کے کامل اطمینان اور رضامندی سے ایک صداقت کو ماننے کا نام ہے' زبردستی ہو ہی نہیں ہوسکتا۔ دین تو بڑی چیز ہے۔

قرآن حکیم کے نزدیک قانون کا احترام تو دل و دماغ کی رضامندی سے مشروط ہے

عزیزانِ من! قانون کا احترام اگر دلوں سے اٹھ جائے' زبردستی قانون منوا کے دیکھیے کسی سے۔ دیکھ رہے ہیں قوم میں آجکل کیا ہو رہا ہے۔ ایک ایک شخص کے اوپر ایک ایک سپاہی آپ کھڑا کرنے سے رہے اور پھر سپاہی کے سر کے اوپر کسے کھڑا کریں گے۔ یہ تو اس کا احترام دل کی گہرائیوں سے ابھرتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تنہا ایک کمرے میں بیٹھا ہوا انسان' سخت گرمی پڑ رہی ہے' صبح سے پیاسا ہے' پیاس کی شدت ہے' ٹھنڈے پانی کی صراحی سامنے رکھی ہوئی ہے' کوئی دیکھنے والا نہیں ہے اور وہ روزہ دار پانی کا گھونٹ نہیں پیتا۔ اسے کہتے ہیں قانون کا احترام۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ روزے میں پانی کا گھونٹ تو نہیں پیتا' وہاں اسی کمرے میں بیٹھا جو بہی کھاتہ لے کے نکلا ہوا ہے' اس کے اندر سارا مالِ حرام جمع کرتا چلا جا رہا ہے اپنے ہاں۔ ''او پچھدا سی نا منڈے نوں کہن لگا او مرچاں دے وچ اٹاں پسیاں ہویاں ملا دتیاں' کہن لگا جی ملا دتیاں جی' کہن لگا او ہلدی وچ رنگ تے آٹا' جی اووی میں کر دتا ہیگا' آدھیا پسیا ہویا ہیگا' ایہدے وچ گھوڑے دی لد ملا دتی ہیگی اے' ملا دتی ہیگے اے جی' کہن لگا چل فیر عصر دی نماز پڑھ آیئے نماز دا وقت تنگ ہوندا جاندا ہیگا' باقی فیر آ کے کرلاں گے''۔ میں کہہ یہ رہا تھا عزیزانِ من! قانون کا احترام دل کی گہرائیوں سے نکلتا ہے۔ قانون اگر یہ سمجھ میں آ جائے کہ جس طرح سے یہ فریضہ ہے کہ میں نے روزے میں پانی کا گھونٹ نہیں پینا اُسی طرح سے مالِ حرام کا ایک قطرہ میرے اندر نہیں جائے گا' یہ بھی قانون ہے۔ اور یہ احترام سے آتا ہے زبردستی نہیں آتا' اسے الدین کہتے ہیں

لفظ اطاعت کا لغوی مفہوم

عزیزانِ من! اس قسم کی اطاعت کو۔ اطاعت کا تو لفظ ہی ایسا ہے' عجیب لفظ ہے۔ درخت پہ سے آپ ایک پھل جب کچا ہوتا ہے تو اس پھل کو آپ جھانپل مار کے توڑتے ہیں نا' یہ جو طریقہ ہوتا ہے اسے جرم کہتے ہیں۔ اور ایک طریقہ ہے جب پھل پک جاتا ہے تو وہ خود بخود نیچے گر جاتا ہے۔ جب پکا ہوا پھل خود نیچے گرتا ہے' اسے وہ اطاعت کہتے ہیں۔ یہ تو زبان عجیب ہے عزیزانِ من!۔ وہ کسی کے جھنجوڑنے سے نہیں گرتا اس کی اندرون کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ پھر اس کے بعد وہ گرتا ہے۔ وہ اطاعت سکھاتا ہے قرآنِ کریم۔ اس لیے وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (8:39) تاکہ دین کا معاملہ صرف خدا کے لیے رہ جائے کسی کا جور اور استبداد اور دخل اندازی اس میں نہ ہو۔ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (8:39) اگر یہ رک جائیں اس چیز سے تو ٹھیک ہے پھر خدا دیکھے گا کہ ان کے دلوں کے اندر کیا بات ہے اس کے مطابق آگے بات ہوگی۔ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ (8:40) اور اگر یہ روگردانی اس چیز سے کریں تو ڈرو نہیں ان سے' کوئی بات نہیں تم خدا کے قوانین کو لے کے نکلے ہو' خدا کے قوانین کی نصرت تمہارے لیے کافی ہے۔ وہ تمہارا کارساز ہے' وہ تمہارا آقا ہے' وہ تمہارا مولیٰ ہے اور وہ بہت بہترین مدد کرنے والا مولیٰ ہے۔

عربوں کے ہاں کی معاشرتی اور تمدنی زندگی کی کیفیت

عربوں کا ملک ایسا تھا جس کے اندر کوئی اپنی پیداوار ہی نہیں ہوتی تھی۔ وہ چند نخلستانوں کے علاوہ سارا ملک ریگستان تھا دو چار دس شہر زیادہ سے زیادہ پورے ملک کے اندر تھے۔ پیدا ہی کچھ نہیں ہوتا تھا' لوٹ مار پر گذارہ تھا۔ یہ ہمارے ہاں آزاد قبائل کے اندر جو کیفیت ہے نا وہ بھی آپ دیکھتے ہیں لوٹ مار پہ گذارہ ہے' اس کی وجہ یہ ہوتی ہے۔ میدانوں کے اندر جو لوگ بستے ہیں اور جہاں یہ زراعت ہوتی ہے' ان کو نہیں ضرورت اس کی ہوتی۔ ان کے ہاں ہوتا کچھ نہیں تھا' عربوں کے ہاں لوٹ مار پہ گذارہ تھا۔ پھر لوٹتے کیا تھے' بنک تو وہاں ہوتے نہیں تھے' نہ بائیس خاندان وہاں ہوتے تھے۔ یعنی جن لوگوں کے ہاں مال کے معنی ہی مویشی یا پانی تھا دو چیزوں کے لیے وہ مال کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ ''آ مال تے ہن وی پنجابی اچ کیندے ہیگے نیں ڈھور ڈنگر نوں''۔ یہ آپس میں وہ لڑائی ایک دوسرے کے خلاف جو کرتے تھے محض ان کی بکریاں اونٹ لوٹنے کے لیے کرتے تھے۔ بکریوں کو غنم کہتے ہیں عربی میں' یہی سے لفظِ غنیمت ہے نا۔ یہ مالِ غنیمت جسے آپ کہتے ہیں کبھی ذہن میں آیا کہ اس کے معنی ہی بکریاں ہیں' اور وہ لوٹتے کیا تھے۔ دیکھیے لفظ جو ہے یہ گردش کرتا کرتا کہاں آتا ہے پھر' بکریاں انہوں نے لوٹیں تو پھر وہ مالِ غنیمت ہوا جس کا لوٹا اسے غنیم کہا' غنیم کے معنی دشمن ہو جاتا ہے۔ پھر وہ ہمارے ہاں یہی لفظ نستعلیقی طور پر لکھنو میں آیا تو یہ مالِ غنیمت ہے جو آپ نے لے لیا ہے۔ یعنی کہاں سے بات چلی ہے اور وہ اس کے بعد وہی لفظ ہے اس کے معنی کہاں آ گئے۔ ان کا جذبۂ محرکہ جنگ کا مالِ غنیمت تھا' اسی پہ ان کا دارومدار تھا اور ان کے ہاں اصولِ جنگ یہ تھا کہ میدانِ جنگ میں جس سپاہی کے ہاتھ جو کچھ آ جائے وہ اس کا۔

اہل عرب تو دشمن کی عورتوں کو بھی مالِ غنیمت ہی تصور کرتے تھے اور یہی کچھ آج کیا جا رہا ہے

تو اب یہ سوچئے نا یہ جذبۂ محرکہ ہو تو پھر تو وہ جان دیدیں گے جو ہاتھ میں آ جائے۔ ایک ہی جذبۂ محرکہ تھا جنگ میں۔ حتیٰ کہ فریقِ مخالف یا دشمن کی عورتیں بھی جو ہاتھ میں آ جاتی تھیں یہ اس زمانے کی بات ہے دورِ جاہلیت کی کہ وہ بھی اس کی ملکیت ہو جاتی تھی وہ بھی مالِ غنیمت گنا جاتا تھا۔ جسے آج آپ کے ہاں عظیم ترین اس دور کے مفسر یہ لکھتے ہیں اپنی تفسیر تفہیم القرآن کے اندر کہ اسلام کا اصول یہ ہے کہ میدانِ جنگ میں جو عورتیں قیدیوں کی حیثیت سے پکڑی جائیں' وہ سپاہیوں میں تقسیم کر دی جاتی ہیں' وہ ان کی ملکیت قرار پاتی ہیں ان کے ساتھ بغیر نکاح اور تعداد کے تمتع ان کو جائز ہوتا ہے اور پھر وہ اپنی اس ملکیت کو دوسروں کو منتقل کر سکتے ہیں' فروخت کر سکتے ہیں۔ آج یہ کہا جا رہا ہے۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)۔ اس تفسیر کی تکمیل کے اوپر جشن منائے جاتے ہیں۔ انڈیا والے بھی تو سن رہے ہونگے اس تفسیر کو بھی اور اس جشن کو بھی۔ توبہ توبہ توبہ۔ خدا کرے کہ وہ نہ سنیں ہزاروں کی تعداد میں ہماری بیٹیاں اور بہنیں ہیں ان کے قبضے میں۔ اُن سے کہا جا رہا ہے جنیوا کنونشن کے مطابق Complete کرو' کل ہی وہ ریزولیشن انہوں نے پاس کیا ہے انہی مفسرین نے۔ انہیں کہا جا رہا ہے جنیوا کنونشن کے مطابق' کیوں نہیں کہتا اسلام کے قانون کے مطابق کرو۔ جی۔ خدانہ کرے کہ ان کے کہیں کان میں یہ بات پڑ جائے تو آپ ان سے کچھ کہہ ہی نہیں سکتے۔ وہ کہیں گے ہم تو اسلام کے قانون کے مطابق کچھ کر رہے ہیں۔ ان سے کہتے ہیں جنیوا کنونشن

۔کیوں' کہ ہمارے ہاتھ میں جو آئیں گی ہم اسلامی شریعت کے مطابق عمل کریں گے' اُن سے جنیوا کنونشن منوائی جارہی ہے۔کہاں سے بات کہاں نکل جاتی ہے۔کم بختو نے اسلام کو پتہ نہیں کیا ستیاناس کر دیا ہے' منہ دکھانے کے قابل ان کا اسلام نہیں دنیا کے اندر رہا ہوا عزیزانِ من!۔کہہ میں یہ رہا تھا کہ وہاں مالِ غنیمت ہی ایک جذبۂ محرکہ تھا ان لوگوں کے ہاں جنگ کا۔

قرآن حکیم کے نزدیک جنگ کے اغراض ومقاصد

قرآن آیا اور اس نے آ کے کہا کہ جنگ تو صرف حق اور صداقت کی مدافعت کے لڑی جاتی ہے' جنگ صرف مظلوم کی مظلومیت کے لیے لڑی جاتی ہے' ظالم کا ہاتھ ظلم سے روکنے کے لیے لڑی جاتی ہے۔اس لیے بنیادی جذبۂ محرکہ عزیزانِ من! میں حیران ہوں کہ کتنی بڑی نفسیاتی تبدیلی پیدا کی قرآن نے انہیں عربوں میں۔یعنی وہ کوئی اگلی جنریشن نہیں تھی کہ وہ پہلی جنریشن ختم ہوگئی' اگلی جنریشن کو یہ کچھ پڑھایا لکھایا' وہی لوگ تھے یہ۔ان سے یہ کہا وَ اعْلَمُوْٓا (8:41) جنگ کے لیے جارہے ہو سن رکھو اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ (8:41) جارہے ہیں جو کچھ میدانِ جنگ میں ہاتھ میں آئے گا کسی فرد کی کسی سپاہی کی ذاتی ملکیت قرار نہیں پائے گا۔واہ واہ واہ۔آئے گا مرکز میں' پانچواں حصہ مملکت کے نظم ونسق کے لیے۔دیکھا اللہ اور رسول کے لیے جسے کہا گیا ہے۔میں نے کہا تھا نا قرآن میں جہاں جہاں یہ Term اکٹھی آتی ہے اس کے معنی نظامِ اسلامی ہوتا ہے۔پانچواں حصہ اس کا اس میں سے اور باقی جو رہ گیا حصہ وہ بھی سپاہیوں کے اندر نہیں بٹ رہا۔وہ کہا ہے ان میں سے انہی سپاہیوں کے رشتہ دار شہید ہو جانے والوں کے پس ماندہ قریب رہنے والے' وہ پھر اس سے آگے بڑھے' سپاہیوں تک ہی نہیں معاشرے میں تنہا رہ جانے والے' وہ جن کے کاروبار رک چکے ہوئے ہیں' وہ جن کی ضروریاتِ زندگی پوری نہ ہوتی ہوں' اپنے ہی نہیں باہر کے اجنبی Stranger جو تمہارے ملک کے اندر آ جائیں اور یہاں آ کے ان کے پاس کچھ نہ رہے ان کے لیے۔تمہارا لوٹا ہوا مال ان کے لیے ہے۔ایک ہی جذبۂ محرکہ عزیزانِ من! جنگ کا اور وہ نکال دیا درمیان سے۔اور اس کے بعد جو انہوں نے پھر جنگیں لڑی ہیں بظاہر ایسا نظر آ رہا ہوگا نا کہ پھر اس کے بعد تو بیگار ڈالتے ہونگے بیچارے کہ صاحب ملنا ہی کچھ نہیں۔اور آپ کو یہ معلوم ہے کہ یہ سٹینڈنگ آرمی نہیں تھی اس زمانے میں ہماری' یعنی یہ مملکت کی Paid نہیں تھی کوئی آرمی کہ بہرحال ہمیں تو تنخواہیں ملتی ہیں نا مالِ غنیمت ہم کیوں لیں۔آج یہ ہوسکتا ہے کہ ان کو تو باقاعدہ تنخواہیں ملتی ہیں۔

مجاہدین کے لیے جذبہ محرکہ کے پیش نظر ان کی اپنی ذات کی نشو ونما ہوتی ہے

اُس وقت تنخواہیں بھی نہیں ملتی تھیں یعنی سٹینڈنگ آرمی کوئی نہیں تھی آواز دی جاتی تھی اور رضا کارانہ طور پہ آرمی بنتی تھی اس زمانے میں۔کیونکہ اس زمانے میں تو ہر مسلمان سپاہی ہوتا تھا نا۔یہ جذبۂ محرکہ نکال دیا اور اس کے بعد جس جانفروشی سے لڑے ہیں یہ لوگ پھر' مالِ غنیمت کے لالچ سے اس طرح سے نہیں لڑا کرتے تھے۔سوال یہ پیدا ہوا کہ یہ بات کیسے پیدا ہو جائے گی کہ دوسروں کی پرستش گاہوں کی حفاظت کے لیے جانیں دیں۔جو زندہ بچیں' مال جو ہاتھ آئے اس میں سے ایک پائی بھی اپنے لیے نہ رکھیں اور وہ آن کے ان کے

حوالے کر دیں۔ دنیا حیران ہے کہ یہ چیز پیدا کیسے ہوگئی۔ وہ تو کہا جاتا ہے نا کہ صاحب انسان کے اندر Selfishness ایک چیز ہے خودغرضی ایک چیز ہے جس کے لیے انسان یہ کچھ کرتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ یہ کیسے ہوگا۔ کہا **اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَ مَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا** (8:41) اگر تم واقعی خدا پہ اور اس قرآن پہ ایمان رکھتے ہو تو پھر یہ چیز تم سے ہو جائے گی۔ اسے کہتے ہیں ایمان عزیزانِ من!۔ کچھ مشکل نہیں ہوگا۔ ایمان سے انسان کے اندر ایک نفسیاتی تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ یہ چیزیں پھر اس کے لیے جذباتِ محرکہ نہیں رہتیں جاذب نہیں رہتیں' بلند اقدار جاذب ہو جاتی ہیں اس کے لیے۔ دیکھا ایک ہی چیز ہے کہ یہ کیسے ممکن ہوگا' وہ کہا اس طرح سے۔ یہی تو معیار ہوگا پرکھنے کا کہ تم خدا پہ اور اس پہ ایمان رکھتے ہو نا **وَ مَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ** (8:41) اور عین بدر کے میدان میں یہ چیز جو تم سے کہی گئی تھی کہ تمہیں اجازت دی جاتی ہے جنگ کرنے کی تا کہ تم دنیا سے ظلم اور جرم سے مٹا سکو۔ یہ مقصد تھا جنگ کا اگر تم اس پہ ایمان رکھتے ہو تو مقصد پھر یہ رہے گا' مالِ غنیمت مقصد نہیں رہے گا۔

جہاد کا جذبہ کسی صورت میں بھی حرام قرار نہیں دیا گیا اور نہ ہی کسی کو زبردستی مسلمان بنایا گیا

میں پھر یہ عرض کر دوں کہ یہ جہاد یا قتال یا جنگ جسے کہتے ہیں یہ نہیں ہے کہ صاحب یہ تھا ہی نہیں اس کے لئے' جسے کہتے ہیں وہ دین کے لیے نکال دو دل سے جہاد کا خیال اب' دین کے لیے حرام ہے اب جنگ اور قتال۔ دین کے لیے تو کبھی بھی یہ جائز نہیں تھا' اس میں اب کے معنی یہ ہیں کہ پہلے تو تھا یہ اب جائز نہیں رہا' بڑی غلط بات ہے یہ۔ جسے دین کہا جاتا ہے' مذہب جسے کہا جاتا ہے اس کے لیے جنگ اور قتال کبھی بھی جائز نہیں تھا۔ یہ تو حق کی مدافعت کے لیے جب دوسرے آ کے وہ فتنہ برپا کریں کہ دین اللہ کے لیے نہ رہنے دیں' اس قوت کی مدافعت کے لیے جنگ تھی اور یہ دین کے لیے تھی اس معنی میں۔ دوسرے کو زبردستی مسلمان بنانے کے لیے تو کبھی بھی جنگ کی اجازت نہیں تھی۔ کہا یہ ہے جذبۂ محرکہ۔ لہٰذا نہ تو زبردستی کہیں اسلام پھیلانے کے لیے' نہ دوسروں کی زمینیں لینے کے لیے' نہ مملکتیں قائم کرنے کے لیے' حتیٰ کہ مالِ غنیمت بھی تم انفرادی طور پہ نہیں لے سکتے۔ اور اس کے لیے ایک بڑی چیز میرے سامنے آتی ہے۔

عہد فاروقی رضی اللہ عنہ میں ایران کی فتح کا مختصر سا ذکر اور مالِ غنیمت کی تفصیل

فارس فتح کرنے کے بعد مدائن جب فتح کیا ہے' وہ دارالسلطنت ایرانیوں کا تھا' عزیزانِ من! ہزار ہا سال کی تہذیب کا وہ مرکز تھا حضرت عمرؓ کے زمانے میں یہ فتح ہوا تھا سعد بن وقاصؓ نے فتح کیا۔ وہاں سے جو کچھ ملا ہے' یہ عرب بیچارے' زشیرِ شتر خوردن وسوس مار' فردوسی ان کے متعلق لکھتا ہے' کتنے طنز میں لکھتا ہے کہ صاحب یہ اونٹ کا دودھ پینے والے اور یہ گوہ ہوتی ہے نا یہ کانٹے کانٹے جس کے اوپر ہوتے ہیں وہ بڑی ہی نفرت انگیز سمجھ لیجیے وہ گوہ ہوتی ہے' کہتا ہے یہ گوہ کا گوشت کھانے والے اور یہ اونٹ کا دودھ پینے والے یہ عرب' ہمارے سامنے آنے کی جرآت کر رہے ہیں۔ یعنی وہ قوم تھی' یہ گئی ایران فتح کرنے' ایران جن کا ان کے متعلق تصور یہ تھا کہ ایرانی ان کے مقابلے میں صلح تو ایک طرف عزیزانِ من! جنگ کرنے کو نہیں آتے تھے کہتے تھے ہمارے لیے باعثِ ذلت ہے اس قوم کے ساتھ جنگ کرنا۔ یہ قوم ایران کو فتح کر رہی ہے' مدائن میں داخل ہو رہی ہے' بادشاہ شہنشاہ ان کے ہاں کا جو تھا' بھاگا بھاگا پھر رہا ہے اور

ایک پن چکی میں جا کے مرا تھا وہ۔ مدائن انہوں نے فتح کیا' یعنی اس کی جو تفصیل لکھی ہے سعد بن وقاصؓ نے وہ عرب باور نہیں کرتے تھے کہ دنیا میں یہ چیزیں بھی ہوتی ہیں۔ بہرحال وہ سارا مالِ غنیمت تھا' مالِ غنیمت آیا' حضرت سعدؓ نے اس کو مرکز میں بھیجا' ایک چٹھی ساتھ لکھی کہ آپؓ یہ سن کے خوش ہونگے کہ یہ سارا مالِ غنیمت جو تھا ان سپاہیوں کے ہاتھوں میں آیا تھا' کوئی دیکھنے والا نہیں تھا اور آپؓ کے ان سپاہیوں میں سے کسی نے ایک سوئی بھی اس میں سے اپنے لیے نہیں رکھی' ساری کی ساری مرکز میں جمع کر دی۔

سربراہ مملکت کا کردار ہی مملکت کے افراد کو متاثر کرتا ہے

جب یہ چٹھی آ کے پڑھی گئی حضرت عمرؓ کے سامنے تو ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ اس نے کہا الحمدللہ مجھے ایران کی فتح کرنے سے اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی یہ سن کے خوشی ہوئی کہ ایران کے فتح کرنے والے مسلمانوں کو یہ ایمان نصیب ہو گیا ہے۔ اور حضرت علیؓ نے ان سے کہا کہ عمرؓ تمہیں پتہ ہے کہ یہ ان کو ایمان کیسے نصیب ہو گیا وہ ایسے ایماندار کیوں ہو گئے ہیں' کہنے لگے ان کا سربراہ عمرؓ جیسا ایمان والا ہے' اس لیے اس کے سپاہی سارے امین ہونگے۔ راز کی بات ہے یہ عزیزانِ من! سربراہ کے کریکٹر کا ساری قوم کے اوپر اثر پڑتا ہے۔ کہا کہ یہ اس لیے ہے کہ تم اب پہلے سے زیادہ سرفروشی اور جانبازی سے لڑو گے اس لیے کہ اب تم خدا پر ایمان لائے ہوئے ہو۔ اور وہ جو ہم نے بدر کے میدان میں تم سے کہا تھا کہ یہ جنگ اس لیے ہے کہ خدا کا نام اونچا ہو دنیا میں' تم اس لیے جنگ کر رہے ہو۔ اس لیے یہ مالِ غنیمت وغیرہ کوئی شے تمہاری نگاہوں کے اندر نہیں رہا۔ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ (8:41) اللہ کے پیمانے ان پیمانوں سے بالکل مختلف ہوا کرتے ہیں' تم خدا کے پیمانوں کے مطابق حاصل کر رہے ہو۔ اور یہ پیمانے شے کیا ہیں اس کے مقابل میں۔ عزیزانِ من! سورۃ الانفال کی آیت 41 تک ہم آ گئے 42ویں آیت سے ہم آئندہ لیں گے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ

❀.....❀.....❀

چھٹا باب: **سورۃ الانفال** (آیات42تا54)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قومی سطح پر انسانی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لیے سنت رسولؐ یہ ہے کہ قوم کی نفسیات میں تبدیلی پیدا کر دی جائے۔

عزیزانِ من!

آج جنوری 1973ء کی 21 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ الانفال کی آیت 42 سے ہو رہا ہے۔ (8:42)

بیماری کی نقاہت کے باوجود محترم پرویز صاحب کی طرف سے ڈیڑھ گھنٹے کا پورا درس جس میں جنگ بدر کا پس منظر بیان کیا گیا ہے

مجھے افسوس ہے کہ میری بیماری کی وجہ سے تین اتوار درس کا ناغہ رہا آخری درس 24 دسمبر کو ہوا تھا۔ اب بھی میں بالکلیہ تو تندرست نہیں ہوا' اس سانپ کی لکیریں باقی ہیں۔ لیکن جی نہیں چاہا کہ درس کا پھر ناغہ ہو جائے۔

تجدیدِ یادداشت کے لیے عرض کر دوں کہ اس سورۃ میں بات جنگِ بدر کی چلی آ رہی تھی۔ پہلے اٰلِ عمران میں اس کے متعلق ذکر

آیا تھا اور اب اس سورۃ میں بھی اس کے ہی متعلق تذکرہ ہے۔ چند الفاظ میں اس کے پسِ منظر کا دہرا دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ اس کے بغیر بات آگے نہیں چلے گی۔ اسلام ایک تحریک کی شکل میں ظہور میں آیا 13 سال تک مکے کی زندگی میں اس کے بنیادی اصول اساسی قواعد ان کی تبلیغ ہوتی رہی اور قریش کی طرف سے اس کی سخت مخالفت ہوئی۔ تیرہ سال کے بعد اپنے پروگرام کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے مکے سے ہجرت کی' مدینہ تشریف لے آئے۔ قریش کی وجہ مخالفت اگر اتنی ہی ہوتی کہ یہ لوگ ان کے بتوں کو برا کہتے تھے یا انہیں اس اصنام پرستی سے ہی منع کرتے تھے تو اس ہجرت کے بعد مخاصمت کی وجہ باقی نہیں رہنی چاہیے تھی' سلسلہ ختم ہو جانا چاہیے تھا۔ آج کی دنیا کی بات تو نہیں تھی کہ وہ قریباً تین سو میل کا فاصلہ کچھ شے ہی نہیں ہوتا۔ اس زمانے میں تو گویا وہ ایک دوسرے ملک میں چلے گئے تھے۔ اب ان کے لیے وجہ مخاصمت کیا رہ سکتی تھی۔ لیکن ہجرت کے دوسرے ہی سال قریش نے ایک لشکر جرار جمع کیا اور مدینہ پر حملہ کرنے کی غرض سے نکل پڑے۔ سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے جیسا میں نے ابھی عرض کیا کہ بات اگر صرف ان مذہبی اعتقادات کی تھی جس کی یہ لوگ مخالفت کرتے تھے تو وہ بات تو صاف ہو گئی تھی' پھر وہ کونسی چیز تھی جس کے لیے قریش کو یہ ضرورت پڑی کہ انہیں مدینے میں بھی چین نہ لینے دیا جائے۔ اصل یہ ہے کہ یہ بات مذہب کی نہیں تھی یہ دعوت قریش کا پورا نظام الٹ رہی تھی اس دور کا نظام الٹ رہی تھی۔ اور یہی بنائے مخاصمت تھی۔ قریش کے نظام میں یہ تاجر پیشہ تجارت پیشہ لوگ تھے لیکن ان کا سارا کاروبار جیسا کہ سرمایہ داری کے نظام میں ہوتا ہے' وہ بڑے بڑے لوگ تو عام طور پر مکے میں ہی رہتے تھے۔ بڑی عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتے تھے اور ان کا تمام کاروبار غلام سرانجام دیا کرتے تھے۔ غلامی کا رواج عام تھا۔ اور اسلام کی بنیادی دعوت مساواتِ تکریمِ انسانیت پر تھی اس میں سوال ہی نہیں تھا کسی انسان کا دوسرے انسان کو غلام بنا لینا۔ اب انہیں یہ معلوم تھا کہ اگر یہ تحریک کامیاب ہو جائے تو جب ان غلاموں کو آپ مساوی درجہ دیدیں گے تو ان کا سارا معاشی نظام تہ وبالا ہو جائے گا۔ دوسری چیز قریش کے لیے کعبہ کی مرکزیت تھی انہوں نے اسے بہت بڑا مرکزی یاترا کا مقام بنا رکھا تھا' سارا عرب اس کی پوجا کے لیے اس کی پرستش کے لیے یہاں جمع ہوتا تھا۔ اور قریش اس کے پجاری تھے مہنت تھے' متولی تھے۔ بڑی آمدنی کا بھی ذریعہ اور عزت اور سرفرازی کا بھی موجب' امن وحفاظت بھی اس کی وجہ سے ان کو حاصل تھی۔ وہ ساری سرزمین بے آئین تھی ہر جگہ دن دیہاڑے ڈاکے پڑتے تھے' لوٹ مار ہی پر تو ان قبائل کا گذارہ تھا۔ لیکن قریش کے قافلے پورا سال سردی اور گرمی میں اِدھر سے اُدھر اُدھر سے ادھر آتے جاتے تھے اور ان کے تقدس کی وجہ سے جو انہیں کعبہ کے متولی ہونے کی وجہ سے حاصل تھا کوئی ان کے قافلوں کی طرف نگاہ اٹھا کے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

دینِ خداوندی کے تحت کعبہ کو نہ تو یاترا کا مقام تھا اور نہ ہی کسی کو مہنت یا پجاری بننے کی اجازت تھی

یہ وہ خصوصیات تھی کعبہ کی نسبت سے جس کی بناء پہ قرآن نے ان سے کہا تھا کہ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ (106:4) کہ وہ ربِ کعبہ کہ جس کی طرف نسبت سے ان کی کیفیت یہ ہے کہ معاشی خوشحالیاں ان کو حاصل ہیں اور امن وسکون انہیں میسر ہے امن بھی حاصل ہے' بھوک کی طرف سے اطمینان بھی حاصل ہے۔ تو گویا کعبہ کی نسبت سے انہیں یہ دو چیزیں میسر تھیں اور یہ بڑی

بات تھی۔ اتنی بڑی عزت' اس قدر امن اور فارغ البالی۔ اور یہ جو تحریک تھی یہ کعبہ کو نہ ایک یا ترا کا مقام رکھ سکتی تھی نہ اس کا کوئی مہنت یا پجاری ہوسکتا تھا یہ چیز بھی قریش کے ہاں سے چھنتی تھی۔ یہ تھی بنائے نزع اور وجۂ مخاصمت۔ ورنہ جہاں تک بت پرستی کا تعلق ہے' وہیں یہ یہودی عیسائی مجوسی یہ سب بستے تھے۔ یہ قریش سے اختلاف رکھتے تھے ان مذہبی عقائد میں' اُن کے خلاف انہوں نے کبھی کچھ نہیں کہا۔ خود ان کے ہاں قریش کے اندر ایسے لوگ موجود تھے جو حنیف کہلاتے تھے وہ بھی بت پرست نہیں تھے۔ وہ اس کے خلاف تھے اُنہوں نے کبھی ان کی بھی مخالفت نہیں کی۔ وہ اس لیے کہ یہ سارا مذہبی تھا اور مذہب میں تو ان چیزوں کے اوپر کوئی اثر ہی نہیں پڑتا کسی کے نظامِ زندگی پہ۔ اسلام ایک مذہب کی حیثیت سے سامنے نہیں آیا تھا ایک نظامِ زندگی کی حیثیت سے سامنے آیا تھا یہ الدین تھا۔

اہل قریش کی طرف سے مخاصمت کی اصل وجہ وہاں قریش کی ممتاز پوزیشن کو خطرہ تھا

اور وہ جانتے تھے کہ اگر اس الدین کو تمکن حاصل ہوگیا تو یہ چیزیں جن کی وجہ سے قریش کو اتنی ممتاز پوزیشن حاصل ہے' وہ باقی نہیں رہیں گی۔ اس لیے یہ سوال ہی نہیں تھا کہ یہ لوگ مکے سے ہجرت کر کے اگر مدینے چلے گئے تو پھر قریش مطمئن ہوگئے کہ اب ہمارے لیے ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ انہیں معلوم تھا کہ مدینے کی فضا زیادہ سازگار ہے اس نظام کی برومندی کے لیے۔ اس لیے وہ اسے برداشت ہی نہیں کر سکتے تھے کہ یہ نظام کامیاب ہوجائے۔ انہیں پتہ تھا کہ اگر یہ کسی ایک مرکز میں متمکن ہو کے کامیاب ہوگیا تو اس میں اتنی کشش اور جاذبیت ہوگی کہ دور دور سے لوگ کھنچ کر اس کی طرف آئیں گے۔ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا (110:2) جسے قرآنِ کریم نے کہا ہے کہ لوگ جوق در جوق اس کی طرف کھنچتے چلے آئیں گے۔ اور یہ اس نظام کا ایسا قوی مرکز ہوجائے گا کہ ان کے مقابلے میں قریش کا یہ موجودہ نظام چل نہیں سکے گا۔ یہ تھی وجہ مخاصمت۔ اور یہ تھی وہ چیز کہ وہ اس ہجرت کے بعد دوسرے ہی سال پوری تیاریوں کے ساتھ مدینے کے اوپر چڑھ دوڑے۔ مقابلے میں انہیں دیکھیے:

مدینہ منورہ کے انصار کے علاوہ مہاجرین مکہ کے بے ساز و سامان آنے والوں کی معاشی حالت کا ذکر

مکے سے یہ آئے پناہ گزینوں کی حیثیت سے جانیں بچا کر خالی ہاتھ' ساز و سامان یا مال و متاع کا ساتھ لانا تو ایک طرف' اکثر وہ تھے کہ جن کے بیوی بچے بھی مکے میں ہی تھے۔ اس حیثیت سے مدینے میں آئے۔ مدینے والے بھی کسی خاص قوت اور شوکت کے مالک نہیں تھے۔ مقابلتاً غریب بھی تھے۔ یہ کھیتی باڑی کرتے تھے۔ قریش کے مقابلے میں کچھ اس قسم کے مارشل ریس بھی نہیں تھے۔ میدانِ جنگ میں بھی قریش کی تو کیفیت یہ تھی کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ جنگ کرنا بھی اپنی کسرِ شان سمجھتے تھے' اتنا بڑا تمردان کے ذہن میں تھا۔ اور یہ بھی جنگجو قوم نہیں زیادہ۔ ویسے تو خیر عرب کے قبائل یا عرب کے سارے لوگ شمشیر زنی تو جانتے ہی تھے۔ لیکن جنگ کے فن میں قریش کو بہت بڑی مہارت حاصل تھی۔ تو مدینے میں یہ لوگ تھے غریب سے کمزور سے' اُن کے ہاں انہوں نے آ کے پناہ لی جو پناہ گزینوں کی حیثیت سے آئے تھے۔ تعداد بھی ساری لے دے کے بدر کے میدان میں جو اکٹھی ہوئی تو تین سو تھی۔ تو آپ ذرا موازنہ کیجیے قریش کی پوزیشن کا ان کی تیاریوں کا' اس کے لشکر کا اور اس کے مقابلے میں اِدھر یہ جو مقابل میں یہ جو جماعت تھی ان کی کیفیت کیا تھی۔ بے ساز و

سامان خانماں خراب' جہاں پناہ لینے کے لیے آئے ہیں' وہ خود غریب لوگ۔ اور مدینے کے اندر پھر غیر مسلم یہود بڑی قوت کے مالک' عربوں کے وہ قبائل کہ جو خود اس اسلام کو خوش آئند نہیں کہتے تھے وہ لوگ بھی اردگرد موجود تھے۔ ان حالات میں یہ لوگ گھرے ہوئے تھے کہ وہاں سے چڑھائی ہوئی۔ اب آپ کے سامنے یہ پسِ منظر آ گیا اس چیز کا۔ چڑھائی ہوئی تو یہ فیصلے کرنے کی بات تھی کہ کیا کیا جائے۔

شام سے مکے کی طرف مدینے کے قریب سے ایک گزرنے والے ایک قافلے کا تفصیلی ذکر اور پھر قرآن حکیم کا ارشاد

اتفاق ایسا ہوا کہ مکے کی طرف سے تو یہ لشکرِ جرار بڑھا مدینے کی جانب' قریش کا ایک سامانِ تجارت لے کے آنے والا قافلہ وہ واپس جا رہا تھا مکے کی طرف شام سے۔ وہ مدینے سے قریب پڑتا تھا وہ راستہ جس پہ وہ قافلہ جا رہا تھا۔ قافلہ تو فوج نہیں ہوتا' لشکر نہیں ہوتا۔ قافلہ ہوتا ہے سامان بہت زیادہ ہوتا ہے حفاظت کے لیے یونہی ساتھ ان کے وہ قافلے والے ہی ان کے چوکیدار ان کے سپاہی ہوتے ہیں۔ تو گویا اس لشکرِ جرار کے مقابلے میں یہ قافلہ جو تھا اس پہ اگر چڑھائی کر دی جاتی تو اس کا مار لینا آسان بھی تھا اور اس سے مال و متاع بھی بہت حاصل ہو سکتا تھا۔ اور اس کا اثر اس لشکر پہ بھی پڑ سکتا تھا کہ جنہیں اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ اس قافلے کو لوٹنے کے لیے جا رہے ہیں تو ہو سکتا تھا کہ وہ صلح کے لیے ہاتھ بڑھاتے اور کہہ دیتے کہ ہم واپس جاتے ہیں تم ہمارے قافلے کو کچھ نہ کہو' یا خود وہ قافلے کی طرف چلے جاتے اس کی حفاظت کے لیے تو خطرہ ادھر سے ٹل جاتا۔ یہ تھی سٹرٹیجی وہاں کی اس وقت کی۔ اس مقام پہ عزیزانِ من! قرآنِ کریم نے ایک اصولی بات کی ہے۔ یوں تو قرآنِ کریم کا ایک ایک لفظ اور حرف وحیِ خداوندی ہے لیکن بعض مقامات اس میں ایسے آ جاتے ہیں کہ انسان جب ان پہ غور کرتا ہے تو روح وجد میں آ جاتی ہے بے ساختہ پکار اٹھتا ہے کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہو سکتا' کوئی انسان یہ بات نہیں کہہ سکتا۔ یہاں وہ ایک آیت آتی ہے اس پسِ منظر میں آپ دیکھیے کہ قرآن بات شروع کرتا ہے سورۃ الانفال کی آیت 42 جہاں سے درس کا آغاز ہوتا ہے۔ **اِذۡ اَنۡتُمۡ بِالۡعُدۡوَةِ الدُّنۡيَا وَ هُمۡ بِالۡعُدۡوَةِ الۡقُصۡوٰى وَ الرَّكۡبُ اَسۡفَلَ مِنۡكُمۡ** (8:42) تم وادی کے اس کنارے پہ تھے قریش کا لشکر وادی کے دوسرے کنارے پہ تھا اور ان کا قافلہ تمہارے نیچے سے قریب سے جا رہا تھا۔ **وَ لَوۡ تَوَاعَدۡتُّمۡ لَاخۡتَلَفۡتُمۡ فِى الۡمِيۡعٰدِ** (8:42) اگر تم نے ہی فیصلہ کرنا ہوتا کہ کیا جائے تو تم میں اختلاف ہو جاتا۔ کچھ لوگ یا یوں کہیے کہ اکثریت تمہاری یہ چاہتی کہ قافلے پہ حملہ کر دیا جائے۔ کچھ لوگ وہ چاہتے کہ نہیں ہمیں قریش کا حملہ جو ہے اس کو روکنا چاہیے۔ یعنی یہ ایسا ایک معاملہ آ پڑا تھا جس میں اختلافِ رائے ہو سکتا تھا تمہارا۔ کہا کہ اس لیے خدا یہ کہہ رہا ہے کہ ہم نے یہ ضروری سمجھا کہ ہم خود فیصلہ دیں اس میں۔ اب دیکھیے عزیزانِ من! فیصلہ کی بات کیا آ رہی ہے۔ پہلے تو یہ کہا کہ فیصلہ اس لیے دیں **وَ لٰكِنۡ لِّيَقۡضِىَ اللّٰهُ اَمۡرًا كَانَ مَفۡعُوۡلًا** (8:42) تا کہ فیصلہ کن گھڑی ایک آ گئی ہے جو چیز ہونے والی ہے' وہ ابھی ہو جائے۔ کہا کہ یہ تھا خدا کے سامنے۔ اور یہ ہیں عزیزانِ من! چند الفاظ اس آیت کے جو میں نے ابھی عرض کیا کہ انسان غور کرتا ہے تو ذہن میں آتا ہے کہ یہ واقعی خدا کی بات تھی۔ کہا کہ وہ جو بات ہونی ہے ہم چاہتے تھے کہ اب اس میں زیادہ تاخیر کی بات نہ ہو' ہو جائے۔ وہ کیا بات

ہے کہ جس کے متعلق کہا کہ ہو جائے۔

قرآن حکیم کے نزدیک انسانی زندگی کا ایک اہم ترین اصول

یہ ایک اصول یہاں عزیزانِ من! بتایا ہے زندگی کا قرآنِ کریم نے۔ کہا لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنۢ بَيِّنَةٍ ط (8:42) عجیب وغریب بات کہی ہے قرآن نے۔ زندگی اپنی حفاظت آپ چاہتی ہے' ہر شخص زندہ رہنا چاہتا ہے' ہر جماعت زندہ رہنا چاہتی ہے ہر قوم زندہ رہنا چاہتی ہے' By Instinct لائف اپنی Preservation چاہتی ہے۔ چھوٹی سی چیونٹی کے سامنے بھی اگر ذرا سا تنکا آ جائے وہ بھی اس کی مدافعت کرتی ہے۔ زندگی کا تقاضا ہے اپنی حفاظت۔ لیکن اس کے متعلق ٹیسٹ کیا ہے کہ آپ کی زندگی آپ کی جان یا آپ محفوظ رہ سکتے ہیں۔ انسان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کہیں کوئی ٹکراؤ یا تصادم ہو ہی نہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ اس طرح سے اپنے آپ کو محفوظ کر کے سمجھنا کہ ہم واقعی محفوظ ہو گئے ہیں' بڑی خود فریبی ہے یہ۔

زندگی قدم قدم پر اپنے استحکام کے لیے انسانی صلاحیتوں کے ٹیسٹ کی طلب گار ہے

اس کے لیے ٹیسٹ ہونا چاہیے کہ واقعی تم میں زندہ رہنے کی صلاحیت ہے یا نہیں۔ اگر تم میں زندہ رہنے کی صلاحیت ہے تو پھر تمہیں کوئی نہیں مار سکتا اور اگر صلاحیت زندہ رہنے کی نہیں ہے اور تم چھپ چھپا کے حصار کے پیچھے' دیواروں کے پیچھے' کمروں کے اندر' تہ خانوں میں گھسے ہوئے' غاروں میں جا کے' خانقاہوں میں جا کے یہ سمجھتے ہو کہ ہم محفوظ ہیں' کہا بڑی غلط بات ہے۔ تمہاری یہ حفاظت' تمہاری یہ زندگی' دوسرے کے رحم وکرم کے اوپر ہے کہ وہ جب تک جی چاہے تمہیں زندہ رہنے دے' جب اس کا جی چاہے آ کر حملہ کرے اور تمہارے اندر یہ قوت ہی نہ ہو کہ تم اس کا مقابلہ کر کے اپنے زندہ رہنے کا ثبوت بہم پہنچاؤ۔ کہا یہ بڑی غلط روش ہے زندگی کی۔ زندگی ٹکراؤ کا نام ہے۔ وہ جو قرآنِ کریم میں بار بار آتا ہے جس کا ترجمہ ہم یہ کرتے ہیں کہ اللہ نے چاہا کہ ہم تمہیں آزمائیں۔ خدا تمہیں آزماتا نہیں ہے' اُسے آزمانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ مواقع وہ بہم پہنچاتا ہے تا کہ تم اپنے آپ کو آزماؤ کہ تم میں زندہ رہنے کی صلاحیت ہے یا نہیں' تم میں کتنی پختگی آئی ہوئی ہے' خوامخواہ کے لیے تو فریبِ نفس میں مبتلا نہیں ہو تم کہ نہیں ہم میں زندہ رہنے کی' باقی رہنے کی' استحکام کی صلاحیت موجود ہے۔ جب تک کہیں ٹیسٹ نہ ہو' جب تم کٹھالیوں میں سے نہ گذرو' کیسے اس کا یقین ہو سکتا ہے کہ تم میں زندہ رہنے کی صلاحیت پیدا ہو چکی ہے۔

زندہ رہنے کے لیے انسان کو عافیتوں کے حصاروں سے نکلنا ہوگا

کہا کہ یاد رکھو زندہ رہنے کا حق اُسے حاصل ہے جو ثبوت بہم پہنچا دے اس بات کا کہ مجھ میں زندہ رہنے کی صلاحیت موجود ہے۔ اور یہ ثبوت ٹکراؤ میں بہم پہنچایا جا سکتا ہے۔ گوشوں کے اندر اور عافیتوں کے حصاروں کے اندر بیٹھ کر یہ ثبوت نہیں بہم پہنچایا جا سکتا۔ مکے کی زندگی میں تم پہ صعوبات آئیں' مشکلات آئیں' ٹکراؤ نہیں ہوا' مدینے میں تم آ گئے کچھ ٹکراؤ کی بات نہیں تھی۔ اُنہوں نے یہ چیز خود پیدا کر دی ہے' اب یہ جو صورت تم یہ سوچو کہ نہیں' کسی طرح سے یہ ٹل جائے مصیبت' یہ غلط روش ہوگی۔ اگر تم میں زندہ رہنے کی صلاحیت

پیدا ہو چکی ہے تو پھر آبرومندانہ زندہ رہو' اور اگر تم میں یہ بات نہیں پیدا ہوئی تو آبرومندانہ موت کے منہ میں چلے جاؤ۔ یہ سسک سسک کے مرنا غمِ ہجر میں بلا ہے۔ یہ کوئی زندگی ہے اس قسم کی کہ ہر وقت ڈرتے ہوئے' بیٹھے ہوئے ہیں کہ اب چھری صیاد نے لی' اب قفس کا در کھلا۔ زندہ رہنا ہے زندہ رہنے والوں کی طرح زندہ رہو۔

خوف وحزن کی گرفتگی ہمیشہ بے شرف زندگی کے جال میں الجھی رہتی ہے

ٹھیک ہے اب ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے' تذبذب کی کوئی بات نہیں ہے' ٹکراؤ کا ایک موقع آ گیا ہے' اٹھو اور ثابت کرو۔ تم میں صلاحیت موجود ہے تو ٹکراؤ کے بعد زندہ رہو' آبرومندانہ زندگی ہوگی' خوف نہیں تمہارے دل میں ہوگا' ڈر نہیں ہوگا۔ ہر وقت ان قریش سے یا ادھر اُدھر سے اچک کر لے جانے والوں کا خوف دل کے اندر طاری رکھنا اور اس طرح سے سمجھنا کہ ہم محفوظ ہیں' یہ حفاظت نہیں ہے' یہ زندگی نہیں ہے یہ وہ زندگی ہے جو بے شرف ہے۔ زندگی وہ زندگی ہے جس میں خوف نہ ہو' ڈر نہ ہو' کپکپی نہ طاری ہو جائے تمہارے اوپر۔ زندگی ٹکراؤ کا نام ہے۔ اور اس کے مقابلے میں جس نے مرنا بھی ہے وہ یہ چیز نہ ذہن میں کہہ کے مرے کہ صاحب ہم میں زندہ رہنے کی صلاحیت تو موجود تھی' یونہی خوامخواہ فریب کے طور پر ہم کو مار دیا گیا۔ غلط ہے۔ مقابلے میں آؤ ٹکراؤ میں آؤ اور وہاں جا کے ثابت کرو کہ جس میں زندہ رہنے کی صلاحیت موجود ہے' وہ زندگی کا ثبوت دے اور جس میں یہ صلاحیت موجود نہیں ہے وہ مر کے یہ بتا دے کہ مجھ میں یہ صلاحیت نہیں تھی۔ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ (8:42) عزیزانِ من! عجیب وغریب اصول دیا ہے قرآن نے۔ سہم کر سمٹ کر ڈر کر خوف کے مارے' کپکپی کے مارے' عافیت گاہوں کے اندر پناہیں لے کے اس طرح زندگی بسر کرنا۔۔ اُس نے کہا یہ زندگی نہیں ہے۔۔ یہ وہ موت ہے جو ہر وقت موت آتی رہتی ہے اور انسان مرتا بھی نہیں ہے اس کے بعد۔ جہنم کا قرآن نے تو یہی کہا ہے کہ اس میں چاروں طرف سے موت آئے گی لیکن آدمی مرے گا بھی تو نہیں (20:74)۔ کہا یہ زندگی نہیں ہے۔

سیارا بزم بر ساحل کہ آں جا
نوائے زندگانی نرم خیز است

دریا کے ساحل کے اوپر بزم آرائی کرنا زندگی نہیں ہے' وہاں تو دریا کی موجوں کا شور بھی موسیقی بن کر کانوں میں آتا ہے

بہ دریا ؟؟ با موجش در آد بر
حیاتِ جاویداں اندر ستیز است

حیات جاویداں تو ہر آن ٹکراؤ کے ثبوت کی طلب گار ہے

اٹھ چھلانگ لگا' موجوں کے تھپیڑوں کے ساتھ ٹکراؤ پیدا کر' اس مقابلے میں پھر اپنے آپ کو ثابت کر کہ میں زندہ رہ سکتا ہوں' یوں حیاتِ جاویداں حاصل ہو سکتی ہے۔ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ (8:42) زندگی کا ثبوت دے کر زندہ رہ۔ یہ ہیں الفاظ قرآنِ کریم کے عزیزانِ من!۔ اور اگر موت آتی ہے تو فریب میں نہ رہ کہ یونہی موت مجھ میں آ گئی' تمہیں معلوم ہو کہ تم میں واقعی زندہ رہنے کی

صلاحیت نہیں پیدا ہوئی ہوئی تھی۔جس نے زندہ رہنا ہے وہ بھی ثبوت بہم پہنچا کے زندہ رہے اور جس نے ہلاک ہو جانا ہے وہ بھی دلائل و براہین کی بناء پر ہلاکت اس کے اوپر آئے ۔۔فریب کی بناء پہ یہ بات نہ آئے ۔اور یہ چیز ٹکراؤ میں جا کے ہوگی ۔۔چلو اٹھو۔اگر خواہی حیات اندر خطر ستیز است۔زندگی ٹکراؤ کا نام ہے۔

جنگِ بدر کی کامیابی اور کامرانی نے مستقبل کی کامیابیوں پر تصدیق ثبت کر دی

یہ ہے عزیزانِ من! اسلام کی تعلیم' یہ ہے جو قرآن نے کہا ہے۔کیسا نازک وقت تھا۔پتہ ہے ایسے وقت میں عام طور پر فیصلہ اسی طرف جاتا کہ صاحب کسی طرح سے اس بلا کو ٹلا دیا جائے' Compromise کر لیا جائے' مصالحت کر لی جائے' دب جایا جائے اس سے' ٹل جائیں' فریب دے لیا جائے' کسی طرح سے یہ بلا ٹل جائے ٹکراؤ نہ ہو۔قرآن ایسے وقت میں جہاں بظاہر تاریخ کی پوری روشنی میں دیکھا جائے تو نظر آتا ہے کہ اس وقت ان کے حق میں نہیں تھا ٹکراؤ۔۔پوزیشن اس قسم کی تھی۔لیکن اس نے کہا کہ نہیں صاحب! یہ ہر وقت کے ڈر اور خوف سے زندہ رہنا' یہ زندگی نہیں ہے' موت سے بدتر ہے یہ چیز۔اس لیے یہ موقع خود تم نے نہیں پیدا کیا۔اگر قریش نے دشمنی میں آ کے یہ موقع پیدا کیا ہے تو اب پھر ڈر کے سمٹ کے' بیٹھ جانا زندگی نہیں ہے۔یہ راہبانہ تصور ہے۔یہ تصوف سکھاتا ہے' قرآن یہ نہیں سکھاتا۔اس نے کہا ہے کہ جس نے زندہ رہنا ہے' زندہ رہنے کا ثبوت بہم پہنچا کے زندہ رہے۔کیا عجیب الفاظ ہیں۔اور جس نے ہلاک ہونا ہے وہ بھی دنیا دیکھ لے کہ ہاں ان کے اندر زندہ رہنے کی صلاحیت نہیں تھی' اس واسطے یہ ہلاک ہوئے۔کہا یہ تھا وہ مسئلہ جو ہم چاہتے تھے کہ ایک ہی دفعہ طے ہو جائے پھر۔اس لیے قافلے کے اوپر حملہ کرنے کی بات کوئی نہیں تھی۔مقابلے کے لیے نکلو تا کہ یہ چیز دنیا کے سامنے آئے اِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (8:42) ہم سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں' سننے والے ہیں' جاننے والے ہیں۔اس لیے اٹھو اور پھر تاریخ کے صفحات کو بتا دو کہ تم میں زندہ رہنے کی صلاحیت پیدا ہو چکی ہوئی تھی۔اس ٹکراؤ کے بغیر یہ بات تم ثابت نہیں دنیا پہ کر سکو گے ۔اور اس میں کوئی شبہ نہیں عزیزانِ من! دنیا کے مؤرخ یہ لکھتے ہیں کہ بدر کی لڑائی حالانکہ دنیا کے ہر معیار کے مطابق مسلمان اس میں واقعی بڑی کمزور حالت میں تھے لیکن اس لڑائی نے ان کے سارے مستقبل کے اوپر مہرِ تصدیق ثبت کر دی۔وہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد جس قدر ان کو کامیابیاں اور کامرانیاں حاصل ہوئی ہیں وہ ابتداء جو بدر کے میدان کا جو ٹکراؤ تھا' اس کے صدقے میں یہ سب کچھ ان کو ملا تھا۔اتنی اہمیت تھی۔اور وہ اہمیت یہ تھی کہ زندہ رہنا ہے اگر تم نے دنیا میں تو پھر ثابت کر کے یہ زندہ رہو کہ ہم میں زندہ رہنے کی صلاحیت موجود ہے۔دنیا کی کوئی طاقت ہمیں ہلاک نہیں کر سکتی۔اور اگر یہ چیز نہیں ہے تو پھر ٹھیک ہے ختم ہو جاؤ وہاں جا کے۔کہا اسی لیے ہم نے فیصلہ تم پر نہیں چھوڑا۔ہو سکتا تھا کہ تمہاری مصلحت کوشیاں اس طرف جاتیں کہ کسی طرح سے تصادم اور ٹکراؤ سے بچ جائیں۔لیکن زندگی کا اصول یہ نہیں چاہتا۔زندگی کا اصول یہ چاہتا ہے کہ

به دریا ؟؟ با موجش در آویز
حیاتِ جاویداں اندر ستیز است

کہا یہ فیصلہ ہم نے دیا تھا ایسے وقت میں۔

زندگی میں خطرات کا مقابلہ کیے بغیر انسانی صلاحیتیں نشو ونما پا ہی نہیں سکتیں

عزیزانِ من! غور فرمائیے وہ جو ایک لفظ میں کہا کرتے ہیں ??? Saying Yes to یہ ہے زندگی قرآن کی' خطرات سے جی چرانا نہیں۔ خطرات کا مردانہ وار مقابلہ کرنا اور اس طرح سے یہ ثابت کرنا کہ ہم میں زندہ رہنے کی صلاحیت ہے۔۔ یہ ہے قرآن کا پیغام۔ یہ ہے اصولِ حیات جو اس نے دیا ہے۔ اور یہی وہ اصولِ حیات ہے کہ جس نے ایک ایک معرکے میں انہوں نے ٹکراؤ پیدا کیا۔۔ ان مسلمانوں نے ان جماعتِ مؤمنین نے۔ ہر ٹکراؤ میں یہ ثابت کیا کہ ہم میں زندہ رہنے کی صلاحیت ہے۔۔ آگے بڑھتے چلے گئے۔ ورنہ ڈر ڈر کے حفاظت کے اندر رہ کے خوف کے مارے زندہ رہنا۔۔ سانس تو لے سکتا ہے انسان اس میں' Exist تو کر سکتا ہے' Ca'nt Live زندہ نہیں رہ سکتا۔ یہ جو فرق کیا ہے اقبالؒ نے کہ ؎

تیرا دیں نفس شماری میرا دیں نفس گدازی

اس میں بڑا فرق ہے۔

عزم وہمت کے تحت اصول حیات پر مبنی زندگی انسانی نفسیات میں ایک اچھا انقلاب پیدا کر دیتی ہے کہ کوئی چیز مشکل نہیں رہتی

یہ ڈر کے دوسرے کے رحم وکرم کے اوپر زندہ رہنے میں سانس تو لیتا ہے انسان۔۔ شرفِ حیات سے عاری ہوتا ہے۔ قرآن اس زندگی پر موت کو ترجیح دیتا ہے۔ کہا یہ تھا وہ فیصلہ۔ اس عزم کو لے کر تم اٹھے۔ اب سوچئے عزیزانِ من! کہ جس جماعت کو یہ کہا گیا کہ یہ موقع آ گیا ہے یہ دکھانے کا کہ کیا تم میں زندہ رہنے اور آگے بڑھنے کی صلاحیت موجود ہے یا نہیں۔ ان کے حوصلے کتنے بلند ہوئے ہونگے' ان کا عزم کس قدر مستحکم ہوگا وہ کتنی بے پناہ قوتیں لے کر آگے میدانِ جنگ میں گئے ہونگے۔ کہا اسی کا نتیجہ تھا کہ **اِذۡ یُـرِیۡـكَهُـمُ اللّٰهُ فِیۡ مَنَامِكَ قَلِیۡلًا** (8:43) کہا نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ وہ ہزار کا لشکر تھا۔۔ تمہاری نگاہوں کے اندر اس کی حیثیت ہی کچھ نظر نہیں آتی تھی۔ عام طور پر اس کے متعلق ترجموں میں بھی اور تفسیر میں مَـنَـامِكَ کا ترجمہ کیا جاتا ہے کہ تیرے خواب میں انہیں ہم نے تھوڑا کر کے دکھا دیا۔ یہ باتیں خواب کی نہیں ہیں۔ یہ جسے کہتے ہیں کہ تیری نگاہوں کے اندر وہ جچتا ہی نہیں ہے' میری نظروں میں اس کی حیثیت ہی کچھ نہیں ہے۔۔ ان معنوں میں یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ کہا کہ یہ جو ہم نے تمہیں اصولِ حیات دیا تھا اس سے تمہارے اندر ایک اتنا بڑا نفسیاتی تغیر واقع ہوا کہ اس سے اتنا بڑا لشکر جرار بھی تمہاری نگاہوں کے اندر خس وخاشاک نظر آتا تھا کہ کچھ شے ہی نہیں ہے۔

ایمان کی پختگی انسان میں یقین محکم پیدا کر دیتی ہے

اور یہی وہ چیز ہے جو دوسرے مقام پہ سورۃ آلِ عمران میں قرآنِ کریم نے اسی Context میں یہ کہا ہے کہ **اَلَّـذِیۡـنَ قَـالَ لَهُـمُ**

الـنَّـاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ (3:173) کہا یہ جماعتِ مؤمنین یہ مٹھی بھر جماعت بے سروسامان وہ ہیں کہ جب لوگوں نے ان سے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے مخالفین نے کتنا بڑا لشکر تمہارے لیے جمع کر رکھا ہے' تمہارے خلاف اٹھنے کے لیے جمع کر رکھا ہے۔۔تمہیں ان سے ڈرنا چاہیے۔کہا کہ بجائے اس کے کہ اس خبر سے ان پر خوف طاری ہو جاتا **فَـزَادَهُـمْ اِيْمَـانًـا** (3:173) اس سے ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور انہوں نے کہا **وَّ قَـالُـوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ** (3:173) 'خدادارم چہ غم دارم' ہم جب خدا قوانین کے مطابق اٹھ کے کھڑے ہوئے ہیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم زندہ نہ رہ سکیں' غالب نہ آ سکیں ان کے اوپر۔اس سے ان کا ایمان اور بڑھ گیا۔یہ جو چیز ہے نا کہ اس خبر سے کہ تمہارے خلاف اتنا بڑا لشکر جمع کر رکھا ہے' اس سے ان کا ایمان اور بڑھ گیا۔۔یہی چیز ہے جو یہاں کہی گئی ہے کہ لشکر بہت بڑا تھا لیکن یہ جو زندگی اور موت کا ایک اصول تمہارے سامنے آیا تھا اس کی بناء پہ وہ بڑا لشکر جرار بھی تمہاری نگاہوں کے اندر بہت کم نظر آنے لگ گیا تمہیں کہ کچھ شے ہی نہیں ہے۔

انسانی ذات کی پختگی کے سلسلہ میں تغیرِ نفس ایک لازمی جز ہے

وَ لَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَ لَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ط (8:43) اگر تمہارے اندر یہ تغیرِ نفس' تمہاری نگاہ کا زاویہ نہ بدلتا' یہ تغیرِ نفس نہ ہوتا تو یقیناً تم یہ دیکھتے کہ ہم مٹھی بھر جماعت' وہ اتنا بڑا لشکر' تو تمہارے اندر اختلاف پیدا ہو جاتا تم ایک دوسرے سے جھگڑنے لگ جاتے' تنازع شروع ہو جاتا۔اور اگر یہ چیز ہو جاتی تو پھر واقعی تمہاری شکست ہو سکتی تھی۔لیکن خدا نے یہ ایک اصولِ حیات تمہارے اندر دے کے ایک نیا ولولہ پیدا کیا' نگاہ کا زاویہ تمہارا بدل دیا۔اس سے تم محفوظ رہ گئے۔**اِنَّـهٗ عَـلِيْـمٌ م بِـذَاتِ الصُّدُوْرِ** (8:43) وہ تو دلوں کے اندر گذرنے والے خیالات کو بدلا کرتا ہے۔ابھی آتی ہے عزیزانِ من! وہ دوسری آیت بھی اسی سورۃ میں چند آیتوں کے بعد جو میں عرض کرونگا کہ جیسے یہ ایک عظیم آیت آئی ہے ہمارے سامنے کہ زندہ رہنے کا حق اسے ہے کہ جو ثابت کر دے ٹکراؤ میں کہ مجھ میں زندہ رہنے کی صلاحیت ہے ورنہ کسی کو حق حاصل نہیں ہے زندہ رہنے کا۔۔سانس لیتا رہے گا۔اسی طرح سے ایک اور آیت آگے آتی ہے کہ قوموں کی تقدیریں بدلتی کس طرح سے ہیں۔یہاں کہا یہ کہ ہم نے دلوں کی کیفیت بدل دی اس ایک اصول کے دینے کے بعد اور دلوں کی کیفیت کے بدل جانے سے باہر کی کیفیتیں ساری بدل جاتی ہیں۔

میں اب سمجھا کہ دنیا کچھ نہیں دنیا میرا دل ہے
بدل جانے سے اس کے رنگ ہر ایک چیز کا بدلا

بنیادی چیز یہ ہے کہ آپ کا زاویہ نگاہ کیا ہے' آپ کی قلبی کیفیت کیا ہے' آپ کی نفسیاتی کیفیت کیا ہے۔سٹریٹجی نہایت ضروری ہے جنگوں کے اندر میدانِ جنگ میں' لیکن تغیرِ نفس جو ہے اندر کی تبدیلی' فتح اور شکست کا بنیادی راز یہ ہے عزیزانِ من!۔یہ ہے جو کہا کہ **اِنَّـهٗ عَلِيْـمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ** (8:43)۔**وَ اِذْ يُـرِيْـكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِىْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّ يُقَلِّلُكُمْ فِىْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِىَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَـفْـعُـوْلًا ط** (8:44) کہنے لگے وہ جو ہم نے کہا تھا کہ فیصلہ کن بات ہو جائے اس میدان کے اندر' اس میں تمہاری نگاہوں کے اندر ہوا

کیا۔کہا یہ کہ تمہاری نگاہوں کے اندر تو وہ قلیل ہو گئے تم نے کہا کچھ بھی نہیں۔

جنگ بدر میں کفار کی قلبی کیفیت میں ایک بنیادی فرق تھا

ایک فریبِ نفس ان کو بھی تھا مقابلے میں۔۔کہا ان کی کیفیت یہ تھی۔۔آگے چل کے آتا ہے وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّ رِئَآءَ النَّاسِ (8:47) ان کی کیفیت یہ تھی کہ انہیں بڑا گھمنڈ اور ناز تھا اپنی اکثریت پر' اتراتے ہوئے گھر سے نکلے ۔۔یہ کہتے ہوئے کہ ہمیں کون مار سکتا ہے دبا دیں گے' چبا دیں گے' ہوتے کیا ہیں' حیثیت ان کی کیا ہے۔آگے ایک لفظ ہے کہ یہ باتیں دل کے اندر سے نہیں نکل رہی تھیں محض لوگوں کے دکھاوے کے لیے کر رہے تھے۔کہا یہ تھا فرق دونوں فوجوں کا۔یہ ان سے 1/3 تھے۔وہ تین گنا زیادہ تھے' سامانِ جنگ بھی زیادہ تھا۔اس کے باوجود قلبی کیفیت ان کی یہ تھی کہ یہ تو اپنی زندگی کا ثبوت دینے کے لیے میدان میں آئے تھے۔اور وہ باتیں اتنی بڑھ بڑھ کر کرتے تھے لیکن اندر سے یہ بات نہیں تھی محض لوگوں کو دکھانے کے لیے یہ کر رہے تھے ۔کہا یہ تھا فرق ان دو جماعتوں کے اندر۔ان کی نگاہوں میں یہ قلیل تھے دشمن' اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ قرآن نے ہمارے ساتھ وعدہ کر رکھا ہے کہ اگر تم ثابت قدم رہے تو تم میں سے ایک ایک شخص دس دس کے اوپر بھاری ہو جائے گا۔اور کہا تھا کہ ان موجودہ حالات میں بھی کم از کم ایک دو گنے کے اوپر تو بھاری تم ہو ہی جاؤ گے۔اور ان کی نگاہوں میں یہ اس لیے قلیل کہ وہ غرور اور تکبر میں تھے کہ ہوتے کون ہیں یہ' یہ کر دیں گے۔کہا یہ تھا دونوں کی نگاہوں کا فرق۔اس حیثیت سے یہ دونوں میدانِ جنگ میں آئے۔لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا (8:44) اور یوں وہ بات جو خدا نے کہی ہے کہ وہ ہو کے رہنی تھی فیصلہ کن ایک حقیقت' میدانِ جنگ اس طرح سے فیصلہ کن حقیقت بن گیا ان دونوں کے لیے۔

انسانی زندگی کے تمام امور کے فیصلے تو خدا تعالیٰ کے اٹل قوانین کے مطابق ہوتے ہیں

وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ (8:44) تمام امور کے فیصلے تو خدا کے قانون اور اساس کے مطابق ہوا کرتے ہیں۔اب ذہنوں میں یہ بات آئی کہ ٹھیک ہے صاحب جماعتِ مؤمنین مدینے کی اتنی قلیل التعداد بھی اس قدر ساز و سامان کی کمی بھی۔۔تو ان کے متعلق کہہ دیا کہ نہیں تم اٹھو تم کامیاب ہو گے۔ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تم میں کا ایک ایک آدمی دس دس پر بھاری ہو گا۔تو کہا کہ بس پھر اس کے بعد یہ انہوں نے سمجھ لیا کہ ہو کے رہنا ہے ہمارے کرنے کا کچھ نہیں۔اسی وقت اسی سانس میں کہا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا (8:45) یونہی ایک فریبِ نفس میں مبتلا نہ ہو جانا کہ جب خدا نے وعدہ کر لیا کہ کامیابی تمہاری ہے تو اب کامیابی ہو جائے گی۔کہا جب مقابلہ آئے تو کامیابی کے لیے بنیادی شرط یہ ہے کہ ثابت قدم رہنا وہاں' تمہارے قدموں میں لغزش نہ آنے پائے۔پھر اگلی بات کیا ہے۔۔میدانِ جنگ کے اندر اکثر خیال یہ ہوتا ہے کہ وہاں خالی جذبات کی شدت لڑتی ہے' انسان دنیا و مافیا سے بے خبر ہوتا ہے اور وہاں جذبات کی شدت میں انسان وہاں لڑتا ہے۔

اقدار خداوندی کے نفاذ کی خاطر ہر ہر قدم پر عقل وفکر کو پیش نظر رکھنا ذکر اللہ کہلاتا ہے

قرآن تو انسانی فکر وشعور کو میدانِ جنگ میں بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ کہا ثابت قدم رہو وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا (8:45) اور قوانینِ خداوندی کو اور بھی زیادہ شدت سے اپنے سامنے رکھو۔ قدم قدم کے اوپر تمہاری نگاہوں کے اندر یہ بات رہے کہ اس مقام کے اوپر ہم نے کیا کرنا ہے' اس مقام پہ ہمارے لیے کیا کہا گیا ہے۔ یہ نہ ہو جائے کہ جذبات کی شدت میں تم ان اصول وقواعد کو نظر انداز کر دو ۔۔ بالکل نہیں۔ اس کی اور زیادہ ضرورت وہاں پڑے گی کہ قاعدے اور قانون کے مطابق جو کچھ کہا گیا ہے' اصول تمہیں دیے گئے ہیں' ان کو پیشِ نظر رکھو ہر وقت۔ اور اس کے بعد ہے لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (8:45) اس سے کامیابی ہوگی۔ ہم نے جو وعدہ کیا ہے کہ کامیابی تمہیں ہوگی وہ ہوگی لیکن ہوگی اس طرح سے ۔۔ میدانِ جنگ میں ثابت قدم رہو' ہدایاتِ خداوندی کو' قوانین کو' اقدار کو' یہ تمام چیزیں جو تم سے کہی گئی ہیں وہ سب اس میں آ جاتی ہیں جسے ذکر اللہ کہتے ہیں ۔۔ اور شدت سے اپنے سامنے رکھو۔ اس طرح کامیابی ہوگی۔ کر و کیا۔۔ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ (8:46) اپنے نظام کی اطاعت کرو' ڈسپلن اس طرح سے قائم رکھو۔

لفظ تنازع کا بنیادی مفہوم اور اس کا عملی نتیجہ انسانی صلاحیتوں کو پاش پاش کرنے کا ہے

وَ لَا تَنَازَعُوْا (8:46) یاد رکھو۔۔ عجیب لفظ ہے یہ تنازع ۔۔ یہ عرب النزع کہتے تھے کہ ایک ہوا تو یہ ہے نا کہ ایک رخ میں چلتی ہے رخ کا بھی پتہ ہے آپ کو' سمت کا بھی پتہ ہے ۔۔ کشتیاں چلتی تھیں اس زمانے میں بادبانوں سے' ہوا کی سمت کی بناء پر کشتی کے رخ بھی ایک طرف موڑے جاتے تھے لیکن بعض اوقات ایسا ہوتا تھا اب بھی آپ کو معلوم ہے جسے سائیکلون کہتے ہیں آپ بگولہ جسے کہتے ہیں کہ مختلف ہوائیں مختلف سمت سے بیک وقت چلنی شروع ہو جاتی ہیں اور آپس میں وہ ٹکراتی ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ جسے یہ بگولا کہتے ہیں وہ ہوتا یہی ہے کہ ایک وقت میں مختلف سمت سے ہوائیں آ کے ٹکراتی ہیں۔ نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ وہ ہوا کا جو فائدہ ہوتا ہے ایک سمت چلنے کا اس کی بجائے تخریب ہی تخریب ہوتی ہے ۔۔ وہ ہوائیں ایک دوسرے سے ٹکرا کے رہ جاتی ہیں ۔۔ اسے عرب تنازع کہا کرتے تھے ۔ کہا کہیں ایسی صورت نہ پیدا ہو جائے کہ تمہاری اپنی ہوائیں مختلف سمت سے چلنے لگ جائیں تو ٹکرانے کے بعد' بجائے اس کے کہ ایک طوفان بنے دشمن کے مقابلے کے لیے' خود ہی ایک دوسرے سے ٹکرا کے بگولے کا رقص بن کے رہ جائے ۔۔ نتیجہ اس کا یہ کہ چند منٹ کے لیے تو وہ بگولے جو ہیں ان کو تو ہمارے ہاں تو ہم پرستی میں جن کہا کرتے تھے' وہ واقعی جن نظر آتا ہے۔ لیکن دس منٹ کے بعد آپ دیکھیے تو خلا ہوتا ہے وہاں۔ کہا یہ کیفیت پیدا نہ ہو جائے کہیں تم میں۔ اگر ایسا ہوا فَتَفْشَلُوْا (8:46) یاد رکھو Disintigrate ہو جائیں گی تمہاری قوتیں۔ یہی لفظ ہے اس کے لیے۔ ان قوتوں میں استحکام نہیں رہے گا۔ وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ (8:46) تمہاری قوت ختم ہو جائے گی۔ وَ اصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (8:46) ان سے کہا گیا تھا کہ خدا تمہارے ساتھ ہے۔ سن رکھو! خدا ان کے ساتھ ہوتا ہے جو ثابت قدم ہوتے ہیں۔ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّ رِئَآءَ النَّاسِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (8:47) ان لوگوں جیسے نہ ہو جانا کہ نکلے تو ہیں میدانِ جنگ میں جانے کے لیے ۔۔ لیکن کس طرح سے ۔۔ بطرًا اتراتے ہوئے' تمرد

ہے ان کے اندر' نشہ قوت میں بدمست چلے آ رہے ہیں۔ اور پھر یہ چیز جو کر رہے ہیں محض لوگوں کو دکھانے کے لیے' ایمان کی بنیادوں کے اوپر یہ بات نہیں ہے۔ دل نہیں گواہی دے رہا اس مقصد کی صداقت کے لیے۔ کیفیت یہ ہے وَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ (8:47)

زندگی ایک اکائی ہے اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہی نہیں جا سکتا

مقصد اگر ہے تو یہ تخریبی مقصد۔۔ خدا کی طرف جانے والے راستوں کو بند کرنا۔ اب دو تین چیزیں یہاں آ گئیں۔۔ ایک تو یہ ہے کہ مقصد ایسا ہونا چاہیے جو مَا یَنۡفَعُ النَّاسَ (13:17) جو قرآن نے کہا ہے نوع انسانی کے لیے منفعت بخش مقصد ہونا چاہیے۔ اسی کو خدا کی طرف جانے والا راستہ کہا گیا ہے۔ پھر قوت کے نشے میں بدمست نہیں ہونا چاہیے' بطرًا کی کیفیت نہیں ہونی چاہیے' ہر وقت اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہیے۔۔ کتنی قوت ہے ہم میں کتنا مقابلہ کر سکتے ہیں۔۔ احتساب خویش اسے کہا جاتا ہے۔ اور تیسری چیز یہ ہے کہ یہ دل کی گہرائیوں سے یہ بات نکلنی چاہیے۔۔ لوگوں کو دکھاوے کے لیے' ریاء کے لیے یہ نہیں کرنا چاہیے۔ یہ کیفیت اگر کسی جماعت میں کہا پیدا ہو جائے تو وہ واقعی ان میں کا ایک ایک آدمی دس دس پر بھاری ہوتا ہے۔ وَ اللّٰہُ بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ مُحِیۡطٌ (8:47) یاد رکھو کہ زندگی کے کوئی گوشے الگ الگ نہیں کیے جا سکتے۔۔ خدا کا قانون پوری کی پوری زندگی کو محیط ہوتا ہے۔ زندگی تو ایک ایسا کل ہے کہ جس کو حصوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ یہ جو عام طور پہ ہم کہتے ہیں نا کہ صاحب وہ پرائیویٹ لائف کے اندر تو وہ بہت اصول پرست واقع ہوئے ہیں لیکن وہی چیز جب پبلک لائف میں آتی ہے تو وہاں سیاست کی مصلحتیں انہیں کچھ اور کرنے پر آمادہ کرتی ہیں۔۔ قرآن کہتا ہے غلط ہے یہ۔۔ زندگی تقسیم نہیں کی جا سکتی۔ شہد کا ہر قطرہ میٹھا ہوتا ہے' روشنی بہر حال روشنی ہوتی ہے۔ گہر میں تاب گہر کے سوا کچھ اور نہیں۔ کریکٹر اگر ہے تو اس کا مظاہرہ خلوت میں بھی ہوگا' جلوت میں بھی ہوگا۔ پرائیویٹ لائف میں بھی ہوگا' پبلک لائف میں بھی ہوگا۔

جو گھر کی زندگی میں راست باز نہیں وہ باہر بھی نہیں

یاد رکھیے جس کی پرائیویٹ زندگی پاکیزہ اور بلند نہیں ہے' اس کی پبلک لائف بھی کبھی منفعت بخش نہیں ہو سکتی۔۔ دھوکا ہوگا' فریب ہوگا۔ زندگی کو حصوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا' کریکٹر کو شعبوں میں نہیں بانٹا جا سکتا۔ جو اپنے گھر کے اندر راست باز نہیں ہے' وہ باہر کی زندگی کے اندر بھی راست باز نہیں ہو سکتا۔ یہ جو قرآن بار بار کہتا ہے کہ ہم محیط ہیں تمہاری پوری زندگی کے اوپر تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ زندگی کو ٹکڑوں اور شعبوں اور گوشوں میں مت بانٹو۔ اسی لیے یہ کہا گیا کہ کبھی کسی بچے سے بھی دھوکہ دینے کے لیے یہ نہ کہو کہ میں تمہارے لیے غبارہ لینے جا رہا ہوں۔۔ اگر کہہ دیا ہے تو شام کو غبارہ لے کے آؤ اس کے لیے۔ ورنہ یہی جھوٹ جو تم نے یہاں بولا ہے زندگی کے ہر شعبے میں تمہارا Faith بن جائے گا۔ کریکٹر کو حصوں اور گوشوں میں بانٹا نہیں جا سکتا عزیزانِ من! اس لیے یہ بات نہیں کہ میدانِ جنگ میں زندگی تمہاری کچھ اور ہوگی اور اس کے بعد سویلین لائف تمہاری کچھ اور ہو جائے گی' وردی پہنو گے تو کچھ اور ہو جاؤ گے اور نہیں پہنو گے تو کچھ اور ہو جاؤ گے۔۔ کہا یہ بات نہیں ہے۔ پاکیزہ سیرت ہر شعبے کے اندر پاکیزہ سیرت ہوتی ہے۔ وَ اللّٰہُ بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ مُحِیۡطٌ (8:47)۔ کہا یہ جو آئے تھے قریش' کیفیت ان کی عجیب تھی۔ ایک قبیلہ تھا قریش؟؟؟؟ اس جنگ میں جب وہ

آئے ہیں تو انہیں خطرہ یہ تھا کہ یہ قبیلہ کہیں ہمارے اوپر حملہ نہ کر دے۔ اس قبیلے کا سردار تھا اس نے آ کے ان کو وعدہ دلایا کہ نہیں یہی نہیں کہ ہم تمہارے خلاف حملہ کر دیں گے ہم تمہارا ساتھ دیں گے۔ کہا کیفیت ان لوگوں کی یہ ہوتی ہے کہ مصلحت کوشیوں کی بناء پر وہ ایک دوسرے کو بھی فریب دیتے ہیں۔ وہ ساتھ آ گئے۔۔ یہاں عین میدانِ جنگ میں آ کے وَ اِذْ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَ قَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْیَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَ اِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ (8:48) کہا ان کو بھڑکایا اس نے جنگ کے لیئے کہا کہ تمہارا مقابلہ یہ مدینے والے کر سکیں گے وہ ٹھہر نہیں سکیں گے تمہارے سامنے تم یقیناً غالب آؤ گے اور پھر ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

شیطان کی طرف سے غلط اعمال کو مزین بنا کر دکھانا' بڑا خطرناک حربہ ہوتا ہے

یہ ایک لفظ آتا ہے قرآن میں بار بار آتا ہے کہ شیطان نے ان کے اعمال کو مزین کر کے دکھا دیا۔ یعنی غلط کام تھے اور غلط کاموں کو ان کی نگاہوں میں بڑا سہانا کر کے دکھا دیا۔ سب سے بڑی اس وقت آتی ہے انسان کی۔۔ جب وہ غلط کاموں کو صحیح سمجھنے لگ جائے۔ صحیح نہیں بلکہ مزین کہا ہے قرآن نے۔۔ بڑی پرکشش بڑا سہانا آنے لگ جائے غلط کام۔ خوش بخت ہے وہ انسان کہ جن کو ان کا کام بہر حال غلط بن کے دکھائی دے' اصلاح کی گنجائش ہوتی ہے۔ اور اگر کسی کو اس کا جرم ہی نہایت مستحسن بن کر دکھائی دے وہ اپنی اصلاح کس طرح سے کر سکتا ہے۔ اور سب سے بڑا ہمدرد دنیا میں وہ ہے کہ جو کسی کے غلط کام کو کہے کہ یہ غلط کام ہے تمہارا۔۔ اُسے مزین کر کے نہ دکھائے۔ کہا کہ انہوں نے ان کے اس غلط اقدام کو مزین کر کے دکھایا' کہا یہ کہ تم پہ کس طرح سے غالب آ سکیں گے' اور کہا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰی عَقِبَیْهِ (8:48) اور جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو ان کا ساتھ چھوڑ کے بھاگ گئے۔ وَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّیْٓ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ (8:48) کہا کہ جو کچھ میری آنکھیں اس وقت دیکھ رہی ہیں وہ تم دیکھ نہیں سکتے۔۔ مجھے نظر آ رہا ہے کہ یہاں کس طرح ہمیں شکست ہونے والی ہے میں تو ڈرا بابا۔۔ میں جا رہا ہوں میں نہیں یہاں کھڑا ہو سکتا۔ کہنے لگے کہ ان کو اکسا کے بھڑکا کے لے آیا اور عین میدانِ جنگ میں آ کے یہ کیا۔ کہا یہ ہوتی ہے ان کی سیرت اور کردار۔ مومن نہ کبھی کسی کو دھوکا دیتا ہے نہ دے سکتا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک قول کہ مومن نہ دھوکہ دیتا ہے اور نہ دھوکہ کھاتا ہے

وہ بتایا ہے نا یہ چیز حضرت عمرؓ کے سامنے یہ کہا تھا کہ مومن کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ کسی کو دھوکا دیتا نہیں ہے۔ آپؓ نے کہا کہ فقرہ پورا کرو' یہ آدھی بات تم نے کہی ہے۔ مومن وہ ہے جو نہ کسی کو دھوکا دیتا ہے' نہ کسی سے دھوکا کھاتا ہے۔ کہا کہ یہ سیرت اور کردار ان لوگوں کا ہوتا ہے۔۔ بھڑکا کے اکسا کے انہیں میدانِ جنگ میں لے آیا اور عین میدانِ جنگ میں آ کے ساتھ چھوڑ کے پیچھے بھاگ گیا۔ کہا دوسری طرف منافقین کی یہ کیفیت۔۔ یہ بھی تو منافقت تھی۔ اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِیْنُهُمْ (8:49) کہا ان منافقین کی یہ کیفیت ہے وہ ان لوگوں سے کہہ رہے ہیں قریش سے کہ یہ لوگ جو جماعتِ مومنین اٹھی ہے ان کے دین نے ان کو دھوکا دیدیا ہے' یہ عجیب و غریب قوم ہے۔ تعداد اتنی تھوڑی' ساز و سامان کوئی نہیں ہے' بے یار و مددگار بیٹھے ہوئے ہیں

۔۔جب پوچھو کہ صاحب اتنے بڑے لشکر کے مقابلے میں کس ہمت سے آتے ہو تو وہ یہ کہتے ہیں کہ نہیں صاحب! ہمارے ساتھ خدا ہے' ہم خدا کے قوانین کے مطابق چلنے والے ہیں ہم یقیناً غالب آئیں گے۔کہا کتنا بڑا فریبِ نفس ہے جو ان کو حاصل ہے۔

اصول پرستی اور پاکیزگی سیرت انسان کے لیے سب سے بڑی قوت ہے

وہ واقعی اسے فریبِ نفس سمجھتے تھے۔۔وہ جانتے ہی نہیں تھے کہ اصول پرستی کے اندر کتنی بڑی قوت ہوتی ہے۔وہ جانتے ہی نہیں تھے کہ پاکیزگی اور سیرت اپنے اندر کتنی بڑی قوت رکھتی ہے۔منافق اس بات کو کیا سمجھ سکے گا جس کی کیفیت یہ ہے کہ کہیں پتہ کھڑکے تو جان جاتی ہے کہ آئی مصیبت میرے اوپر۔اس لیے وہ کہتے یہ تھے کہ ان لوگوں کو ان کے دین نے دھوکہ دے رکھا ہے' یہ فریبِ نفس میں مبتلا ہیں۔حالانکہ وَ مَنۡ یَّتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ فَاِنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ (8:49) کیا بات ہے دو لفظ ہیں۔۔حالانکہ جو لوگ خدا کے قوانین پر بھروسہ رکھتے ہیں پھر وہ دیکھ لیتے ہیں کہ ان قوانین کے اندر قوت بھی کتنی ہے اور قوت بھی پھر سکھا شاہی والی قوت نہیں۔۔حکمت کے اوپر مبنی ہوتی ہے وہ قوت۔خدا کے قوانین یہ کیفیت پیدا کرتے ہیں انسانوں کے اندر۔وہ کپکپی جن پہ طاری ہو جاتی ہے

خدا کی راہ میں جان دینے والوں کی قوت ایمانی کی نوعیت

وَ لَوۡ تَرٰۤی اِذۡ یَتَوَفَّی الَّذِیۡنَ کَفَرُوا الۡمَلٰٓئِکَۃُ یَضۡرِبُوۡنَ وُجُوۡہَہُمۡ وَ اَدۡبَارَہُمۡ وَ ذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡحَرِیۡقِ (8:50)

ان کی تو کیفیت یہ ہوتی ہے یہ جو ہیں خدا کی راہ میں جان دینے آئے ہیں' ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ جب موت آتی ہے تو عروس اور دلہن کی طرح اس کی طرف بڑھ کر جاتے ہیں۔اس لیے کہ ان کو معلوم ہے کہ یہ موت مرنا نہیں ہے' حیاتِ جاویداں کا دروازہ جس کے اندر ہم داخل ہو رہے ہیں۔اور ایک یہ منافقت کی موت ہے کہ موت سامنے آتی ہے تو یوں سمجھئے کہ جیسے عذاب دینے والے فرشتے ان کو آگے سے پیچھے سے دو ہتڑے مار مار کے کچومر نکال رہے ہیں ان کا۔۔کتنا بڑا عذاب ہے جو ان کے اوپر طاری ہے۔عزیزانِ من! مصیبت یہ ہے کہ نزع کی جو جان کنی ہے' اس کے احوال و کیفیات وہ بیان نہیں کر سکتا۔۔لیکن اندازہ ہوتا ہے انسان کو کہ کتنے بڑے عذاب میں مبتلا ہے یہ شخص۔اور جس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ خدا کے راستے میں جان دے رہا ہے اُسے معلوم ہے کہ یہ ایک فانی سی زندگی ہے اس کے بدلے میں حیاتِ ابدی مجھے میسر آ رہی ہے۔اس کی موت میں اور اس کی موت میں کتنا فرق ہے۔نشانِ مردِ مومن با تو گویم۔اقبالؒ کہتا ہے میں تمہیں مومن کی نشانی بتاؤں۔چوں مرگ آید تبسم برلب اواست۔۔موت آتی ہے تو مسکراتا ہے وہ۔کہا یہ منافق کی موت ہے او ر یہ مومن کی موت ہے۔ذٰلِکَ بِمَا قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ وَاَنَّ اللّٰہَ لَیۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِیۡدِ (8:51) اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ میں نے کیا کچھ کیا ہوا ہے۔

ابنائے نفسیات کے نزدیک حقیقت نزع کی کیفیت

یہ ابنائے نفسیات یہ بتا رہے ہیں کہ موت کے وقت میں کچھ عجیب کیفیت انسان کی ہوتی ہے کہ ایک ثانیے میں اس کی زندگی کے جتنے بڑے بڑے واقعات ہوتے ہیں' وہ سینما کے فلم کی طرح اس کے سامنے آ جاتے ہیں۔تو آپ سوچئے کہ یہاں تو ہو سکتا ہے کہ طبعی طور

پر حافظہ کمزور ہو' نہ باتیں سامنے آئیں' خود فریب اپنے آپ کو دے لے' نہ آنے دے۔۔لیکن کیفیت یہ ہو کہ پوری زندگی کی پوری فلم جو ہے جو کچھ اس قسم کے ناجائز اور بدکرداریوں میں کیا ہوا ہے' وہ ایک ایک آنکھوں کے سامنے آ رہا ہے۔اور اس کے بعد یہ کیفیت کہ یہ سب کچھ جو کچھ میں نے کیا تھا' وہ چھوڑ کے چلا جا رہا ہوں۔۔کتنا بڑا عذاب ہوگا یہ۔وہ نزع کا عذاب جسے ہم محسوس کرتے ہیں وہ تو ایک طبعی چیز ہوتی ہے صرف۔۔لیکن یہ عذاب جو ہے انسان کا وہ تو وہی جان سکتا ہے جس کے اوپر یہ عذاب آ رہا ہو۔

غلط نظام کی بنا پر قوموں کی تباہی و بربادی کے عذاب کی کیفیت

وہ کہہ رہا ہے کہ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (8:51) خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا۔۔وہ کیا ہوتا ہے ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ (8:51) تمہارے اپنے ہاتھوں کا لایا ہوا ہے یہ سارا عذاب۔۔ہم تو کسی پہ ظلم نہیں کرتے۔اب یہاں یہ چیز آ سکتی تھی کہ صاحب یہ میدانِ جنگ کا واقعہ یا بدر کی بات یا قریش کی یا منافقین عرب کی بات ہو رہی ہے۔۔کہا یہ بات نہیں۔۔یہ اصولی چیز ہے دنیا کی ہر قوم میں یہی ہوا ہے۔كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (8:52) تاریخ سے پوچھو کہ افراد پہ نہیں' قوموں پہ یہ عذاب کس طرح سے آیا کرتا ہے۔فرعون کی قوم سے' اس سے بھی پہلے جو قومیں گذری ہیں ان کے احوال و کوائف کو تم دیکھو۔۔کس طرح سے ان پر موت آئی' کیسے ہلاکت ان کی ہوئی۔كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ (8:52) انہوں نے قوانینِ خداوندی سے انکار برتا سرکشی کی۔ان کے جرائم نے ان کو آ کے پکڑ لیا۔یہ عجیب لفظ ہے عربی زبان کا یہ ذنب جسے کہتے ہیں۔اپنے آپ کو دھوکے میں رکھنے والا تو یہ سمجھتا ہے کہ نا کہ جرم کی کوئی چیز کی' اطمینان کر لیا کہ کسی نے دیکھا بھی نہیں اس کی شہادت بھی نہیں' کہیں اگر شہادت و ہادت ہے تو وہ پھاڑ کے پھینک دی مٹا دی' مطمئن ہو گیا کہ وہ جرم ختم ہو گیا ہے۔ایک چیز ہوتی ہے جو کسی کے پیچھے لگی ہوئی ہوتی ہے۔۔پتہ ہے یہ عرب عجیب لوگ تھے۔۔کسی مویشی کی دم وہ جہاں جائے اس کے پیچھے لگی ہوئی ہے یعنی ہو ہی نہیں سکتا کہ دم جو ہے وہ جھڑ کے الگ ہو جائے۔۔وہ جرم کو یہ کہتے تھے۔ذنب کے معنی ہیں مویشی کے پیچھے لگی ہوئی دم۔اور یہ عجیب چیز ہے۔۔عمل پہلے ہوتا ہے اس کا نتیجہ ہمیشہ اس کے بعد میں سامنے آتا ہے انسان کے۔لیکن قانونِ مکافات یہ ہے کہ وہ چپکا ہوا ہوتا ہے اس کے پیچھے' وہ کہیں چلا جائے اس کے ساتھ لگا ہوا ہے۔اب اس میں دونوں چیزیں آتی ہیں۔۔عمل کے بعد نتیجہ آتا ہے اس لیے وہ دم کی صورت پیدا کی کہ آخری چیز ہے۔اور یہ جو اس سے چھٹکارا نہیں ہو سکتا۔۔کتنی عمدہ تشبیہ ہے یہ کہ وہ تو مویشی کی دم کی طرح پیچھے چپکا ہوا ہوتا ہے وہ تو مرنے کے بعد بھی ساتھ رہتی ہے دم۔

عربوں کے ہاں زبان بنانے کا طریق اور لفظ شدید العقاب کا مفہوم اور اس کا استعمال

لفظی اعتبار سے میں بار بار یہ کہتا ہوں ہر درس میں کبھی نہ کبھی کوئی لفظ آ جاتے ہیں کہ عجیب زبان تھی ان قوموں کی' یہ لوگ ہی عجیب تھے۔ہر مادے میں جو تشبیہ ان کے ہاں آئے گی' محسوسات کی چیز آئے گی۔ Abstract Truth وہ جانتے ہی نہیں تھے۔محسوس شے تھی ان سے یہ پہلی مثال لیتے تھے اور اس سے پھر وہ الفاظ بنتے چلے جاتے تھے۔۔سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں۔۔وہ تو زبان ہی ایسا سائنٹفک ہے۔باب ان کے ہاں ہیں جس قسم کے معنی لینے مقصود ہوں اس مادے سے اس باب میں اس کو لے جایئے وہ معنی آپ کو دیتا

ہے۔۔ بنیادی معنی جو ہوتے ہیں وہ ہر جگہ موجود رہتے ہیں' دم کی طرح ساتھ لگے ہوئے۔ ابھی میں نے عرض کیا ہے نا کہ یہ جرم کے متعلق ذنب سے تشبیہ اس کو دینا۔۔ کس طرح چپک جاتی ہے انسان کے ذہن میں بات کہ واقعی وہ پیچھے لگا رہتا ہے' جاتا نہیں ہے۔ اور مرتے وقت اگر اس کا فلم سامنے آ جائے تو پوچھئے نہیں اس عذاب کی کیفیت کیا ہوتی ہے۔ بِذُنُوْبِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ (8:52) اب یہاں وہ قرآن کا انتخاب ہے نا یہ۔۔ یہاں شدید العقاب کہا ہے' عقب کے معنی ہیں پیچھے لگا ہوا' کھوجی۔ وہ جرم اس کی دم کی طرح پیچھے لگا ہوا اور یہ اس کے پیچھے لگا ہوا۔ یہ ہے مکافاتِ عمل جسے کہا ہے' مفر ہی نہیں ہے چھوٹ ہی نہیں سکتا انسان۔ اب آئی وہ دوسری آیت۔۔ میں نے۔

عالمی سطح تک لفظ تقدیر کا غلط مفہوم اور اس کے اثرات

عزیزانِ من! کہا تھا نا کہ آج ہی کے درس میں اسی سورۃ میں دو آیتیں ایسی آتی ہیں عجیب وغریب چیزیں ہیں۔ آج سے چودہ سو سال پہلے کسی انسان کے ذہن میں نہیں آ سکتا تھا' آج بھی وہ اتنی بلند ہیں۔ پہلی چیز آپ نے وہ دیکھی جو اس نے کہا ہے کہ زندہ رہنے کا حق اس کو ہے جو ٹیسٹ میں آ کر یہ ثابت کر دے کہ مجھ میں زندہ رہنے کی صلاحیت ہے ورنہ سانس لیتے رہو گے' حیاتِ بے شرف ہو گی وہ تمہاری۔ اور کہا کہ جس نے ہلاک ہونا ہے وہ بھی دلیل و برہان کی رو سے ہلاک ہو۔۔ استبداد کی بناء پہ نہیں' ظلم کی بناء پہ نہیں۔۔ دنیا کو وہ دکھا دے کہ مجھ میں واقعی زندہ رہنے کی صلاحیت و استطاعت نہیں تھی۔ بڑی عجیب چیز ہے قوموں کے لیے۔ اور یہاں دوسری چیز بتائی۔۔ قوموں کے عروج و زوال کا بنیادی اصول۔ ہمارے ہاں تو وہ چلا آ رہا ہے نا وہی مجوسی فقرہ وہی تقدیر کا۔۔ ایسے غلط معنی وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ جسے چاہے تو عزت' جسے چاہے تو ذلیل کر دے۔ ٹھیک ہے جی اس میں تو انسان کا عمل دخل ہی کوئی نہیں۔ ''اوتھے کی پرواہ اے راکب اوتھے بے پرواہیاں' پھڑ لے عملاں والیاں نوں چھڈ دے اوگنہارنوں'' مالک جو ہوا قادر مطلق جو ہوا۔۔ کوئی قاعدہ نہیں کوئی قانون نہیں' جسے چاہے عزت دے' جسے چاہے ذلت دے' جس سے چاہے چھین لے' جسے چاہے دیدے۔ عزیزانِ من! سنیے قرآن کیا کہتا ہے اور کم از کم ہفتہ بھر تو وجد میں رہیے۔ ذٰلِکَ یہ ڈ لک دیکھ لیجیے جو پیچھے چلی آ رہی ہے بات' یہ قومیں کیوں تباہ ہوئی فرعون کی قوم یہ قریش۔ ذٰلِکَ (8:53) یہ اس لیے کہ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ یَکُ مُغَیِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (8:53) وہ اس لیے یاد رکھو! کہ خدا کسی قوم سے کوئی نعمت اور کوئی خوشحالی نہیں چھینتا تاوقتیکہ وہ قوم خود اپنی نفسیات کے اندر ایسی تبدیلی نہیں پیدا کرتی کہ وہ اسکی اہل نہ رہے۔ چودہ سو سال پہلے یہ کہا گیا ہے

انسان ہو یا کوئی قوم اس کو پہلے خود اپنے اندر نفسیاتی تبدیلی پیدا کرنی ہو گی

عزیزانِ من!۔ پوچھو آج کے نفسیات کے عالموں سے' یہ سائیکولوجسٹ سے کہ وہ اس پہ کچھ اضافہ کر سکے ہیں۔۔ آج وہ اس کے قریب قریب پہنچ رہے ہیں۔ ابھی یہ Individual Psychology کے اوپر آئے ہیں۔ بنیاد اس پہ آ گئی ہے۔ دور تو ختم ہو گیا منطق کا فلسفے کا' دور اس وقت سائیکولوجی کا شروع ہو گیا ہے۔۔ وہ کہہ رہے ہیں یہ ساری زندگی کی جس قدر بھی کھیل ہے۔ ساری نفسیات

پہ منحصر ہے۔انسان کی اپنی عمر سائیکولوجی کی رو سے ہے۔یہ قرآن Individual سے آگے بڑھ کے قوم کے متعلق کہتا ہے لَمْ یَکُ مُغَیِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰی قَوْمٍ قوم کی سائیکولوجی بتاتا ہے وہ۔۔یادرکھو جب تک کوئی قوم خود پہلے اپنے اندر تبدیلی پیدا نہیں کرتی اس کی باہر کی زندگی میں تبدیلی نہیں آتی۔کہا ہے اَنَّ اللّٰهَ لَمْ یَکُ خدا بھی یہ نہیں کرتا۔میرے اللہ میرے اللہ۔غور فرمایا کہ پھر یہ ہوتا کیا ہے ۔۔یعنی Initiative پہل کون کرتا ہے یہاں' انسان کرتا ہے۔جس قسم کی تبدیلی تم پیدا کروگے'اس قسم کی چیز خدا کی طرف سے آئے گی۔۔وہ انتظار کرتا ہے۔

ذات خداوندی انسانی اعمال کے مطابق ہی اس کے نتائج مرتب کرتی ہے

اور پھر اگلی چیز جو ہے وہ اور اس سے ایک قدم آگے جاتی ہے۔۔انسان کو تو اختیار دیدیا کہ تم جس قسم کی تبدیلی اپنے اندر چاہے کرو' خدا کی کیفیت یہ ہے کہ اس کو(Inverted Commas میں میں یہ بات کہونگا) یہ اختیار نہیں ہے کہ یہ ایک قسم کی تبدیلی پیدا کرے' وہ دوسری قسم کا قانون اس کے اوپر وارد کردے۔۔بالکل نہیں۔وہ کہتا ہے ہم تو Follow کرتے ہیں تمہاری تبدیلی کو۔اور خدا ہونا اسی کو زیبا دیتا تھا عزیزانِ من! جو اتنی بے پناہ قوتوں کے بعد اپنے آپ پر ایسی پابندی عائد کرلے کہ اصول ہم نے مقرر کردیا ہے کہ قوم جس قسم کی تبدیلی اپنے اندر پیدا کرے گی' ہم اسی قسم کی کیفیت اسکی کریں گے۔اب تبدیلی ساز وسامان کی' معیشت کی' یہ ساری چیزیں یہ باہر کی چیزیں ہیں۔۔ہماری نگاہیں اسی پہ جاتی ہیں۔۔ہمارے ہاں Exchange کی کمی آ گئی' ہمارے ہاں فوڈ کی کمی آ گئی' پیداوار کچھ اچھی نہیں سامانِ حرب کچھ کم آیا۔قرآن اس پہ بھی بڑا زور دیتا ہے کہ یہ سب چیزیں ضروری ہیں۔لیکن کہتا ہے بنیادی چیز یہ نہیں ہے۔یاد رکھو! بنیادی چیز تمہاری اپنی اندر کی نفسیاتی تبدیلی ہے' وہ تبدیلی غلط ہے تو باہر یہ سب کچھ بھی موجود ہوگا تو پھر بھی زوال آ کے رہے گا۔اگر وہ تبدیلی صحیح خطوط کے اوپر ہوگئی ہے تو ساز وبراق کی کمی بھی جو ہے' یہ اصول پرستی اس کو پورا کردے گی۔تین سو کی جماعت ہزار کے اوپر غالب آ جائے گی۔۔اگر نفسیاتی تبدیلی یہ پیدا اس کے اندر ہوگئی ہے تو۔یہ ہے عزیزانِ من! قرآن کی رو سے قوموں کے عروج وزوال کا بنیادی اصول۔ان کی زندگی اور ہلاکت کی ایک ایسی توجیہہ کہ جو غیر متبدل ہے کہ خدا بھی نہیں چھینتا کسی قوم کو دی ہوئی نعمت۔۔تاوقتیکہ وہ قوم اپنے اندر اس کی تبدیلی پیدا نہ کرلے۔

لفظ تغیر کا وہ مفہوم جس کے تحت محرب اسے استعمال کرتے تھے

پھر بات میں سے بات یاد آ گئی۔۔یہ جو ہے مُغَیِّرًا تغیر جسے ہم کہتے ہیں جس کا ترجمہ ہم صرف تبدیلی کرلیتے ہیں۔یہ عرب استعمال کرتے تھے اس لفظ کو۔۔کس قسم کی تبدیلی کہ جس سے تباہی نہ آئے۔ان کے ہاں محاورہ تھا غَیَّرَ عَنْ بَعِیْرِہٖ ۔۔وہ سفر کرتے تھے تو ریل گاڑیاں ٹرک یہ چیزیں تو تھی نہیں یہی اونٹوں پہ سامان لدا ہوا ہوتا تھا۔۔اونٹ کو تو آپ نے دیکھا ہوگا اس کا کجاوہ بھی دیکھا ہوگا۔یعنی اس کی چال ہی ہر وقت ایسی ہوتی کہ متحرک رہتی ہے ہر وقت۔۔اوپر اس کے بندھا ہوا کجاوہ' اوپر اس کے بندھا ہوا سامان اور ہر وقت جو یہ کرتا ہے۔وہ رسیوں سے تو باندھا ہوا ہوتا تھا انہوں نے' جن رسیوں کو ہر وقت اس طرح حرکت ہوتی ہو وہ ڈھیلی ہوتی چلی جاتی

ہیں۔اس قسم کی رسی جب ڈھیلی ہوجائے اوراس کو بروقت نہ کسا جائے تو اس کے اوپر وہ سامان بھی گرے گا' کجاوہ بھی کرے گا' پتہ نہیں نیچے سے اونٹ بھاگ جائے گا' عجیب تماشہ ہوگا۔وہ تو نہیں دیکھا۔۔کبھی کبھی یہاں آپ نے گدھے کے اوپر سامان لدا ہوا کسی نے اور وہ درمیان میں اس طرح سے وہ ڈھیلا ہو کے گر پڑے' آپ نے دیکھا ہے۔بہترین ساربان قافلے والے وہ ہوتے تھے کہ وہ نگاہ رکھتے تھے کہ اس ہر وقت کی نقل وحرکت سے کون کون سی رسی ڈھیلی ہوئی ہے اور قبل اس کے کہ وہ بے ساختہ ہو کے ٹوٹ جائے یا اتنی ڈھیلی ہوجائے کہ سامان نیچے گر جائے' اس سے پہلے ہی اس اونٹ کو بٹھا کے' وہ رسیاں باندھ دے اور کس دے اس طرح سے آگے چلے۔۔اس کو وہ تغیر کہتے تھے۔جو قوم تو یہ کرتی رہتی ہے کہ اپنے سفرِ حیات

سفر زندگی کے دوران اگر کسی قوم کے انتظامی امور میں فرق آجائے تو پھر منزل کا حصول یقیناً مشکل ہو جاتا ہے

میں یہ دیکھتی رہے کہ کون کونسی رسی ڈھیلی ہورہی ہے' کون کونسی ٹوٹنے لگی ہے اس کے ٹوٹنے سے پہلے اس کی مرمت کردے اور درست کردے وہ تو ٹھیک آخری منزل تک پہنچ جائے گی۔اور جس نے ادھر سے کوتاہی برتی۔۔ایک رسی یہاں ٹوٹے گی' ایک وہاں ٹوٹے گی' سامان یہاں گرے گا' جانور وہاں بھاگے۔۔کہاوہ قوم نہیں پہنچ سکتی اپنی منزلِ مقصود میں۔ایک لفظ تغیر نے آپ دیکھیے کہاں سے کہاں بات پہنچادی۔یہ تھی وہ قوم۔اب یوں ہوگیا کہ جس قوم کی کیفیت یہ ہے۔اور یہ بات باہر کی دنیا کی ساز وبراق کی نہیں Inner Life کی Inner Self کی ہے' اندرونی دنیا کی ہے۔۔اپنے اندر دیکھتی چلی جائے وہ قوم کہ اس قسم کی چیز تو نہیں ہوگئی کہ اصول واقدار کے ساتھ ہماری وابستگی جو ہے وہ کچھ ڈھیلی ہورہی ہے' کچھ نرم پڑ رہی ہے اس میں کسی قسم کی کجی آرہی ہے۔جونہی آئے اُسی وقت اس کو ٹھیک کرلو پھر وہ قوم ابدیت درکنار رہے گی۔اور جو اس طرح سے اپنا محاسبہ نہیں کرے گی تو اس کے بعد تو پھر سوال یوں کہیے جیسے اس کے مقدر میں لکھا ہوتا ہے۔اصول بہرحال قرآن نے یہ بتایا کہ اندر کی دنیا کی تمہاری داخلی Subjective Change جو ہے Psychological اس پہ دارومدار ہے باہر کی زندگی کا یاد رکھو۔بڑے راز کی بات ہے بڑی اونچی بات ہے۔

عمل صالح کے لیے ایمان کی ضرورت ایک لازمی جز ہے

اب اس سے یہ بات سمجھ میں آجائے گی کہ ایمان کی کیا ضرورت پڑتی ہے عملِ صالح کے لیے۔عام طور پہ یہ کہا کرتے ہیں کہ صاحب ٹھیک ہے نظام اگر ٹھیک ہوجائے گا' معاشی نظام تمہارا ٹھیک ہوجائے گا تو اس کے بعد یہ کیا لیے پھرتے ہیں کہ ایمان کی بڑی ضرورت ہوتی ہے اس کے بعد۔یہ معاشی نظام بھی ٹھیک نہیں ہوسکتا عزیزانِ من! جب تک یہ کیفیت پیدا نہ ہو۔یہ کوئی چیز زندگی مکینکل نہیں ہے آپ کی۔مشینوں میں تو یہ چیز ہوسکتی ہے' حیوانات میں تو یہ چیز ہوسکتی ہے۔۔انسانوں کی دنیا میں آپ خارجی دنیا میں Objectively یہ چیزیں مکینیکلی کرکے تو کبھی صحیح نتائج نہیں مرتب کرسکتے۔اس کا دارومدار انسان کے Inner Self کے اوپر ہے۔۔اس میں کس قسم کی تبدیلی ہے۔انسان کی نفسیات کے اندر جو صحیح تبدیلی آتی ہے' اُسے ایمان کہا جاتا ہے۔یہ چار لفظ دہرا دینے کا نام

نہیں ہے۔یہی ہے جسے **ما بانفسھم** کہا ہے قرآن نے۔تمہارے نفسیات کے اندر کس قسم کا چینج آتا ہے۔اندر کی دنیا نے تمہارے اگر یہ فیصلہ کیا ہے کہ ٹھیک ہے جس طرح سے جائز اور ناجائز آئے وہ لے لینا چاہیے صاحب' زندگی یہی ہے ''بابر باعیش کویش کہ عالم دوبارہ نیست'' وہ جو بابر کی طرف یونہی منسوب کیا ہے۔اگر یہ ہے اندر کا آپ کا زاویہ نگاہ' اگر یہ ہے آپ کا اندر کا یقین' یہ ہے آپ کی نفسیات۔۔یہ ہے آپ کا ایمان۔اور اگر کیفیت یہ ہے کہ نہیں صاحب۔

اک ایک قطرے کا مجھے دینا پڑا حساب

خونِ جگر ودیعت مژگانِ یار تھا

اگر یہ اندر آپ کے کیفیت ہے یہ ایک اور قسم کا ایمان ہے۔یاد رکھیے جو جو لوگ ایمان کے خلاف جا رہے ہوتے ہیں نا۔۔ایمان کے بغیر تو کوئی فرد رہ ہی نہیں سکتا۔۔

جیسا ایمان ویسا عمل' ویسا کردار۔جیسی روح ویسے فرشتے

اگر خدا پہ ایمان نہیں ہے تو شیطان پہ ایمان ہوگا۔جو خدا پہ ایمان کے خلاف آپ کے جا رہے ہیں ان کے ہاں بھی پوچھیے وہ مارکس کے فلسفے کے اوپر اتنا گہرا ایمان ان کا ہوتا ہے کہ آج کل کے مومن کا ایمان ایسا خدا پہ نہیں ہوتا۔یعنی ہر قسم کا حربہ جائز ہے اس پہ ان کا یقین ہوتا ہے نا کہ یہی صحیح روشِ زندگی ہے۔۔اسی کو تو ایمان کہتے ہیں۔یہ ایمان بالکفر سمجھئے۔یہ جو چیز ہے **مَا بِاَنْفُسِهِمْ** اس کے معنی ہیں ایمان کہ تمہاری نفسیاتی کیفیت کس قسم کی ہے۔باہر کی خارج کی دنیا کا دارومدار نفسیات پہ ہے

بچوں کی تعلیم وتربیت کا تمام تر انحصار ان کی نفسیاتی بنیاد پر استوار ہوتا ہے

عزیزانِ من! اور نفسیاتی تبدیلی ہوتی ہے' بچپن سے شروع کی جاتی ہے یہ بات۔۔پہلے تربیت بچے کی آپ کیسے کرتے ہیں ماحول کس قسم کا جس کے اندر پرورش پاتا ہے۔پھر اس کی تعلیم کس قسم کی آپ کرتے ہیں۔اس سے نفسیاتی تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔اسی لیے رسول کا فریضہ بتایا گیا تھا کہ **يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ** (3:164) قانون پیش کرتا' پھر تعلیم دیتا ہے ان کو قانون کی اور اس کی غرض وغایت کی۔۔اور اس طرح سے **يُزَكِّيْهِمْ** ان کی اندرونی نشوونما کرتا ہے۔ان کے اندر ایک نفسیاتی تبدیلی پیدا کرتا ہے۔اور جب نفسیاتی تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے اس قوم میں تو پھر خارج تو خود ہی بدل جاتا ہے صاحب۔یہ ہے بنیاد عزیزانِ من! جو قوم بھی اپنے بچوں کی تربیت نوجوان نسل کی تعلیم سے غفلت برتتی ہے یا غلط خطوط کے اوپر کرتی ہے' دنیا کی کوئی طاقت اس قوم کو نہ زندہ رکھ سکتی ہے نہ اس قوم کو سرفرازی نصیب ہو سکتی ہے۔باہر کی چیزیں جو جی میں آئے کر کے دیکھ لیجیے۔۔نفسیاتی تبدیلی کے بغیر قوم کے اندر تبدیلی آ نہیں سکتی۔

آج ہم جس قومی سطح پر معاشرتی تباہ حالی اور آوارگی کا رونا رو رہے ہیں اس کی وجہ جواز

یہ جو آج ہر قدم پہ رونا ہے ہر شخص رو رہا ہے برادرانِ عزیز! جہاں ہم دو آدمی ملتے ہیں' مرثیہ شروع کر دیتے ہیں اور ہر شخص رو رہا

ہے۔ کسی کی سمجھ میں آ نہیں رہا کہ کریں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نفسیاتی تبدیلی اندر کی ہمارے جہاں تھی، وہ بگڑ گئی ہے۔ نگاہ ہماری پھر آ گے جاتی ہے۔۔ سمگلنگ ہو رہی ہے، جرائم ہو رہے ہیں، ناجائز طریقے اختیار کر رہے ہیں، غلہ اندوزی ہو رہی ہے، بلیک مارکیٹنگ ہو رہی ہے۔ یہ تو باہر کے نشانات علامات ہیں یہ تو Symptoms باہر کے ہیں ان میں کا مرض تو نفسیاتی چیز ہے جو اندر کی بگڑی ہوئی ہے۔ ایک شخص کیوں اس کے اوپر آمادہ ہوتا ہے کہ قوم نے پتہ نہیں کس کس جتن کر کے قرضہ لے کے، بھیک مانگ کے باہر سے گیہوں منگایا۔۔ وہ اس کو چوری کرتا ہے تھوڑے سے منافع کے اوپر اس کو ایک راستے سے باہر بھیج دیتا ہے۔ یہ کتنا بڑا جرمِ عظیم ہے۔۔ یہ کیوں کر رہا ہے۔ اس کا اندر یہ کہہ رہا ہے نا کہ تجھے اس سے کیا واسطہ کہ قوم پہ کیا ہو رہا ہے۔۔ تجھے تو اتنا مل جائے گا۔ یہ ہے اندر کی تبدیلی۔ یہ اندر اس کی تبدیلی اگر آپ پیدا نہیں کرتے تو ایک ایک آدمی کے اوپر ایک ایک سپاہی تو آپ کھڑے کرنے سے رہے، کون کون سے درے آپ بند کر لیں گے سمگلنگ کے لیے۔۔ سولہ سو میل کا تو ایک بارڈر آپ کا یہاں ہے۔ یہ بلیک مارکیٹنگ، یہ چار سو بیسی، یہ چوری یہ ساری چیزیں کس طرح بند کر لیں گے۔ قانون تو عزیزانِ من! Exceptional Cases کے لیے ہوتا ہے۔ یہ اندر کی تبدیلی سے یہ ہوتا ہے۔ تو یہ تھی وہ بنیاد جو قرآنِ کریم نے دی تھی عزیزانِ من! قوموں کے عروج و زوال کی۔۔ چودہ سو سال پیشتر۔ ذٰلِکَ یہ اس لیے ہے کہ

قرآن حکیم کے ارشاد کے مطابق قوموں کا عروج و زوال نفسیاتی تبدیلی کا رہینِ منت ہوتا ہے

بِاَنَّ اللّٰہَ لَمْ یَکُ مُغَیِّرًا نِّعْمَۃً اَنْعَمَھَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ اور آگے ہے وَاَنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (8:53) کیا بات ہے صاحب!!! سب کچھ سننے والے جاننے والے خدا نے یہ بات کہی ہے یہ جو ہم کہہ رہے ہیں۔ اور کہا کہ اس کی شہادتیں آپ کو اقوامِ سابقہ کی سرگذشت میں ملیں گی۔ وہاں بھی یہ بات نہ دیکھیے کہ فلاں قوم کے پاس سامانِ حرب و ضرب کی کمی رہ گئی تھی، معاشی نظام ٹھیک نہیں رہا تھا۔۔ کہا بالکل نہیں۔ نفسیات کے اندر ان کی تبدیلی آئی تھی۔ کَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّھِمْ فَاَھْلَکْنٰھُمْ بِذُنُوْبِھِمْ وَ اَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَ کُلٌّ کَانُوْا ظٰلِمِیْنَ (8:54) کہا یہ کیفیت۔۔ اقوامِ سابقہ میں سے بھی جو قوم تباہ ہوئی وہ بھی اسی نفسیاتی تبدیلی کی وجہ سے ہوئی۔۔ آج بھی جو قوم عروج حاصل کرے گی اسی نفسیاتی تبدیلی کی بناء پہ کرے گی۔ یہ ایک غیر متبدل ہمارا قانون ہے، ازل سے چلا آ رہا ہے، ابد تک رہے گا، ہر قوم کے لیے یہ اسی طرح سے رہے گا۔ نام رکھانے سے کچھ نہیں ہوگا کہ تم نے اپنا نام مسلمان یا مومن رکھا لیا ہے تو اس نام کی بناء پہ یہ کچھ کیفیت پیدا ہو جائے گی۔ نہ ہی کوئی ایک فرد آ کے عزیزانِ من! کسی قوم کی حالت کو اپنے طور پہ بدل سکتا ہے۔۔ وہ یہ تو کر سکتا ہے کہ قوم کی نفسیات کو بدلنے کی تدبیریں کچھ کرے آ کے۔

قوموں کو جہانِ نو سے ہم کنار کرنے کے سلسلہ میں سب سے بڑا معجزہ صرف نفسانی تبدیلی ہے اور یہی سنت رسول ﷺ ہے

اگر آپ سمجھتے ہیں کہ وہ آ کے کسی معجزے کے طور پر آسمان سے اتر کے اس قوم کی بری حالت کو ہی ٹھیک کر دے گا۔۔ بالکل غلط ہے۔ اصول قرآن کا یہ ہے۔۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اگر اس قوم کو اس قسم کی سرفرازیاں عطا فرما دی تھیں اس لیے کہ حضور ﷺ نے ان کی

نفسیاتی تبدیلی پیدا کردی تھی۔ آئندہ بھی جس کسی کے دل میں درد ہے قوم کا تو وہ یہی طریقہ ہے کہ اس قوم کی نفسیاتی تبدیلی کرے۔۔ صحیح تربیت سے عزیزانِ من!۔ جب پاکستان بنا تھا اُسی دور میں اگر آپ سنبھال لیتے اپنی آنے والی نسل کو اور ان کے اندر صحیح نفسیاتی تبدیلی پیدا کر دیتے آپ۔۔ تو رونا کس بات کا تھا صاحب۔ سب کچھ میسر تھا۔ یہ جس قوم کے ہاتھوں آپ رو رہے ہیں یہ وہ قوم ہے جو تشکیلِ پاکستان کے زمانے میں یا دودھ پینے والے بچے تھے یا سکولوں میں جانے والے بچے تھے۔۔ یہی پچیس سال کے بعد بڑے ہو کے قوم بن گئے ہیں آج۔ ان کی نفسیاتی تبدیلی کی طرف سے تو اس قدر آپ نے غفلت برتی۔۔ آج آپ رو رہے ہیں اور رونے کے بعد بھی کسی کی نگاہ اس طرف نہیں جا رہی کہ یہ ہے کام کرنے کا۔ کوئی گالیاں دے رہا ہے' کوئی گردن مروڑ رہا ہے' کوئی خون بہا رہا ہے' کوئی زیادہ سے زیادہ کسی کے ہاں آتا ہے تو کہتا ہے کہ صاحب کوئی قانون ایسا بنا دیجیے' یہاں سپاہی کھڑا کر دیجیے' سمگلنگ روک دیجیے۔ کچھ نہیں بن سکتا۔ اس لیے کہ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (8:53) دو جگہ قرآن میں یہ آیا ہے صاحب۔۔ ایک یہاں آیا ہے اور ایک آیا ہے سورۃ رعد کی آیت 11 ویں آیت میں۔ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔ ہم سورۃ الانفال کی آیت 54 تک پہنچ گئے عزیزانِ من! 55 سے آئندہ لیں گے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

❀.....❀.....❀

ساتواں باب: **سورۃ الانفال** (آیات 55 تا 60)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیزانِ من! آج جنوری 1973ء کی 28 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ الانفال کی آیت 55 سے ہو رہا ہے۔

(8:55)

انسانی نفسیات دو قسم کی مظہر ہوتی ہیں ایک کفر اور دوسری ایمان

موضوع ہے جنگِ بدر کے کوائف اور حالات۔ اور سابقہ درس میں جو آیت ہمارے سامنے آئی تھی جیسا کہ میں نے اس وقت عرض کیا تھا ایک عظیم بنیادی حقیقت کو لیے ہوئے اور وہ حقیقت یہ کہ کسی قوم کے خارجی حالات میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ وہ قوم اپنی نفسیات میں تبدیلی پیدا نہ کرے۔۔ اس کے تبدیلی پیدا ہونی چاہیے۔ جس قسم کی انسان کی اندر کی دنیا کے اندر تبدیلی پیدا ہوگی اسی کے مطابق اس کے خارجی حالات میں تبدیلی ہوگی۔ اور یہ ایک فرد کی بات ہی نہیں قرآن نے کہی بلکہ قوم کے متعلق یہ کہا تھا کہ **ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ لَمۡ یَکُ مُغَیِّرًا نِّعۡمَۃً اَنۡعَمَھَا عَلٰی قَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِھِمۡ** (8:53) خدا بھی کبھی نہیں حالات بدلتا کسی قوم کے تاوقتیکہ وہ قوم خود اپنے اندر نفسیاتی تبدیلی نہ پیدا کر لے۔ اور یہ نفسیاتی تبدیلی وہ ہے کہ جس کی دو کیفیتیں ہوتی ہیں ایک کو قرآن کفر سے تعبیر کرتا ہے اور دوسری کو ایمان سے تعبیر کرتا ہے۔ یہ ایمان چند الفاظ کے دہرانے کا نام نہیں ہے۔ یہ چند رسومات کے بجالانے کا نام نہیں ہے۔ نہ ہی کفر کسی غیر مسلم کے گھر میں پیدا ہو جانے کا نام ہے۔ یہ دونوں نفسیاتی کیفیات ہیں جو ایک دوسرے کی ضد ہوتی ہیں اور انہی کے مطابق قوموں کے خارجی احوال و کوائف میں تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔

کفر کی زندگی اور Value کے مطابق زندگی میں فرق کی نوعیت

کفر کے متعلق قرآن نے یہ کہا کہ صرف حیوانی سطح کے اوپر زندگی بسر کرنا Animal Level کے اوپر ہی لائف کو سمجھنا' یہ کفر ہے۔ Animal Level کے اوپر یا حیوانی سطح پہ زندگی کے معنی ہوتے ہیں طبعی زندگی یہی انسان کی Physical Wants ۔۔ ان کا پورا ہوتے چلے جانا' کامیاب زندگی ہے۔یہی کھانا پینا' جنسی تقاضے اس سے آگے کچھ نہیں ۔۔یہ Animal سطح ہے' یہ حیوانی سطح زندگی ہے۔الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ (47:12) قرآن نے کہا ہے کہ کفر یہ ہے کہ صرف حیوانی سطح پر زندگی جیا جائے ۔۔کھانا پینا افزائش نسل کرنا اور اس کے بعد مر جانا۔۔یہ کفر کی زندگی قرآن نے بتایا ہے۔انسان اور حیوان میں اس نے فرق یہ کیا کہ جسے آپ Values یا اقدار کہتے ہیں حیوانات میں وہ نہیں ہوتیں' وہ تصور صرف انسانی سطح زندگی کے اوپر آ کر پیدا ہوتا ہے اور یہی خطِ امتیاز ہے بنیادی طور پر حیوان اور انسان میں ۔۔دونوں میں ہی طبعی زندگی کی ضروریات تو حیوان اور انسان دونوں میں مشترک ہوتی ہیں۔اس حد تک انسان بھی حیوان ہی ہوتا ہے یہ بھی کھاتا پیتا ہے' سانس لیتا ہے اور زندہ رہتا ہے' افزائش نسل کرتا ہے اور اس کے بعد طبعی قوانین کے تابع اس کی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔بعینہ اسی طرح جس طرح ہر حیوان کی زندگی ان تقاضوں کو پورا کرتی ہے اور اس کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔کچھ فرق نہیں ہے اس زندگی میں حیوان اور انسان میں۔ بلکہ یہ لفظ مشترک ہے دونوں کے لیے ۔۔حیوان کے معنی ہی ہیں زندہ ہے' جس کو زندگی حاصل ہے۔اصل میں فرق پیدا ہوتا ہے آگے چل کر جہاں انسانی سطح زندگی شروع ہوتی ہے اور وہ ہے اقدار یا Values کا تصور۔

کسی زبان کے اندر محاوروں کی اہمیت اور ہماری کوتاہ نظری۔ مال صدقۂ جان اور جان صدقۂ آبرو کا حقیقی مفہوم

وہ جو ہمارے ہاں ایک بڑا ہی بنیادی محاورہ چلا آتا ہے اور اب تو ہماری اگلی نسل ہماری حماقتوں کی وجہ سے جہاں وہ زبان سے بیگانہ ہوتی چلی جا رہی ہے' ان محاوروں سے بھی نا آشنا ہو رہی ہے حالانکہ ان محاوروں کے اندر زندگی کے بڑے لمبے چوڑے تجربات کا نچوڑ دیا ہوا ہوتا ہے۔ہمارے ہاں ایک بات محاورے کے طور پہ چلی آتی تھی کہ ''مال صدقۂ جان'' اگر مال اور جان میں Tie آ کے پڑ جائے' تصادم آ کے پڑ جائے' ہر شخص جان بچانے کی خاطر مال قربان کر دے گا۔جان بچانا جو ہے یہ کوئی انسانی خصوصیات میں سے نہیں ہے' ہر حیوان اپنی جان بچاتا ہے وہ جان بچانے کے لیے آخری کوشش کر دیتا ہے۔تو اگر محض جان ہی بچانے کی بات ہو تو یہ تو حیوانی سطح زندگی اور انسانی سطح زندگی میں قدرِ مشترک ہے ۔۔انسان اس کے لیے طاقت بھی صرف کرتا ہے' تدبیریں بھی کرتا ہے اور اس محاورے کی رو سے مال بھی صرف کر دیتا ہے۔ بلکہ اگر سارا مال دینا پڑے تو وہ سارا مال دے کے بھی جان بچا لیتا ہے۔اگر کوئی شخص مال کو ترجیح دیتا ہے جان پہ تو ساری دنیا اس پہ ہنستی ہے' اسے پاگل کہتی ہے کہ جان دیدی پیسہ خرچ نہیں کیا۔تو گویا جان کا بچانا ضروری ہے لیکن اس میں حیوان میں اور انسان میں اس سطح پہ تو کوئی فرق ہی نہیں ہے ہر حیوان اپنی جان بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ننھی سی جان چیونٹی کی ہوتی ہے اُسے بھی

دیکھیے اس کے سامنے تنکا بھی اگر آ جائے تو وہ سمجھتی ہے کہ یہ مخالفت ہو رہی ہے میری' جان بچا کے حفاظت سے دوسری طرف نکل جاتی ہے۔ مال صدقۂ جان تک تو بالکل صحیح بات ہے آگے آتی ہے وہ سطح انسانیت کی کہ ''جان صدقۂ آبرو''۔ آبرو کا تصور حیوان میں نہیں ہوتا

Value کی قدر و قیمت کی وضاحت

یہ Value ہے' یہ قدر ہے۔ اسی قسم کی چیزیں ہیں جنہیں آپ اقدار کہتے ہیں۔۔ حلال اور حرام میں تمیز کرنا' جائز اور ناجائز میں تمیز کرنا۔۔ حیوانی سطح کے اوپر یہ چیز ہے ہی نہیں۔ یہ اقدار کی چیز ہے' یہ قدر ہے' یہ Value ہے۔ حیوان کے سامنے جینے کے لیے صرف پیٹ بھرنا ہے' انسان کے لیے جینے کے لیے پیٹ بھرنا ضروری تقاضا ہے لیکن ایک قدر بھی آگے آتی ہے کہ جائز طریقے سے پیٹ بھرا جائے۔ جنسی تقاضے کا پورا کرنا حیوان اور انسان دونوں میں تقاضا مشترک ہے لیکن انسان میں ایک چیز قدر آ جاتی ہے جائز اور ناجائز کی تمیز۔ تو اس محاورے میں جیسے میں نے کہا ہے کہ جان صدقۂ آبرو۔۔ حیوان اسے نہیں جانتا۔ آبرو کا تصور صرف انسانی سطح زندگی کے اوپر آتا ہے۔ یہ جو Values یا اقدار ہیں' یہاں فرق آ کے پڑتا ہے۔

شب قدر کی اہمیت دراصل قرآن حکیم کے نزول کی اہمیت ہے جو انسانی Value اور حیوانی Value میں فرق کرتا ہے

وحی کرتا یہ ہے کہ وہ انسان کو Values دیتا ہے۔ اسی لیے کہا کہ اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ (97:1) یہ نئی اقدار دینے والی ایک رات تھی جس میں قرآن کا نزول شروع ہوا۔ اقدار کا صرف فرق ہے Values کا صرف فرق ہے۔ ان Values میں یقین رکھنا۔۔ اسے ایمان کہتے ہیں۔ اور ان Values سے انکار کرنا۔۔ اسے کفر کہا جاتا ہے۔ اب آپ نے دیکھا کہ یہ دو قسم کی نفسیات ہیں' الگ الگ زاویہ ہے زندگی کا' الگ الگ تصور ہے حیات کا۔۔ ایک زندگی کا تصور خالص حیوانی سطح پر Animal Level کے اوپر' طبعی تقاضوں کا پورا کرنا جس طرح سے بھی ہو۔ دوسرا تصور یہ کہ ان تقاضوں کا پورا کرنا ضروری لیکن ان اقدار کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو اس باب میں وحی نے دی ہیں۔۔ اسے ایمان کہتے ہیں۔

انسانی Value اور حیوانی Values ہمیشہ اپنی اپنی جگہ ایک جیسی ہی رہتی ہیں

یہ جو طبعی تقاضے ہیں ان تقاضوں میں یقین رکھنا تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔۔ وہ ہر شخص جانتا ہے' ہر حیوان جانتا ہے کہ بھوک کے وقت کھانا چاہیے' پیاس کے وقت پینا چاہیے۔۔ اس کے لیے انسانی خصوصیت کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ چیز اندر سے آتی ہے اس کے' یہ ان چیزوں پہ حیوان ایمان لاتا نہیں ہے انسان بھی اگر صرف Animal Level کے اوپر زندہ رہتا ہے تو وہ ان چیزوں پہ ایمان نہیں لاتا وہ اندر کا تقاضا ہے جو پورا کرتا ہے۔۔ پیاس لگتی ہے' پانی کی طرف جاتا ہے۔ یہ بھی جاتا ہے' گدھا بھی جاتا ہے۔ یہ ان چیزوں پہ ایمان لاتا نہیں' اس کے اندر Instinct ہوتی ہے' یہ جبلت ہوتی ہے۔ ایمان لانا پڑتا ہے اقدار کے اوپر کہ جو اندر کا تقاضا نہیں ہوتا

انسان کا۔ جتنا فلسفے نے یہ بات کہی کہ انسان کے اندر یہ چیز ہوتی ہے۔۔ بالکل غلط فلسفہ تھا' باطل کا فلسفہ تھا۔ اگر یہ چیز انسانوں کے اندر کہیں ہوتی' ساری دنیا میں کہیں انسان بستا ہو آج یا آج سے چھ ہزار سال پیشتر کا انسان' چھ ہزار سال پہلے کے غاروں کا انسان اور آج کا مہذب ترین انسان دنیا کے کسی خطے میں بسے' کسی قوم سے اس کا تعلق ہو۔۔ یہ جو حیوانی تقاضے ہیں ان سب میں مشترک ہوتے ہیں ایک جیسے ہوتے ہیں۔۔ آج پیاس لگے کسی کو یا چھ ہزار سال پہلے کے انسان کو پیاس لگے' پانی کی طرف جاتا ہے وہ۔ یہاں اس کو پیاس لگے قطبِ شمالی میں پیاس لگے' پانی کی طرف جاتا ہے اور پانی سے پیاس بجھاتا ہے۔۔ اختلاف نہیں۔ جتنے انسان کے اندر جذبے یا Instincts یا جبلتیں ہوتی ہیں ان میں اختلاف ہی نہیں ہوتا۔ انسان تو ایک طرف انسان اور حیوان میں اختلاف نہیں ہوتا۔ اگر یہ اقدار بھی انسانوں کے اندر ہوتیں جبلت کے تقاضوں کی طرح تو کبھی انسانوں میں اختلاف ہوتا ہی نہ۔

کفر اور ایمان کا سوال تو حیوانات کے سلسلہ میں پیدا ہی نہیں ہوتا یہ فرق تو انسانی اقدار میں پڑتا ہے

کفر اور ایمان کا تعلق حیوانی سطح پہ آتا ہی نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہاں ان چیزوں کے اوپر یقین نہیں رکھنا پڑتا۔ میں نے کتنی ہی دفعہ یہ لفظ یقین آپ کے سامنے یہ رکھا۔۔ ایمان کی بجائے۔ بنیادی طور پہ ایمان کے معنی یقین کے ہیں۔ اور جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا ہے' یقین رکھنا پڑتا ہے اقدار پہ جو انسانی سطح کی چیز ہے۔ جبلت کے بنیادی تقاضے' میں نے عرض کیا ہے کہ وہ تو از خود پورے ہوتے ہیں۔ ہر تقاضا جو ہے اس کے لیے اندر سے معلوم ہوتا ہے کہ پیاس لگتی ہے تو پانی کی طرف جاتا ہے۔ اس تقاضے کی تو کیفیت یہ ہے کہ بچہ پیدا ہونے کے بعد جو سانس لیتا ہے اُسے جس وقت بھوک لگتی ہے تو آپ دیکھیے وہ اپنے رزق کے چشموں کی طرف دودھ کی نہروں کی طرف لپک کے چلا جاتا ہے۔۔ نہ کسی نے اُسے بتایا نہ کسی نے اسے سمجھایا نہ وہ اس پہ ایمان لایا۔۔ سوال ہی نہیں ہے۔ اور پھر کہیں اختلاف نہیں۔ دنیا کا ہر بچہ یہی کرتا ہے۔۔ حیوان کا بچہ بھی یہی کرتا ہے' انسان کا بچہ بھی یہی کرتا ہے۔ اختلاف تو یہاں ہوتا ہی نہیں ہے۔ نہ کہیں سے سیکھنا پڑتا ہے۔ نہ سیکھنے کے بعد اس پر ایمان لانا پڑتا ہے۔۔ اندر کا تقاضا ہے ہر جگہ ہے۔ فرق آ کے پڑتا ہے جہاں جائز اور ناجائز کا تصور آتا ہے۔ جہاں اقدار کا تصور آتا ہے۔ جہاں آبرو کا تصور آتا ہے۔ ان اقدار پر ایمان لانا پڑتا ہے یعنی یقین رکھنا پڑتا ہے اس بات کے اوپر کہ انسانی زندگی انہی اقدار سے وابستہ ہے۔

ایمان کی بنیاد یقین محکم پر استوار ہوتی ہے

یہ جو یقین ہے اسے ایمان کہتے ہیں۔ الفاظ کا پھیر بھی عجیب ہے جس طرح ہمارے ہاں ایمان کے معنی کچھ ایسے ہو گئے ہیں کہ جس میں عقل و فکر کو دخل نہ ہو۔ خدا پر ایمان لانا پڑتا ہے' غیب پر ایمان لانا پڑتا ہے۔۔ دیکھیے یہ لفظ جو ایمان ہے اس کے ساتھ یہ چیز آ گئی کہ اس میں کچھ عقل و فکر' علم و بصیرت' دلائل و براہین کا کوئی تعلق نہیں ہے' بس اسے ماننا پڑتا ہے یہ۔۔ بالکل نہیں۔ یہ غلط چیز ہے۔ یہ یقین تو وہ ہے کہ جو بچے کو یقین ہوتا ہے کہ مجھے رزق خوراک ماں کے تھنوں سے ملے گی۔۔ وہ علم و بصیرت پہ مبنی نہیں ہوتا' دلیل و برہان پہ مبنی نہیں ہوتا' اندر کا تقاضا ہوتا ہے۔ اُسے ایمان نہیں کہہ سکتے۔ یقین تو اتنا بڑا ہوتا ہے کہ بڑے سے بڑے صاحبِ ایمان کو شاید اتنا کہیں یقین نہ ہو

جتنا بچے کو اس کا یقین ہوتا ہے کہ دودھ کے وقت وہاں سے مجھے رزق مل جائے گا۔عجیب چیز یہ ہے کہ ہمارے ہاں یہ لفظ پامال نہیں ہوا' جنہوں نے انگریزی میں شروع میں اس کا ترجمہ کیا ہوگا Faith' انہوں نے بھی اسے یقین ہی کے معنوں میں استعمال کیا ہوگا۔اب بھی مذہب کی دنیا سے اگر ہٹ جائیں اگر ہم اور Faith کا لفظ استعمال کریں تو آپ دیکھیں گے کہ وہ یقین کے معنوں میں آتا ہے۔ ڈاکٹر کو اپنی دوائی کی شفا کے اندر یقین ہوتا ہے' اُسے Faith کہتا ہے وہ۔یہ لفظ استعمال ہوتا ہے Faith یقین کے معنوں میں۔لیکن وہاں بھی اب یہ لفظ جو Faith ہے آپ دیکھیے گا اسی طرح سے یہ چیز بھی بغیر دلیل کے بغیر علم کے جو بات ہو' انہی معنوں میں وہاں آ گئی۔اسی لیے میں کہا کرتا ہوں کہ ایمان کا ترجمہ ہی Faith غلط ہے' ان معنوں میں Faith غلط ہے۔اب ہمارے سامنے دو چیزیں آ گئیں۔۔ایک Faith تو وہ ہوا کہ جس میں دلیل و برہان کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔بکری کا بچہ پورے ایمان کے ساتھ بمعنی یقین ماں کے تھنوں کی طرف چلا جاتا ہے دلیل اور برہان اس میں نہیں ہوتی' کیوں کا جواب نہیں دے سکتا وہ۔لیکن اس سے اوپر آ کر ایک Faith یہ ہوتا ہے جو دلیل اور برہان پہ مبنی ہوتا ہے۔۔ڈاکٹر جب صحیح تشخیص کر لیتا ہے مرض کی اور اس کے بعد دوائی Specific اس کے پاس ہوتی ہے' وہ پورے Faith کے ساتھ یہ دوائی دیتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ مجھے اس دوائی کی شفا کے اوپر Faith ہے کہ یہ یقیناً ایسا کرے گی' یقیناً ایسا کرے گی۔اب یہ دیکھیے ڈاکٹر کا یہ Faith دلیل و برہان پہ مبنی ہے۔۔اُسے پوچھیے کہ کیوں ایسا ہوتا ہے' وہ سمجھا سکتا ہے۔ اندھا دھند اس نے اس پہ Believe نہیں کر لیا۔یہ اس کے اوپر جو ایمان لایا ہے۔۔اب یہ Term آ گئی ہمارے ہاں۔۔اس کی دلیل ہے اس کے پاس۔قرآنِ کریم یہ جو دو قسم کے Faith ہیں دو قسم کے یقین ہیں' ان میں فرق کرتا ہے۔۔ایک Faith کو آپ انگریزی میں کہیے Irrational Faith اور دوسرا Faith ہے جسے آپ Rational Faith کہیں گے۔قرآن جس ایمان کا تقاضا کرتا ہے وہ Rational Faith کا تقاضا کرتا ہے۔ Irrational Faith قدم قدم پہ آپ کو ملتا ہے۔۔مرض کے لیے تعویذ' ماتا نکلی ہے راوی کا پانی لینے چلے گئے' بچے کو ٹائیفائیڈ ہوا تو انہوں نے گلاس لیا پانی اور مسجد کے دروازے پہ کھڑے ہو گئے ''نمازیاں دیاں پھوکاں مروان ڈئے ہوئے نے اوہدے اچ' جنے پرسوں مرنا اے کل ای مرے''۔گنڈا تعویذ' تاگا حضرت صاحب کے پاس جا کے ان کی دعا ان کی نظرِ کرم' قبروں پہ پہنچنے کے بعد مرادیں مانگ لینے کے بعد۔۔یہ ساری چیزیں بڑے پختہ یقین کے ساتھ یہ لوگ کرتے ہیں۔لیکن ان کے پاس کیوں کا جواب نہیں ہوتا یہ دلیل اور برہان پہ مبنی نہیں ہے۔دیکھیے قرآن کس قسم کے Faith کا تقاضا کرتا ہے۔وہی آیت جو بیسیوں دفعہ آ گئی بیسیوں دفعہ آئے گی۔بڑی بنیادی چیز ہے عزیزانِ من! میں کہتا ہوں مذہب کی دنیا میں مذہب کی سٹیج پہ کھڑے ہو کے قرآن سائنس کی Language میں گفتگو کرتا ہے یہ اسی کی خصوصیت ہے۔مذہب کی دنیا میں Faith جو ہے ہمیشہ Irrational ہوتا ہے۔

عقل وبصیرت اور دلیل و براہین کے بغیر عیسائیت کے ہاں گناہوں کی معافی کے لیے خون بہا کے عقیدے کی وضاحت

عیسائیت کا یہ ایمان ہے کہ حضرت مسیحؑ نے آ کر جو صلیب پہ جان دی' وہ کفارہ ادا کر دیا تمام انسانوں کے گناہوں کا۔۔یقین ہے ۔۔اتنا بڑا یقین کہ ہر عیسائی کو مرتے وقت اسکا اقرار کرنا ہوتا ہے۔ پادری آ کے اقرار لیتا ہے اور اسے بڑا یقین ہوتا ہے اس پہ۔لیکن ان کے ہاں کے بڑے سے بڑے پڑھے لکھے فلاسفر سے بھی پوچھیے کہ صاحب یہ کیوں ہے' اس کیوں کا جواب نہیں ہوتا ان کے پاس یہ کسی دلیل پہ مبنی نہیں ہے۔جواب کیا ہوتا ہے۔۔ Grace of God خدا نے یہ انسانوں پہ رحم کیا ہے کہ اپنا اکلوتا بیٹا بھیجا اس نے اپنی جان دی۔اس کے خوں بہا میں تمام انسانوں کے جو گناہ تھے' وہ خدا نے بخش دیے۔

قرآن حکیم کے فرمان کے مطابق خون بہا کے تصور کی حقیقت اور پھر ایمان لانے کی بنیادی خصوصیت

آپ دیکھتے ہیں کہ شروع سے آخر تک ہر چیز بغیر دلیل کے' دلیل کے بغیر ہی نہیں دلیل سے الٹ' علم وبصیرت کی نفی۔لیکن یقین اتنا بڑا ہے کہ وہ مرنا نہیں چاہتا اس کو دہرائے بغیر۔ یہ Irrational Faith ہے قرآن اسے ایمان تسلیم ہی نہیں کرتا۔سورۃ فرقان میں آپ دیکھیے اس کی آخری آیات جو ہیں اس میں مومنوں کی خصوصیات گنائی ہیں کہ مومن کون ہوتے ہیں۔۔گنا تا چلا آتا ہے اور اس میں آخر میں یہ چیز درمیان میں ایک چیز کہتا ہے کہ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا (25:73) مومن اُسے کہتے ہیں کہ اور تو اور جب اس کے سامنے اس کے خدا کی آیات بھی پیش کی جاتی ہیں تو وہ انہیں بھی اندھا بہرا گونگا بن کے ان کے اوپر نہیں ٹک پڑتا۔عزیزانِ من! کبھی سوچیے اس چیز کو جو کہا جاتا ہے کہ الدین اپنی شکل میں قرآن ہی کے اندر ہے' کہیں باہر نہیں ہے۔تمام مذاہبِ عالم کی کتابیں جنہیں اپنے ہاں وہ مزعومہ طور پر وحی کہتے ہیں' خدا کا پیغام کہتے ہیں۔۔موجود ہیں دنیا میں۔ لیجیے ایک ایک کتاب ان میں سے اور دیکھ لیجیے کسی کتاب میں بھی آپ کو ایمان کی یہ Definition ملے گی ہر جگہ ایمان آپ کو Irrational Faith کے معنوں میں ملے گا کہ یہ تمہیں یہ بات ماننی پڑے گی اور اس ماننے میں کیوں کا دخل نہیں ہے۔یہی ایک کتاب ہے کہ جس کے اندر یہ چیز ان الفاظ میں ہے کہ مومن وہ ہے کہ جو خدا کی آیات کے سامنے بھی آنکھیں بند کر کے نہیں جھکتا۔آپ دیکھتے ہیں کہ قرآن میں کس طرح سے ایمان کا تقاضا یہ کہ شاید کوئی صفحہ ایسا ہو قرآن کا جس میں ایمان کا تقاضا نہ ہو۔۔اور ایمان اور ایمان میں فرق وہ یہ کرتا ہے کہ جہاں ایمان کا تقاضا ہے' Rational Faith کا تقاضا ہے' Irrational Faith کو وہ Faith ہی تسلیم نہیں کرتا۔وہ کیوں اسے Faith تسلیم نہیں کرتا۔ Faith کے معنی پھر اب یقین لے لیجیے ایمان کے معنی یقین لے لیجیے۔

ایمان یقین کے بغیر مکمل ہی نہیں ہو سکتا جبکہ یقین محکم دلیل و براہین کا متقاضی ہوتا ہے

میں نے کہا ہے بنیادی طور پہ اس کے معنی یہی ہیں۔وہ اسے Irrational Faith کو کیوں نہیں یقین تسلیم کرتا۔۔اس لیے کہ

اگلی چیز وہ انسان اور حیوان میں فرق یہ بتاتا ہے کہ انسان کو صاحبِ شعور پیدا کیا گیا ہے Reason دیا ہے اسے۔ وہ جو پرانی بات تھی نا کہ Man is a Rational Animal وہ بڑی صحیح بات ہے۔ یہ Reason دلیل و برہان علم و بصیرت کی بناء پہ فرق کرنا یہ انسان کی سطح کا خاصا ہے' Animal میں یہ بات نہیں ہے۔ تو گویا دوسرا خاصا جو ہوا انسانی سطح کا وہ عقل و فکر ہوئی۔ Faith اور یقین ضروری چیز ہے لیکن میں نے عرض کیا تھا کہ وہ یقین وہ جو Irrational ہو جو مبنی نہ ہو دلائل و براہین اور عقل و فکر پہ وہ اسے Faith نہیں مانتا۔۔ کیوں نہیں مانتا۔ بظاہر دیکھنے سے یہ لوگ جو اس طرح سے مرادیں مانگتے ہیں' تعویذ اور گنڈے کراتے ہیں' قبروں پہ جاتے ہیں' حضرت صاحب سے پھونکیں مرواتے ہیں' انہیں بڑا ہی یقین ہوتا ہے اس میں۔ لیکن قرآن اسے یقین نہیں مانتا۔۔ کیوں نہیں مانتا۔ وہ کہتا ہے کہ یہ وہ یقین ہے کہ جس میں تم انسانی سطح پہ آ کے یقین نہیں لا رہے۔ انسانی سطح کے اوپر تو دلیل اور برہان اور علم اور بصیرت جو ہے وہ بھی ضروری ہے۔ اگر یہ ساتھ نہیں آتا تو تم حیوانی سطح پہ زندگی بسر کر رہے ہو۔ انسانی سطح نہیں ہے یہ۔ دوسری شرط یہ آ گئی کہ عقل و فکر کی بنیادوں کے اوپر Faith ہونا چاہیے۔ کیا بات ہے قرآن کی۔

قرآن حکیم کے نزدیک دلیل و براہین کی اہمیت اور توہم پرستی کی وجوہات

عزیزانِ من!!! یعنی جتنی خصوصیات ایسی ہیں جو حیوان سے متمیز کرتی ہیں انسان کو۔۔ وہ لازمی شرط قرار دیتا ہے ان خصوصیات کے برقرار رکھنے کی اس مقصد کے لیے کہ تمہیں وہ یقین اور ایمان حاصل ہو کہ جو یقین بھی پختہ ہو۔ اور پختگی اور یقین کے متعلق اب وہ بات آ گئی کہ جتنے لوگ Irrational Faith رکھے ہوئے ہیں یقین تو بہت محکم نظر آتا ہے تمہیں' لیکن جس وقت بھی تم ان سے کیوں پوچھو گے اور وہ عقل و فکر کی بنیاد کے اوپر کسی وقت اپنے یقین کو پرکھیں گے تو وہ یقین ختم ہو جائے گا۔ جو یقین علم و بصیرت اور عقل و فکر کا حریف نہیں ہو سکتا' اس کا چیلنج Stand نہیں کر سکتا' اس معیار پر پورا نہیں اتر سکتا' اس کے سامنے وہ یقین ٹھہر نہیں سکتا۔۔ قرآن کہتا ہے وہ یقین یقین نہیں ہے اسے توہم پرستی کہتے ہیں۔ اس لیے اس نے یہ کہا کہ مومن وہ ہے کہ اس کے سامنے جب خدا کی آیات بھی لائی جائیں گی تو وہ یہ نہیں ہوگا کہ عقل و فکر کو ایک طرف رکھ کے گونگا اور بہرہ اور اندھا بن کے اس کو تسلیم کر لے۔

حیوانی سطح زندگی کے برعکس انسانی سطح زندگی کی قدر و قیمت

یہ انسان جو یہ روش اختیار کرتے ہیں اسے اس نے کفر سے تعبیر کیا ہے۔ اور ایمان وہ ہے۔۔ اب تین چیزیں ہمارے سامنے آ گئیں ۔۔ صرف طبعی زندگی کے تقاضے نہیں' اقدار جنہیں کہا جاتا ہے' Values جنہیں کہا جاتا ہے۔ ان Values کو تسلیم کرنا انسانی سطح زندگی کا تقاضا۔۔ یہ اگر نہیں ہے تو حیوان اور انسان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ایک چیز۔ ان Values کے نتیجہ خیز ہونے میں یقینِ کامل۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس وقت مجھے بھوک لگی ہے یا مجھے ضرورت ہے روپے کی۔ اس کا حاصل کرنا اپنے طبعی تقاضے کا پورا کرنا' حیوانی سطح زندگی کا تقاضا تھا۔ ہمیں یقین ہے کہ پانی پینے سے پیاس بجھے گی' کھانا کھانے سے بھوک مٹے گی۔ لیکن اقدار کی دنیا میں آپ آئیں گے تو جہاں یہ بات آئے گی کہ نہیں صاحب جائز طریقے جو حاصل کیا جائے گا۔۔ یہ جو فرق ہے جائز اور ناجائز کا اس کے متعلق بھی تو کچھ

یقین ہونا چاہیے کہ جائز سے یہ چیز ہوگی' ناجائز سے یہ چیز ہوگی۔ طبعی زندگی کے اوپر تو کچھ فرق نہیں پڑتا۔۔ کھانا آپ چرا کے کھائیں' کھانا آپ محنت کی کمائی کا کھائیں' جسم پہ تو دونوں ایک طرح کے لگتے ہیں جا کے۔ جب یہ ڈاکٹر کہتا ہے کہ اس میں اتنے وٹامنز ہوتے ہیں جن کی تمہیں ضرورت ہے تو وہ کبھی یہ نہیں کہتا کہ یہ چیز اگر تم اپنی کمائی سے کھاؤ گے تو اتنے وٹامنز ہوگے اور اگر چرا کے کھاؤ گے تو اس میں وٹامنز نہیں رہیں گے۔۔ وہ تو بدستور رہتے ہیں۔ وہ کیا چیز ہے جس سے فرق پڑتا ہے جا کے پھر۔ یہ دیانت اور یہ امانت اور یہ آبرو کا تصور۔۔ طبعی زندگی کے تقاضوں کو تو کچھ فرق نہیں پڑتا کہیں اوپر جا کے فرق پڑتا ہے نا۔ یہ جو ہے ان میں فرق پڑتا ہے یہ یقین جو ہے' یہ ہے جسے ایمان کہتے ہیں۔ پھر یہ یقین اندھا دھند نہیں وہ ایسا یقین کہ علم و بصیرت کی ہر کسوٹی پہ پورا اترے' عقل و فکر کے ہر چیلنج کو قائم کر سکے۔ اگر یہ نہیں کرتا تو پھر وہ ایمان' ایمان نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ وہ ملمع ہے کہ جب 'تاؤ دیا جائے گا ہو جائے گا منہ فق'

تیسری جماعت چاندی کی انگوٹھی پہ سونے کا چڑھاؤ

یاد ہوگی آپ کو تیسری جماعت کی یہ نظم۔ کیا دور تھا وہ صاحب' شروع میں ہی اس قسم کی کتابیں پڑھانا شروع کر دیتے تھے کہ 'چاندی کی انگوٹھی پہ جو سونے کا چڑھاڈھال' وہ اترا کے بڑا بول بولنے لگا اور اس سے چاندی کی انگوٹھی نے کہا کہ اس طرح سے اتراؤ نہیں اس کے اوپر۔۔ یہ ملمع ہے جو تمہارے اوپر چڑھا ہوا ہے 'جب تاؤ دیا جائے گا' ہو جائے گا منہ فق'۔ آگ کے سامنے ذرا سا جاؤ گے تو اس وقت یہ ملمع اتر جائے گا منافقت کا' نیچے سے اصلیت پیتل کی نکل آئے گی اور میں اس وقت تو تمہارے سامنے چاندی کی نظر آتی ہوں کم قیمت' لاکھ بار بھی کٹھالی میں ڈالو' باہر نکالو گے تو چاندی کی چاندی نظر آؤں گی۔ یہ ہوتی تھی ایک نظم۔ اس Faith کو وہ Faith کیوں نہیں مانتا جو Irrational ہے۔۔ اس لیے کہ وہ کہتا ہے کہ جب بھی تم انسان کی سطح کے اوپر آؤ گے تو وہاں تو تقاضا دلیل و برہان اور علم و بصیرت کا ہوگا اور جب تمہارا Faith اس کے سامنے آ جائے گا' تو یہ ملمع اتر جائے گا' نیچے سے کفر کا کفر نکل آئے گا۔ وہ کہتا ہے یہ ایمان کیا ہوا۔ اسی لیے کہیں اس نے یہ چیز کہی ہے۔۔ اب آئے ہم اس آیت پہ جہاں سے آج کے درس کا آغاز ہوتا ہے عزیزانِ من! یہ بنیادی تمہید نہایت ضروری تھی۔ کہا کہ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنۡدَ اللّٰهِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ (8:55) دوآب یہاں کہا ہے۔۔ جینے والوں میں چلنے والوں میں۔ زندگی جہاں بھی ہوتی ہے اس کے لیے دآبہ کا ہی لفظ ہوتا ہے انسان سمیت۔ عام ترجمہ تو اس کا بدترین مخلوق کر دیا جاتا ہے۔۔ شَرَّ الدَّوَآبِّ خیر کے مقابلے میں۔ شر وہ چیز ہوتی ہے جو Dinintigrate ہو جاتی ہے یہ شر اور شرارے اسی لیے یہ چیز کہتے ہیں اس کو۔۔ اڑتی ہوئی چنگاریاں جو ہوتی ہیں۔

انسانی ذات کا استحکام ہی اصل جوہرِ حیات ہے

بات اور کہیں نکل جائے گی اور بڑی دور چلی جائے گی۔ انسانی Personality جو ہے انسانی ذات جو ہے اس کے Integration جسے آپ کہتے ہیں یہ ہے وہ چیز جو اصل مقصود ہے زندگی کا۔۔ انسانی ذات کا استحکام۔ اور اگر وہ Disintigrate ہو جاتی ہے تو وہ پھر انسانی ذات رہتی نہیں ہے۔ بہرحال کہا یہ ہے کہ شَرَّ الدَّوَآبِّ (8:55)۔

لفظ کفروا اور شرا الدوآب کا لغوی اور قرآنی مفہوم اور ہمارے ہاں کے تراجم

میں نے کہا ہے کہ یہ موضوع الگ ہے' کسی دوسرے وقت میں سامنے آئے گا۔ شَرَّ الدَّوَآبِّ کہہ لیجیے بدترین مخلوق ایسی مخلوق کہ انسانی میزان میں جس کا کوئی وزن نہیں ہے' وہ وہ ہیں کَفَرُوْا۔ اب عام ترجموں میں عام تصور کے اعتبار سے تو یہ ہو گیا نا کہ دیکھیے صاحب یہ قرآن شریف اور اللہ میاں ان کا جو ہے' کافروں کو گالیاں دیتا ہے صاحب' کہیں بدترین مخلوق کہتا ہے اور کہیں کہتا ہے لعنت ہے ان کے اوپر اور لعنتیں بھیجتا ہے۔ اور گالیاں دینے والے اسی سے سند حاصل کیا کرتے ہیں کہ دیکھو تو سہی کہ قرآن میں بھی تو ہے۔ کہا اس نے کیا ہے یہ۔۔ یہ کفروا کیا ہے۔ ہمارے آپ کے ذہن میں تو اس سے مراد ہندو ہوتا ہے نا یا ہر غیر مسلم ہوتا ہے جسے ہم کافر کہتے ہیں۔ اپنے متعلق تو ہم نے کبھی نہیں سوچا کہ یہ کہیں ہمیں ہی تو نہیں کہہ رہا۔ سوچئے تو سہی عزیزانِ من! قرآن کی رو سے انسان کا کسی گھر میں پیدا ہو جانا کفر اور ایمان میں امتیاز نہیں پیدا کرتا۔ ہر بچہ یکساں طور پہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ نہ کافر ہوتا ہے نہ مومن ہوتا ہے۔ کفر اور ایمان دونوں ایسی چیزیں ہیں جنہیں بعد میں جا کے انسان کو خود اختیار کرنا پڑتا ہے۔ کفر کو بھی اختیار کرنا پڑتا ہے۔ وہ جو ہے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یہ وہاں Verb میں استعمال ہوا ہے اور قرآنِ کریم میں جہاں بھی آپ دیکھیں گے یہ فعل کے معنی میں ہے کچھ کرنا پڑتا ہے۔ جیسے ایمان بھی کچھ کرنا پڑتا ہے جسے ایمان لانا کہتے ہیں آپ۔

حیوانی سطح زندگی میں انسانی صلاحیتیں پامال ہو جاتی ہیں

یعنی یہ دو قسم کے تصور ہیں زندگی کے۔۔ ایک تصورِ زندگی یہ ہے کہ زندگی کے تقاضے حیوانی سطح کے تقاضے ہیں' ایک تصورِ زندگی یہ ہے کہ نہیں اس سے اونچے اقدار بھی ہیں ان کے اوپر یقین رکھنا کہ جیسے کھانا نہ کھانے سے موت ہوتی ہے' ناجائز کا کھانا کھانے سے بھی موت ہوتی ہے' حرام کھانے سے بھی موت ہوتی ہے۔ اسی قسم کا اگر یقین اس کے اوپر ہے اور یقین ہے علیٰ وجہ البصیرت' دلیل و برہان کی رو سے یہ یقین حاصل کیا ہوا ہے علم و بصیرت کی بنیاد پہ آپ اس کو Explain کر سکیں اسے ایمان کہا جائے گا۔ اسی لیے اس نے یہ کہا ہے کہ ان انسانوں میں جو ان اقدار کو تسلیم نہیں کرتا اور زندگی کی سطح صرف حیوانی سطح قرار دیتا ہے وہ وہ ہے کہ جس کے اندر انسانی زندگی کی صلاحیتیں مجتمع نہیں ہو سکتیں۔ کہہ لیجیے کہ بدترین مخلوق ہے۔ کَفَرُوْا فَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ یہ دیکھیے پھر وہی چیز یہاں Verb آیا ہے۔ وہ اس سطح پہ اس قسم کا اقدار میں یقین حاصل نہیں کرتے۔ یہاں تو قرآن نے صرف یہ چیز کہی ہے۔

انسانی زندگی کی اقدار پر یقین رکھنا شرطِ اوّلین

میں نے عرض کیا ہے کہ ان دو چیزوں کو سامنے رکھیے۔۔ اقدار پہ یقین رکھنا پہلی چیز ہے انسان کو حیوان سے متمیز کرنے والی۔ جس انسان کو Values پہ یقین نہیں ہے وہ اس کی شکل الگ ہو جائے' وہ حیوان ہے۔ حیوان میں سے بھی تو ہر ایک شکل ایک جیسی نہیں ہوتی' اونٹ میں اور گدھے میں اور بکری میں اور کتے میں کتنا فرق ہوتا ہے۔ اس کی جو فارم ہے نا اس میں فرق ہوتا ہے۔ اس کی ایک فارم یہ بھی ہے جنہیں ہم انسان کہہ رہے ہیں' حیوانوں کی فارم ہے نا یہ بھی۔ تو پہلی تو اس نے یہ کہی ہے کہ اگر Values اور اقدار پر ایمان نہیں ہے

تو یہ حیوانی زندگی ہے اور دوسری شرط یہ ہے کہ یہ یقین اور ایمان ہونا چاہیے علم و بصیرت کی بنیاد پر، دلیل و برہان کی بناء پر Rational Faith ہونا چاہیے اس کا۔ اگر یہ Faith اس قسم کا نہیں ہے تو پھر بھی یہ Faith نہیں ہے۔ اب اس آیت میں تو قرآن نے اتنا ہی کہا ہے شَرَّ الدَّوَآبِّ کہ جو ان Values پہ یقین نہیں رکھتے۔ دوسری جگہ اس نے کہا ہے اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنۡدَ اللّٰهِ وہی الفاظ ہیں اور یہی سورۃ ہے۔ اسی سے چند آیتیں پیچھے آپ دیکھیں گے وہی الفاظ ہیں شَـرَّ الدَّوَآبِّ (8:22) یہاں بھی ہے شَـرَّ الدَّوَآبِّ (8:55) وہاں کہا تھا کہ كَفَرُوۡا فَهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ (8:55) یہاں کہا ہے عِنۡدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الۡبُكۡمُ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡقِلُوۡنَ (8:22) وہ بہرے اور گونگے جو عقل و فکر سے کام نہیں لیتے۔ تو یہ کفر ہو گیا۔ میں نے گذارش کیا تھا کہ قرآنِ کریم کے سمجھنے کا طریقہ یہ ہے محاورۂ عرب اور تصریف آیات۔ پہلے تو ان الفاظ کو سمجھئے کہ نزول قرآن کے وقت عربی زبان میں ان الفاظ کے معنی کیا لیے جاتے تھے اور دوسری چیز یہ کہ ایک مقام پہ قرآن نے جو بات کہی ہے مختلف مقامات میں اس کا ذکر آیا ہوگا وہ مقامات سارے سامنے رکھیے ہر بات واضح ہو جاتی ہے۔ آپ شر الدوآب لینا چاہیں گے۔

زندگی کے معاملے میں قرآنی اقدار کو پیش نظر نہ رکھنا ہی حیوانی زندگی ہے

آپ دیکھیے یہاں قرآن نے کہا ہے کہ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وہاں کہا ہے عِنۡدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الۡبُكۡمُ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡقِلُوۡنَ تو دونوں چیزیں ایک ہو گئیں۔۔ کفر ہوا حیوانی سطح کے اوپر زندگی بسر کرنا حیوانی سطح کے اوپر زندگی کے معنی ہوئے کہ Values کا نہ ہونا صرف طبعی تقاضے اور عقل و فکر سے کام نہ لینا۔ دیکھیے قرآن یہ کہتا ہے۔ اور مومن کی Definition ہمارے سامنے (25:72) میں آ گئی تھی کہ وہ کہ جو خدا کی آیات کو بھی گونگے بہرے بن کے تسلیم نہیں کرتے۔ دیکھتے ہیں کس طرح کفر اور ایمان کی وضاحت ہوتی چلی جاتی ہے۔ شر الدوآب ایک جگہ کفر کو کہا ہے وہ جو کفر اختیار کرنے والے یعنی وہ لوگ الصُّمُّ الۡبُكۡمُ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡقِلُوۡنَ۔ اور یہی آگے چل کے معیار ہو گیا جہنم اور جنت کا۔

ہمارے ہاں مسلمان اور کافر کے لفظ کے استعمال کی نوعیت اور پھر الہام اور شفاعت کا تصور عیسائیوں کے نزدیک کفار یکا پایا جانے والا عقیدہ

ہم بھی تو یہی معیار رکھتے ہیں نا کہ جنت میں مومن جائیں گے کافر نہیں جائیں گے۔ اور پھر مومن کا لفظ تو اب استعمال ہی نہیں ہمارے ہاں ہوتا۔۔ مسلمان جائیں گے اور مسلمان ہوئے ہم، ہم جائیں گے، کافر نہیں جائیں گے اور کافر ہو گئے غیر مسلم۔ اس کے بعد پڑتی تھی ذرا مصیبت 'ہم جائیں گے' والی کہ صاحب ہمارے کام اعمال تو اس قسم کے ہیں یہ کیسے ہوگا۔ عیسائیوں نے اس کے متعلق جواب یہ دیا تھا نا کہ حضرتِ مسیحؑ نے کفارہ ادا کر دیا ان کے خون کے بدلے میں یہ سارے گناہ دھلیں گے اور سب جنت میں چلے جائیں گے۔۔ اس پہ ہم ہنستے تھے نا۔ یہی جب ہم پہ اعتراض ہوا کہ صاحب یہ ہم کیسے چلے جائیں گے ہم تو ان عیسائیوں سے بھی بدتر گناہ کرتے ہیں، جرم کرتے ہیں، یہ کیسے ہوگا۔ کفارے پہ ہم ہنسے۔ ہم نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی شفاعت ہمیں لے جائے گی۔ یعنی کفارے کا لفظ نہیں کہا،

شفاعت کا لفظ کہا تو خوش ہو گئے کہ صاحب ہم نے وہ جو تھا ان کو تو ہم نے ان کی دلیل کو باطل قرار دیدیا اور خود چلے گئے سارے اندر جنت میں۔ ٹھیک ہے اگر اس کے فیصلے ہمارے ہی دل سے ہونے ہیں تو کون کافر ہم میں سے چاہے گا کہ جہنم میں جائے۔ لیکن وہ فیصلے تو عزیزانِ من! ہمارے آپ کے کرنے کے نہیں ہیں وہ تو اس کے فیصلے ہیں جو جنت اور جہنم کا مالک ہے۔

جنگ اور جہنم کے متعلق قرآنِ حکیم کا فرمان

بات یہ آئی تھی کہ ایک دفعہ اس نے کہا ہے کہ شَرَّ الدَّوَآبِّ وہ ہے کہ جو ان بلند اقدار پر یقین نہیں رکھتے۔ دوسری جگہ کہا کہ شَرَّ الدَّوَآبِّ وہ ہیں کہ جو عقل و فکر سے کام نہیں لیتے۔ ادھر کہا کہ کفار کی زندگی وہ ہے کہ جو حیوانی سطح پہ زندگی بسر کرتے ہیں' انسانی سطح پہ نہیں آتے۔ اب آگے میں نے کہا تھا نا کہ جنت اور جہنم کی بات۔ وَ لَقَدۡ ذَرَاۡنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيۡرًا مِّنَ الۡجِنِّ وَ الۡاِنۡسِ (7:179) تم دیکھو گے یہ چلتے پھرنے والی مخلوق تمہاری مہذب آبادیوں میں بستے ہوں یا یہ جنگلوں میں صحراؤں میں بسنے والے۔ تم ان کو دیکھو گے ان کی روشِ زندگی ان کی ذہنیت زبانِ حال سے پکار پکار کے کہہ رہی ہوگی کہ یہ ہیں جہنم والے۔ یعنی وہ اس کا معیار وہاں جا کے نہیں دیتا کہ وہاں جا کے پتہ چلے گا جب وہ اعمال تلیں گے تو پھر معلوم ہوگا کہ کون اہلِ جنت ہے کون اہلِ جہنم ہے۔ یہاں وہ کہتا ہے کہ نظر آ جائیں گے۔ ہر شخص Insist ہوگا یہ معلوم کرنے کے لیے کہ صاحب آگے کیا کہتا ہے قرآن کہ یہ کون ہیں جو نظر آ جائیں گے کہ یہ جہنمی ہیں۔ لَهُمۡ قُلُوۡبٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ بِهَا (7:179) فطرت نے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو دل و دماغ دیا تھا سمجھنے کے لیے' یہ چیز رکھتے ہیں لیکن اس سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے۔ وَ لَهُمۡ اَعۡيُنٌ لَّا يُبۡصِرُوۡنَ بِهَا (7:179) آنکھیں دی تھیں ان کو قدرت نے۔۔ ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے۔ بات سامنے آتی ہے تو کہے بغیر آگے نہیں جانا پڑتا۔

قرآن حکیم میں لفظ نظر اور بصر کے استعمال کا انداز اور بصر کی اہمیت

آپ کو یاد ہے قرآنِ کریم نے اور پھر میں کہونگا بنیادی طور پہ عربی زبان نے دو لفظ استعمال کیے تھے: نظر اور بصر۔ ہمارے ہاں تو ایک ہی ترجمہ اس کا ہے: دیکھنا۔ بصارت کے معنی ہی بینائی ہوتا ہے نا۔ قرآن نے اس کو وہاں استعمال کیا تھا' کہا تھا رسول اللہ ﷺ سے کہ یہ منافق تیری محفل میں آتے ہیں هُمۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَيۡكَ وَ هُمۡ لَا يُبۡصِرُوۡنَ (7:198) یہ دیکھتے تو ہیں۔۔ میں نے اس درس میں بھی کہا تھا کہ مجھے اس کے بعد دوسرا لفظ نہیں ملتا اردو میں کہ میں بتاؤں کہ قرآن کیا کہہ گیا ہے۔ وہ یہ نظر اور بصر کے معنوں میں جو فرق ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے کہا کہ دیکھتے تو ہیں لیکن۔ یہاں قرآن نے آپ دیکھیے گا وَ لَهُمۡ اَعۡيُنٌ لَّا يُبۡصِرُوۡنَ بِهَا نہیں کہا۔ عزیزانِ من! قرآن ہے۔ یہ جو طبعی طور پہ دیکھنا ہے وہ تو ہر آنکھ کھلی ہوئی دیکھتی ہے اور انسان ہی نہیں دیکھتا' ہر حیوان بھی دیکھتا ہے۔ تو اگر نظر ہی کی بات ہو تو دونوں میں فرق کیا ہے۔ وہ نظر نہیں کہتا' بصر کہتا ہے۔ اسی لیے اُس نے خدا کو بصیر کہا ہوا ہے۔ کسی حیوان کو اس نے بصیر نہیں کہا۔ یہاں کہا ہے کہ آنکھیں رکھتے ہیں لیکن بصیر نہیں ہیں' بصارت نہیں ہے' بصیرت نہیں ہے۔ دو لفظ ہمارے ہاں آ گئے ہوئے ہیں۔ وَ لَهُمۡ اٰذَانٌ لَّا يَسۡمَعُوۡنَ بِهَا (7:179) کان رکھتے ہیں ان سے سننے کا کام نہیں لیتے۔ حالانکہ کان تو جہاں بھی ہے' کسی

حیوان میں بھی ہوانسان میں بھی' وہ بات تو آ جاتی ہے نا۔ اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ (7:179) کہا کہ یہ حیوان ہیں۔ لیکن آپ نے دیکھا کہ طبعی طور کے اوپر آنکھوں میں اور کان میں ان چیزوں میں تو فرق نہیں تھا حیوان اور انسان میں۔ کہا کہ اس اعتبار سے تو یہ حیوان ہیں کہ ان سے وہ کام نہیں لیتے کہ جو انسان کی سطح پہ لینا چاہیے تھا۔ کالانعام کہنے کے بعد کہا بَلْ هُمْ اَضَلُّ (7:179) ان سے گئے گذرے ہیں۔ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (7:179) اس لیے کہ یہ زندگی کے مقصد اقدار سے بے خبر ہیں۔ اب ہمارے سامنے بات صاف ہوگئی کہ کفر کیا ہے اور ایمان کیا ہے۔۔ کفر ہے حیوانی سطح پہ زندگی بسر کرنا' حیوانی ہی تقاضوں کو پورا کرنے کا نام مقصدِ حیات قرار دے لینا' ایمان ہے اس سے اوپر انسانی سطح کے اوپر اقدار یا Values کو بھی تسلیم کرنا Values پہ یقین رکھنا۔ یقین وہ جو مبنی ہو علم و بصیرت اور دلائل و برہان پہ۔ اگر ان میں سے ایک کڑی بھی نہیں ہے تو وہ کفر ہے' جہنم کی زندگی ہے۔ یعنی صرف طبعی زندگی کے اوپر ایمان ہے' اس کے تقاضوں پہ ایمان ہے۔ اقدار پہ ایمان نہیں ہے تو کفر ہے' جہنم ہے۔ اقدار کے اوپر ایمان تو ہے لیکن ایمان کا مدار دلائل و براہین اور علم و بصیرت پہ نہیں ہے تو پھر بھی کفر ہے۔ ایمان کے معنی ہوئے انسانی زندگی جس میں اقدارِ خداوندی پر علم و بصیرت کی بنیاد پر یقین ہو۔ لیجیے بات صاف ہوگئی۔ یہ کہا ہے عزیزانِ من! یہاں قرآن نے۔ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (8:55) یہ ہیں بدترین مخلوق۔۔ اقدار پہ ایمان نہیں رکھتے' علم و بصیرت کی رو سے ان اقدار کو نہیں مانتے اگر ماننے کا' تسلیم کرنے کا اعتراف بھی کرتے ہیں تو۔ اور یہ وہ ہیں کہ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ اور یہی ہے وہ نفسیاتی تغیر جس کا ذکر پہلے کی آیت میں تھا کہ خدا کسی قوم کو دی ہوئی نعمت چھینتا نہیں' اس میں تغیر نہیں کرتا' ان کے احوال میں تبدیلی نہیں کرتا تآنکہ وہ قوم اپنے اندر نفسیاتی تبدیلی نہ پیدا کرے۔ اور یہ ہے نفسیاتی تبدیلی کہ جان صدقہ آبرو کے اوپر بھی ایمان ہے یا نہیں ہے آبرو کی حفاظت کے لیے جان دیتا ہے یا نہیں۔ اور پھر یہ یقین علیٰ وجہ البصیرت ہونا چاہیے۔ اسے ایمان کہا جائے گا عزیزانِ من!۔ ذکر آ رہا تھا میں نے عرض کیا ہے جنگِ بدر کے دوران یہ باتیں آ رہی ہیں۔

کسی کے ساتھ کیے گئے معاہدہ کی یا وعدہ کی پاس داری کی قدر و منزلت

آپ دیکھتے ہیں قرآن بات تو جنگ کی کر رہا ہے اور اس کے اندر کیا کیا کہتا چلا جا رہا ہے۔ اب آئی قدر کی ایک مثال۔۔ جنگ میں دو قومیں ہیں' آپس میں لڑتی ہیں' قوت کا قوت سے ٹکراؤ ہوتا ہے' تصادم ہوتا ہے۔ دو مینڈھے بھی آپس میں لڑتے ہیں' دو بیل بھی آپس میں لڑتے ہیں' دو کتے بھی لڑتے ہیں۔۔ اس کے بعد صرف یہی ہوتا ہے کہ جو ان میں سے تھک جاتا ہے' کمزور ہوتا ہے وہ بھاگ جاتا ہے۔ وہ آپس میں کبھی معاہدہ نہیں کرتے۔ معاہدہ Value میں شامل ہے' کوئی حیوان آپس میں معاہدہ نہیں کرتا' کوئی حیوان Promise نہیں کر سکتا دوسرے حیوان سے۔ آپ نے غور فرمایا' اقدار کسے کہتے ہیں۔ کبھی تصور میں بھی آپ کے آتا ہے کہ فلاں حیوان نے اپنے دوسرے ساتھی سے یہ وعدہ کیا تھا یا اگر وہ گروپ ہو جسے آپ قوم کہتے ہیں کہ اس نے اس کے ساتھ کوئی معاہدہ کیا تھا۔ یہ انسانی سطح زندگی کی خصوصیت ہوئی نا۔۔ اسے Value کہتے ہیں۔ وعدہ کیا اور اس کے بعد آپ وعدے سے پھر گئے تو وہاں آ گئے ناجہاں وعدہ نہ کرنے والے ہوتے ہیں۔ آ گئی حیوانی سطحِ زندگی۔ اور جونہی آپ انسانی سطح زندگی سے نیچے گرے' کفر ہو گیا۔ یہ پھر کیوں گئے۔ یہ وہ چیز

ہے کہ جہاں ایمان میں اور ایمان کی ملمع سازی میں فرق ہوتا ہے۔ اس سے کافر اچھا ہوتا ہے وہ کھلے بندوں کہتا ہے کہ میں مانتا ہی نہیں ان چیزوں کو۔ آپ کو معلوم تو ہو گیا نا۔ جو قوم بھی سامنے سے آپ کے آئے اور معاہدے کے متعلق وہ کہے کہ میں معاہدہ کچھ نہیں جانتا۔ تو آپ کو خود سوچنا پڑے گا کہ ایسے شخص سے واسطہ پڑ گیا ہے' ایسی قوم سے واسطہ پڑ گیا ہے' اس نے اعلانیہ کہہ دیا ہے۔ یہ کفرِ خالص ہے۔ لیکن ایک وہ ہیں کہ جو دن رات کہتے رہتے ہیں کہ ہاں صاحب ہمارا ان چیزوں پہ ایمان ہے۔ آپ ان پہ بھروسہ کر لیتے ہیں اور اس کے بعد جا کے وہ وہیں ہوتے ہیں جہاں وعدہ نہ کرنے والی قوم ہوتی ہے۔ اسے وعدہ توڑ دینا آپ کہتے ہیں۔ یہ زیادہ خطرناک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جس طرح سے کوئی حیوان اتنا خطرناک نہیں ہوتا۔ شیر سب سے زیادہ مہلک اور تباہی مچانے والا آپ کے سامنے ہوتا ہے لیکن اس سے آپ دھوکا نہیں کھاتے' وہ ہمیشہ شیر کے رنگ میں آپ کے سامنے آتا ہے اسے منافقت آتی نہیں۔ اگر شیر میں یہ کہیں چیز ہو جائے کہ وہ بکری کے پیکر میں آپ کے سامنے آئے' کان سے پکڑ کے آپ لے آئیں گھر میں' اور یہاں آ کے وہ غرائے تو سوچئے پھر کیا ہو۔ اس میں اس کی صلاحیت ہی نہیں ہے' وہ منافق ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ تو یہی حضرتِ انسان ہے جس کی کیفیت یہ ہے۔ اور اسی لیے اس سے انسان زیادہ تباہی میں آتا ہے۔ ہر انسان کی شکل انسان جیسی۔ لیکن کیفیت یہ۔۔ انسان سمجھ یہ لیتا ہے کہ یہ اقدار والا جانور ہے' اس لیے اس پہ بھروسہ کر لیتا ہے۔ اور تھوڑے سے وقت کے بعد جا کے پتہ چلتا ہے کہ نہیں صاحب یہ جو بکری سمجھ کے خرید لائے تھے' یہ تو بھیڑیا تھا۔ جب وہ وعدے سے پھر جاتا ہے نا وہ چلا جاتا ہے اُسی سطح کے اوپر۔ لیکن قرآن نے جو کہا تھا کہ یہ انسان بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ ہوتے ہیں' آپ نے دیکھا یہ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ کیسے ہو گئے۔ وہ شیر اور وہ کتے اور بھیڑیے وہ وعدہ کرنا جانتے ہی نہیں ہیں۔ آپ ان سے دھوکا ہی نہیں کھا سکتے۔ یہ وعدہ کرنے کا یقین دلاتا ہے آپ کو اور اس کے بعد اس سے پھر جاتا ہے۔۔ یہ بدترین ہو گیا اس سے بھی۔ کبھی آپ سانپ کے متعلق یہ نہیں کہتے کہ کوئی بات نہیں اس نے وعدہ کیا ہوا ہے کہ میں ڈسوں گا نہیں تم کو۔ آپ کہتے ہیں کہ نہیں سوال ہی نہیں ہے کہ سانپ ہو اور وہ ڈسے نہیں' یقین ہے آپ کو۔ آپ اپنی احتیاط کرتے ہیں' تدبیر کرتے ہیں۔ یہ جو مارِ آستین آپ کے ہاں پھرتے ہیں' مار آپ ان سے کھاتے ہیں۔ اس لیے انہیں **بل هم اضل** کہا قرآن نے۔ بات چلی آ رہی تھی میدانِ جنگ کی۔ آپ دیکھتے ہیں درمیان میں کیا کیا چیزیں نہیں سمجھا گیا قرآن۔۔ انسان اور حیوان میں فرق' حیوان سے پست تر درجے کے اوپر انسان جو ہیں ان میں دونوں میں تمیز۔ **شر الدو آب** ان کو کہا ہے ساری مخلوق میں سے بدتر۔ جنگ کی بات ہو رہی ہے وہیں کی ایک قدر ہے جسے ابھی میں نے کہا حیوان معاہدہ اور وعدہ نہیں کرتا' وہ جانتا ہی نہیں ہے۔ یہ قدر ہے۔۔ یہ کرتے ہیں۔ لیکن کیفیت اَلَّذِيۡنَ عٰهَدۡتَّ مِنۡهُمۡ ثُمَّ يَنۡقُضُوۡنَ عَهۡدَهُمۡ فِىۡ كُلِّ مَرَّةٍ وَّ هُمۡ لَا يَتَّقُوۡنَ (8:56) عزیزانِ من! غور کیجیے یوں پڑھنے کو تو ہم پڑھتے چلے جائیں گے' آیتیں پڑھتے چلے جائیں گے۔ نظر آئے گا کہ جنگِ بدر کا قصہ تھا درمیان میں کچھ اور اس قسم کی وعظ نصیحت کی باتیں بھی' جیسے کہتے ہیں آ گئیں۔ پھر وہی بات آ گئی کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ معاہدہ کرتے ہیں لیکن اس کے بعد پھر یہ ہر بار اُسے توڑ دیتے ہیں۔ تو وہ وہی چیز ہوئی۔

پاکستان ریڈیو پر ایک بہت بڑے علامہ صاحب کی طرف سے قرآنِ حکیم پر ایک تفسیری بیان

آپ کو معلوم نہیں یاد نہیں رہا۔ بڑے ایک ہمارے علامہ صاحب' مفسر صاحب ہیں ریڈیو پہ تقریر کیا کرتے تھے۔ بڑے فخر سے یہ کہہ رہے تھے یہ ثابت کر رہے تھے کہ یہ قرآن' یہ نامکمل بھی ہے' مجمل بھی ہے اور آگے بات یہ تھی کہ اس میں ربط کوئی نہیں ہے۔ اور وہ اس ربط نہ ہونے کا فلسفہ بیان فرما رہے تھے ریڈیو پہ ساری دنیا سن رہی تھی آپ کے قرآن کے متعلق۔ فرما رہے تھے وہ کہ دستر خوان پہ ساتھ آپ کے بچہ بھی بیٹھا ہوتا ہے نا آپ کے ساتھ کھانا کھا رہا ہوتا ہے تو اس میں آپ اسے سمجھا رہے ہوتے ہیں۔ بات یہ کہہ رہے تھے کہ قرآن میں دیکھیے نا کہیں وعظ و نصیحت آ رہی ہے کہیں آدم قصہ آ گیا پھر آگے ذرا چلے تو جانوروں کی بات آ گئی پھر آگے چلے تو عاد و ثمود کی بات آ گئی۔ وہ کہہ رہے تھے کہ اصل میں وہ یہ بات ہے کہ کھانا کھانے کے لیے بچہ سامنے بیٹھا ہے نا آپ اس کو وعظ و نصیحت بھی کیے چلے جا رہے ہیں اتنے میں وہ شوربہ والا ہاتھ جو ہے وہ دستر خوان سے یوں پونچھتا ہے تو آپ درمیان میں اُسے کہتے ہیں کہ نہیں بیٹا دیکھیے نا یہ شوربے والا ہاتھ دستر خوان سے نہیں پونچھا کرتے اور پھر اُسے کہتے ہیں کہ ہاں بھئی میں تم سے کہہ رہا تھا نا کہ سچ بولنے میں یہ کچھ ہوتا ہے۔ تو کہنے لگے ''قرآن ایس قسم دا ہیگا اے' روٹی کھان بیٹھا ہو یا ہیگا اے اللہ میاں ساڈے نال'' اندازہ لگایے عزیزانِ من! ریڈیو پہ فلسفے بیان ہوتے ہیں ان چیزوں کے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح سے یہ الحمد سے والناس تک مربوط کتاب ہے۔

بیاں میں نقطۂ توحید آ تو سکتا ہے
تیرے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے

کیا قرآن حکیم میں ربط نہیں یہ مجمل ہے' نامکمل ہے' اس میں تضاد بھی ہے؟

ربط تو تیرے دماغ کے اندر نہیں' تیری زندگی کے اندر' جو اس میں تمہیں ربط نہیں نظر آتا۔ بے ربطی' مجمل ہونا' مبہم ہونا' نامکمل ہونا بدترین صفات ہیں کسی شخص کی کتاب کی عزیزانِ من!۔ تضاد ہونا بھی اس میں کہا جاتا ہے پھر تضاد کو مٹانے کے لیے کہا جاتا ہے' یہ ناسخ و منسوخ ہیں۔ ان میں سے کسی' اول تو ان کو توفیق ہی نصیب نہیں ہوتی' اگر ہوتی بھی ہے کتاب تو ان میں یہ سب کچھ ہوتا ہے جو یہ بتا رہے ہوتے ہیں۔ بدترین عذاب ہے انسان کے لیے کسی مذہب والے آدمی کی کتاب پڑھنا۔ یہ ہم سے پوچھو۔ پڑھنی پڑتی تھی کہ ان کے متعلق معلومات بہم پہنچانی پڑتی تھیں۔ ان کی کسی کتاب کو اٹھا کے پڑھ جایئے پھر دیکھیے کیا کیفیت نظر آتی ہے اس میں۔ بہرحال۔ بات ہو رہی تھی معاہدے کی۔۔ کس سطح پہ لاتا ہے قرآن اس چیز کو کہ اس کا تعلق جو ہے عہد کی ایفائی کا' یہ اقدار میں تعلق اس کا رکھتا ہے۔ حیوان کی زندگی یہ نہیں ہے۔ بدترینِ مخلوق قرار دیا ہے کہ جو ان اقدار پہ ایمان نہیں رکھتا۔ ایمان رکھتے نہیں' علیٰ وجہ البصیرت نہیں رکھتے اسی لیے یہ ایمان ان کا ایمان نہیں ہوتا۔ عقل و بصیرت کی بنیاد پہ جو چیز مانی جاتی ہے عزیزانِ من! وہ تو ٹوٹتی نہیں ہے کبھی۔ کہا ان کی کیفیت یہ ہے کہ کیونکہ عام روش ہے کہ پھر آپس بھی معاہدے قومیں کرتی ہیں' کر لیتے ہیں۔ بحیثیت ایک قدر کے اس پہ ایمان نہیں' ایمان علیٰ وجہ البصیرت نہیں۔ نتیجہ یہ کہ جہاں دیکھا ذرا مصلحت کا تقاضا ہے' پھر گئے۔ کہا شَرَّ الدَّوَآبِّ یہ ہوتے ہیں۔ کسی حیوان سے تمہارا واسطہ پڑتا

تو اس طرح دھوکا تو نہ کھاتے کہ وہ تو معاہدہ کرتا ہی نہ تم سے تو پھر پھرتا کیسے۔ انہیں انسان سمجھ کے تم نے معاہدہ کیا' معاہدہ کرتے ہیں ہر بار پھر جاتے ہیں۔ وَّ هُمْ لَا يَتَّقُوْنَ (8:56) یہ دیکھیے تقویٰ کے معنی کیا آ جاتے ہیں۔ آپ کے ہاں بھی متقی پرہیزگار کے معنی کچھ ذہن میں آپ کے ہوتے ہیں نا۔ یہاں آیا وَّ هُمْ لَا يَتَّقُوْنَ نگہداشت نہیں کرتے خدا کے قانون کی۔ اس کے معنی ہوتا ہے نگہداشت کرنا' قانون کی خلاف ورزی سے بچنا۔ معاہدے کی پابندی اقدار میں سے ہے۔

قرآنی اقدار سے لاتعلقی کا نتیجہ اور پھر اس کا اعلاج

ان کی کیفیت یہ ہے کہ یہ انسان بن کے دھوکہ دے کے' اس پیکر میں انسانی لباس میں آ کے' معاہدہ کر لیتے ہیں اور اس کے بعد ہر بار معاہدے کو توڑ دیتے ہیں۔ بدترین زندگی ہوگئی' حیوانات سے بھی نیچے گری ہوئی زندگی ہوگئی۔ لہٰذا فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ (8:57) تو یہ جو ہیں پھر ان کا تو علاج یہی ہے کہ جب بھی میدانِ جنگ میں ان کے اوپر قابو پا لیا جائے تو پھر ایسی کیفیت پیدا کی جائے کہ ان کی وہ ہمت ٹوٹ جائے' زور ٹوٹ جائے ان کا۔ یعنی ان میں پھر مقابل میں آنے کی' وعدہ خلافی کرنے کے بعد نقصان پہنچانے کی ان کے اندر قوت نہ رہے۔ اس قسم کی شکست دو ان کو۔ اور کہا یہی نہیں کہ انہیں ہی بلکہ ان کے پیچھے جو بیٹھے ہوئے ہیں نا ان کے دل میں اس کا رعب طاری ہو جائے کہ نہ بھئی ان لوگوں کے ساتھ جنگ نہیں کرنی اور اگر جنگ کرنی ہے' معاہدہ کرنا ہے تو اسکے اوپر پورا اترنا ہے۔ کہا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اگر یہ انسانیت سے شرافت سے یہ چیزیں نہیں کرتے تو یہ تو ساری دنیا کو دھوکہ دیتے پھریں گے۔ ساری دنیا انہیں انسان سمجھ کر انسانی سطح پہ ان سے معاملہ کرے گی اور یہ بعد میں بھیڑیے ثابت ہو جائیں گے۔ لہٰذا انسانیت کو امن میں رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس قسم کے لوگوں کی قوت کو اتنا توڑ دیا جائے کہ یہ اور وہ جوان کے پیچھے ابھی بیٹھے ہیں' ان کی سمجھ میں یہ بات آ جائے کہ نہ بھئی اس قوم کے ساتھ وعدہ خلافی نہیں کرنی۔ اول تو ٹکراؤ ہی نہیں پیدا کرنا اور اگر ٹکراؤ پیدا کر کے کوئی معاہدہ کیا ہے تو ان سے معاہدہ نہیں توڑنا۔ اور عزیزانِ من! یا تو دنیا کی قومیں انسانیت کی سطح کے اوپر آئی ہوئی ہوں تو پھر تو ضرورت نہیں پڑتی اس قوت کی۔ اور وہ اگر اس سطح پہ نہیں ہیں تو جس طرح سے آپ کو ہر بھیڑیے سے بچنے کے لیے قوت کی ضرورت ہوتی ہے۔۔ ان لوگوں سے جو بھیڑیے کے اوپر ہیں' منافق بنتے ہیں' دھوکہ دیتے ہیں آپ کو۔۔ آپ کے لیے اتنی قوت کا ہونا نہایت ضروری ہے کہ جس سے ڈر کر یہ لوگ نہ سامنے آنے کی قوت رکھیں اور اگر وعدہ یا معاہدہ کبھی کر لیا ہے تو اس کو توڑنے کی ہمت اپنے اندر نہ پائیں۔ پھر معاہدے پورے ہوا کرتے ہیں۔

انسانی اقدار سے لاتعلقی کے علاوہ دنیا بھر کی قوموں کے ہاں آج مذہب صرف چند ایک رسومات کا نام ہے

عزیزانِ من!۔ آج کی دنیا میں انسانیت کی سطح کا تو سوال ہی نہیں ہے۔ اقدار کا دور تو ختم ہو گیا ہوا ہے۔ دوسری قومیں کہ جن کے ہاں اقدار یہ داخل ہی نہیں مذہب کے اندر ان کے ہاں تو مذہب چند اعتقادات اور چند رسوم کا نام ہے نا۔ خود مسلمانوں کی قوموں کو لے

لیجیے جن کے دین کا تقاضا تھا یہ' ایمان کہتے اس چیز کو تھے۔۔اقدار کے اوپر یقین رکھنے کو۔ہم میں سے کتنے ہیں اقوام کے لحاظ سے یا افراد کے لحاظ سے کہ جن کا ان اقدار کے اوپر اتنا محکم یقین ہے کہ جان چلی جائے تو چلی جائے' آبرو نہ جانے پائے۔ٹکے ٹکے پہ آبرو بک رہی ہے عزیزانِ من!۔تو ان قوموں کے اوپر یہ بھروسہ کرنا کہ ان سے Treaty ایک ہوگئی ہے Agreement ہوگیا ہے اس لیے ہمیں اب اطمینان سے بیٹھ جانا چاہیے۔۔خود فریبی ہے' فریب دہی ہے۔انسانی سطح کے اوپر کوئی قوم بھی دنیا کی نظر نہیں آتی۔ہم نہیں ہیں جن کے دین کا یہ تقاضا تھا تو باقیوں کے متعلق یہ توقع ہم کیسے کر سکتے ہیں۔کہا کہ ان کی کیفیت یہ ہے۔ادھر آیئے جن کا ایمان ہے اقدار کے اوپر ان کے مقابلے میں ان کا ذکر آ رہا ہے۔

باہمی طور پر کئے جانے والے معاہدہ کے متعلق قرآن حکیم کی واضح اور دوٹوک ہدایات

وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ (8:58) کیا بات ہے!!! کہا کہ معاہدہ اگر کوئی قوم کر لے اور تمہیں محسوس ہو کہ اب وہ خیانت پہ اتر آئی ہے' وہ معاہدے پہ پوری نہیں رہے گی۔آثار تمہیں ایسے نظر آ جائیں۔اگلی بات قرآن سے نہ پوچھی جائے کسی سیاستدان سے پوچھی جائے تو وہ یہ کہے گا کہ قبل اس کے کہ وہ معاہدہ توڑ دیں حملہ کر دو ان کے اوپر۔قرآن کہتا ہے اس طرح سے تو تم اور وہ پھر ایک ہی سطح کے اوپر آ گئے۔یہ بات نہیں۔جب تمہیں اس کا احساس ہو کہ یہ قوم ایسا کچھ کرنے والی ہے تو پہلے ان کو اعلان کر دو کہ بھئی وہ معاہدہ پھر باقی نہیں رہ سکے گا۔تاکہ تم اور وہ اس کے بعد پھر ایک سطح پہ آ جاؤ جیسے معاہدہ کرنے سے پہلے تھے۔اور اس کے ایک معنی یہ بھی ہیں اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ کہ اگر قبل از وقت معاہدے کو توڑ دینے سے' توڑنا نہیں قرآن نے کہا' ان کو لوٹا دو۔عَلٰى سَوَآءٍ کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ اگر اس میں ان کا کوئی نقصان ہوتا ہے قبل از وقت اس طرح سے لوٹا دینے میں تو اس میں مساوات کا پہلو رکھو' نقصان پورا کر دو ان کا۔لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ تم خیانت کرو ان کے ساتھ اور بغیر بتائے ہوئے ان کے معاہدے کو توڑ کے ان کی خلاف ورزی کرو۔تمہیں محسوس بھی ہو جائے کہ وہ خیانت کرنے والے ہیں اس کے بعد بھی تم خیانت نہ کرو کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ (8:58) خیانت بہر کیف بری ہے خدا کی نظر میں۔یہ Justification نہیں ہے کہ صاحب وہ قوم نظر آتا تھا معاہدہ توڑ دے گی۔توڑا تو نہیں تھا ابھی انہوں نے' اندازہ تھا۔ٹھیک ہے انہیں اعلان کر کے بھیج دو کہ بھئی اس معاہدے میں یہ کچھ نظر آ رہا ہے' اس لیے وہ معاہدہ نہیں رہ سکتا۔پہلے تو معاہدے کے اندر اس قسم کی شرطیں رکھو کہ یوں ختم کیا جا سکتا ہے۔ اور عَلٰى سَوَآءٍ ہونا چاہیے پھر' دونوں ایک سطح کے اوپر ہو جاؤ۔وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ (8:59) یہ بات یقیناً ان لوگوں کو بتا دو کہ یہ اپنے ذہن میں یہ خیال بھی نہ کریں۔تمہارا وعدوں کے اوپر پورا رہنا' معاہدوں کی اس طرح حفاظت کرنا' یہ جو طرزِ عمل یا رواداری تم اختیار کرو گے۔۔ہو سکتا ہے ان کے ذہن میں آئے کہ یہ کمزور ہو گئے ہیں کچھ اس لیے گر کر یہ چیز کہہ رہے ہیں۔کہتا ہے یہ لوگ احساس نہیں کریں گے کہ یہ بلند سطح زندگی کے اوپر ہیں' شرافت کا تقاضا ہے۔جیسا ہمارے ہاں ہوتا ہے محلے میں ایک شریف آدمی جھکتا ہے تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ صاحب کمزور ہے نا اس واسطے' عصمتِ بی بی از بیچارگی' جسے کہا کرتے ہیں۔آج شرافت کے معنی

ہی کمزوری سمجھا جاتا ہے۔ یہیں بات کہی کہ تم تو شرافت کی بناء پہ یہ چیز ان سے کرو گے اور یہ ذہن میں یہ نہ سمجھ لیں کہ تم کمزور ہو گئے ہو۔ ان سے کہدو کہ یہ کبھی ذہن میں یہ تصور تک بھی نہ لائیں کہ یہ تم سے آگے بڑھ جائیں گے۔ یہ کبھی تمہیں مغلوب نہ کر سکیں گے یہ بھی ان کو بتا دو۔ بتا دو کیسے۔۔ کہنے کو تو ہر قوم یہ کرے گی کہے گی دوسری قوموں سے کہ ہم میں یہ طاقت ہے کہ ہم مقابلہ کریں گے۔ آپ دیکھتے ہیں روز یہ بات آتی ہے بظاہر نظر آتا ہے کہ ان کے مقابلے میں کل ہی شکست بھی کھائی ہے۔ اپنے ہاں ابھی یہ صورت بھی نہیں ہے لیکن اعلان پہ اعلان یہ ہوتا چلا جا رہا ہے کہ یہ نہ ذہن میں سمجھنا کہ ہم مقابلے پہ نہیں آئیں گے۔ دیکھو اب کے آ کے یہ کچھ۔ ہر قوم یہ کہتی ہے۔ قرآن نے بھی اگر یہی کہدیا کہ ان سے کہدو کہ یہ تصور بھی نہ کریں کہ ہم کمزور ہو گئے ہیں تم آگے نکل جاؤ گے۔ کہا اتنی بات سے نہیں یہ بات سمجھ میں آ سکے گی اور نہ اتنی بات کافی ہے۔

دوسروں پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے اپنی سرحدوں پر گھوڑے کس کر باندو

عزیزانِ من! سوچئے یہ قرآن کس سطح پہ ہے۔ کہتا ہے وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ (8:60) اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی سرحدوں کے اوپر اس قسم کے رسالے اور توپ خانے اور فوجیں جمع کر کے رکھدو کہ پتہ چل جائے ان کو۔ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ (8:60) ان کے دلوں کے اندر دہشت ہو جائے' خوف پیدا ہو جائے ان لوگوں کے دلوں میں کہ جو قومی سطح کے اوپر تمہارے دشمن ہیں' اس سے بلند سطح کے اوپر خدا کے دین کے دشمن ہیں۔۔ ان کے دلوں میں تمہارا رعب طاری ہو جائے۔ یہ کیا طریقہ ہے۔ پہلے کہا تھا نا کہ ان کے دل میں یہ کہیں احساس نہ پیدا ہو جائے کہ تم کمزور ہو گئے ہو۔ ان سے کہدو کہ ہم کمزور نہیں ہیں۔ کہدو سے ہی بات نہیں چلتی۔ آپ دیکھ رہے ہیں قرآن۔ اس کا عملی طریقہ یہ ہے سرحدوں کو یعنی وہ ہے ناعلاقہ جہاں سب سے پہلے دشمن دیکھے گا کہ ان کی قوت کتنی ہے۔ کہا وہاں جتنی قوت تم میں ہے' سرحدوں کو مضبوط کر دو۔ اس سے وہ سمجھ سکیں گے کہ واقعی ہم ان سے آگے نہیں جا سکتے' ہم ان پہ غالب نہیں آ سکتے۔ کہا یہ ہے طریقہ ان کے ذہن کے اندر یہ ڈالنے کا کہ تم کمزور نہیں ہو۔ اس سے ان کے دل کے اندر خوف تمہارا طاری ہو جائے گا۔

سقوطِ ڈھاکہ ہمارے لیے ایک بہت بڑا تازیانہ تھا جس کی ترجمانی پارلیمنٹ میں اندرا گاندھی کی تقریر تھی

یہ جو تمہارے دشمن ہیں تمہارے دین کے دشمن ہیں۔ یہ بات اس سے پہلے سمجھ میں نہیں آتی تھی عزیزانِ من! تمہارے دشمن تمہارے دین کے دشمن۔ جس دن ڈھاکے کا سقوط ہوا ہے انڈیا میں جشن منایا گیا تھا انڈیا کی وزیر اعظم اندرا گاندھی کو مبارکباد کے پیغامات سارے ملک سے ملے تھے' ملنے چاہئیں تھے۔ اس کے لیے ایک جشن منایا گیا تھا پارلیمان میں۔۔ اس میں اندرا گاندھی نے یہ تقریر کی تھی کہ ٹھیک ہے یہ جشن مسرت ہے جشن فتح ہے لیکن یہ فتح نہ تو ہندوستان کی پاکستان کے اوپر ہے' نہ ہماری فوجوں کی ان کی فوجوں کے اوپر ہے' نہ ہماری طاقت کی ان کی طاقت کے اوپر ہے۔۔ یہ فتح ہے ہمارے صحیح نظریۂ زندگی کی ان کے باطل نظریۂ زندگی کے اوپر۔ اس نے کہا تھا کہ ہم تقسیم سے پہلے برسوں تک ان سے یہ کہتے رہے کہ تمہارا نظریۂ زندگی غلط ہے۔ مذہب کی بنیاد کے اوپر ایک قوم نہیں

بن سکتی' دین کی بنیادوں کے اوپر اب مملکتیں نہیں قائم ہوسکتیں۔ ہم ان سے برسوں تک یہ کہتے رہے۔ اس نے کہا یہ سر پھرے تھے ان کی بات سمجھ میں نہ آئی۔ پچیس سال کے بعد میدانِ جنگ نے بتادیا کہ ہم سچ کہتے تھے' یہ جھوٹے ہیں۔ نظریۂ زندگی کے متعلق اس نے کہا تھا۔ یہ ہے عزیزانِ من! جسے قرآن نے کہا ہے عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ (8:60) تو۔

اکھنڈ بھارت کے پروگرام کا اصل مقصد قرآنی نظام حیات کی مخالفت تھی اور ہے

ٹھیک ہے وہ ہماری اس مملکت کو دیکھ نہیں سکتے' قومی مصلحت کی بناء پہ بھی ان کا تقاضا یہی ہے 'اکھنڈ بھارت'۔ لیکن اصل چیز عَدُوَّ اللّٰهِ (8:60) ہے وہ اس نظامِ زندگی کو نہیں دیکھ سکتے۔ یہ ہے جو قرآن کہہ گیا ہے کہ یہ ہیں وہ لوگ۔۔ تمہارے بھی دشمن اس دین کے دشمن جو تمہارے خدا نے دیا ہوا ہے۔ لہٰذا ان کے ساتھ مصالحت کا کیا سوال ہے۔ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ (8:60) یہی نہیں جو سامنے ہیں اور بھی بہت سے جن کا تمہیں علم نہیں ہے ابھی' خدا جانتا ہے' ان کے دلوں میں بھی تمہارا رعب طاری ہوجائے گا' دہشت بیٹھ جائے گی۔ سرحدوں کو اتنا مضبوط کرو۔ مذہب کی سٹیج سے باتیں کر رہا ہے۔ میں نے کہا ہے نا کہ مذہب کا تو لفظ ہی قرآن میں نہیں ہے۔ یہ مذہب ہے ہی نہیں' یہ تو دین ہے۔ مذہب میں آپ کی اپنی سرحدیں کہاں' آپ کی اپنی مملکت ہی نہیں ہوتی۔ کوئی مملکت ہو کوئی حکومت ہو وہ تو ہمیں انگریز کی مملکت کے اندر بھی کہتے تھے کہ اس کے اندر تم ان کی وفاداری میں تم محکومیت میں زندگی بسر کرتے چلے جاؤ' بڑے سچے اور صحیح مسلمان رہو گے۔ یہ عدو اللہ جو ہے یہ اس کے مذہب میں نہیں ہوتا کیونکہ جسے تم مذہب کہہ کے پکارتے ہو اس کی حفاظت کی تو وہ ضمانت دیدیتا ہے۔ انگریز نے بھی ضمانت دی ہوئی تھی' ہندو بھی ضمانت دیتا ہے پھر عدو اللہ کیسے ہوئے یہ۔

ہندو یا انگریز دین کی مخالفت مذہب کی حفاظت کی آڑ میں کرتا تھا

کونسی چیز ہے جس کی وہ ضمانت نہیں دیتے تھے۔ کانگریس نے' ہندو نے' اسی اندرا گاندھی کے باپ نے یہ ضمانت دی تھی کہ مسلمان یہاں رہیں ہم مذہبی آزادی کی پوری ضمانت دیتے ہیں۔ اور یہ کیا چیز تھی جو اندرا نے کہا کہ ان کا باطل نظریۂ زندگی تھا جس کے اوپر آج ہم نے کامیابی حاصل کی۔ یہ دین تھا۔ مذہب کی آزادی تو آج بھی ان کی Constitution میں لکھا ہوا ہے کہ وہاں کے مسلمانوں کو مذہب کی آزادی ہوگی۔ اگر اسی کا نام دین ہے تو یہ تو پھر کوئی قوم بھی دنیا کی اس کی مخالفت نہیں کرتی۔ عدو اللہ کونسی قوم ہوگی' مذہبی آزادی تو ساری قومیں دیتی ہیں۔ مذہب اللہ کا دیا ہوا ہوتا ہی نہیں ہے۔ دین ہوتا ہے خدا کا دیا ہوا۔

قرآنی حکومت یا اسلامی مملکت کی سرحدوں کی حفاظت دین کے نظام کی حفاظت کرنا ہے

دین اپنی مملکت چاہتا ہے' اپنی مملکت کی سرحدیں چاہتا ہے' ان سرحدوں کے اوپر اتنی قوت سے ان سرحدوں کے اوپر جتنی بھی آپ کے ہاں کی فوجیں ہیں' جس جس انداز سے اپنے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق سامانِ حفاظت ہوتا ہے' وہاں ان سرحدوں کو مضبوط کرنا' دین کا تقاضا ہے۔ اس نے کہا ہے عدو اللہ۔ یہ خدا کے دین کی حفاظت ہے اپنی بھی حفاظت ہے اور وہ کہ جنہیں تم ابھی جانتے نہیں ہو اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ (8:60) خدا جانتا ہے۔ یہ بات تو ہوگئی۔ اب قوم مطمئن ہوجائے گی کہ ٹھیک ہے صاحب ہماری فوجیں جتنی بھی ہیں'

وہ سرحدوں کے اوپر چلی گئیں۔ انہوں نے مورچے تھام لیے انہوں نے حفاظت کا سامان کرلیا۔ اب اس کے بعد ہمارے لیے راوی عیش لکھتا ہے۔ ہم جو کچھ جی میں آئے کریں۔ اس نے کہا کہ سوال یہ نہیں ہے۔ ساری قوم کا سوال ہے۔ ساری قوم تو سرحدوں پہ نہیں جاسکتی یہ باقی قوم جو ہے اس کے لیے کیا ہے۔ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یُوَفَّ اِلَیْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ (8:60) یہ باقی قوم جو ہے بڑا خرچ آئے گا اس کے اوپر ملک کا آدھے سے زیادہ بجٹ ہے جو ڈیفنس کے اوپر خرچ ہوتا ہے۔

فوج کے علاوہ باقی قوم کا فریضہ اور فی سبیل اللہ کے حکم کی وضاحت

یہ باقی قوم یہ نہ سمجھ لے کہ صاحب یہ اُن کا کام ہے وہ کرتے رہیں۔ ان کا کام یہ ہے کہ ان کے لیے اور اس ملک کی حفاظت کے لیے جس قدر دولت کی ضرورت پڑتی ہے تُنْفِقُوْا کھلا رکھیں یہ باقی قوم اپنی دولت کو۔ اور اس کا نام ہوا فی سبیل اللہ۔ آپ نے سمجھا فی سبیل اللہ خرچ کے کیا معنی ہیں۔ مذہب میں خیرات کے معنی ہوتے ہیں فی سبیل اللہ ''آ سبیل لگی ہوئی تسی دیکھدے ہو آ ہن محرم آندا پیا اے تہانوں نظر آ جائے گا ناسبیل''۔ آپ دیکھتے ہیں فی سبیل اللہ کہاں کہا ہے یہ دولت کا کھلا رکھنا۔ یہ خرچ معنی اس کے نہیں ہوتے ہیں کھلا رکھنا ہوتا ہے۔ خرچ تو وہ ہوتا ہے کہ اپنے ہاں وہ سارا محفوظ رکھا جائے اس میں سے کچھ چار پیسے دیدئے جائیں۔ فی سبیل اللہ خیرات حکومت کے ٹیکس وہاں دولت کھلی نہیں رہتی۔ قرآن کی عجیب یہ اصطلاح ہے انفاق کہتے ہی ہیں اس تھیلی کو کہ جس کے دونوں منہ کھلے ہوئے ہوں۔ ذاتی املاک یا دولت پہ ذاتی اگر آپ مالک ہیں تو اس میں تھیلی کا ایک منہ کھلا ہوتا ہے ''اوتوں پون والا تھلوں دا بند ہوندا اے اوہدے وچوں کڈ کے تسی کوئی روپیہ کسے نوں دیندے او''۔

قرآن حکیم کا پورا معاشی نظام فی سبیل اللہ انفاق متاع اور زکوٰۃ کے اِن چار لفظوں پر محیط ہے اور اسی کا نام دین اسلام ہے

یہ معاشی نظام ہی نہیں قرآن کا۔۔ وہ تو انفاق کہتا ہے دونوں منہ کھلے ہوئے ہوں۔ کہا زیادہ سے زیادہ کماؤ اور اس کو کھلا رکھو ادھر سے جہاں جہاں اس کی ضرورت ہے وہاں چلا جائے۔ چلنے دو اس کو بہتے ہوئے پانی کی طرح۔ یہ ہے فی سبیل اللہ۔ اوپر کہا ہے سرحدوں کی حفاظت کے لیے فوجیں اتنی وہاں کھڑی کرو اور باقی قوم سے کہا ہے کہ اپنی محنت کی کمائی کا دوسرا سرا کھلا رکھو اور اس کا نام ہے فی سبیل اللہ۔ اب پتہ چلا فی سبیل اللہ کیا معنی ہوتے ہیں۔ مملکت کے استحکام اور اس کی بقاء اور اس کی حفاظت کے لیے۔۔ لیکن مملکت بجائے خویش مقصد نہیں ہے مملکت دین کی حفاظت کے لیے ہو دین کے معنی ہیں اقدارِ انسانیت انسانی اقدار کی حفاظت کے لیے۔ اس مقصد کے لیے یہ قوم۔۔ ان میں سے جن کی ضرورت ہوگی وہ فوج میں ہونگے ان فوج کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے باقی قوم پوری محنت کرے گی اور محنت کی کمائی میں سے اپنی ضروریات کے مطابق لے کے باقی کھلا رکھے گی۔ یہ ہے وہ نظام۔ تو کہا ہے کہ یہ دینے والے جو ہیں یہ نہ سمجھ لیں کہ صاحب یہ تو ہم محنت کرتے ہوئے مر گئے اور وہ چلا گیا ہم سے۔ یہ قدرتی طور پر یہ خیال پیدا ہوتا ہے نا یہ جو؟؟ آپ کے ہاں بتا رہے ہیں تقدیس بتا رہے ہیں ذاتی دولت اور محنت کی مقدس ہے یہ۔۔

نظام سرمایہ داری کی بنیاد لینے پر ہے دینے پر نہیں

خالص نظامِ سرمایہ داری کا پیدا کردہ تصور ہے۔ یہ وہ چیز ہے نا کہ صاحب میری محنت کی کمائی جو ہے وہ میری ہے' کسی کو کیا حق ہے اس میں سے لے جائے۔ سوال یہ نہیں ہے۔ ٹھیک ہے ڈاکو کو حق نہیں پہنچتا کہ اس میں لے جائے۔ آپ نے دیکھا کہ ڈاکو اور اس میں فرق کیا ہے۔ یہ نظام جو ہے اس نظام کے لیے یہ سب کچھ دیدینا۔ کہا یہ کیوں ہے۔۔ اس لیے کہ یُوَفَّ اِلَیۡکُمۡ کہا یہ دے نہیں رہے' کہا ہے کہ یہ لوٹ کے تمہارے پاس آئے گا۔ اور دوسری جگہ ہے دس دس گنا بن کے آئے گا۔ یہ جو رات کو آپ چوکیدار رکھتے ہیں اور اسے تنخواہ دیتے ہیں تو آپ کے ذہن میں کیا یہ ہوتا ہے کہ صاحب یہ خوامخوہ کے لیے مفت میں ہی کھا جاتا ہے' کچھ کماتا تو ہے نہیں۔ یعنی کوئی ہماری کھیتی ویتی کرے' کچھ تھوڑا بہت اس میں سے کچھ پیدا ہو۔ اور یہ چوکیدار تو کچھ بھی نہیں کماتا اور لے جاتا ہے اتنا۔ آپ کو پتہ ہے کہ اس چوکیدار کی محنت کی ریٹرن کتنی آپ کو ملتی ہے۔ اس کو تو اگر آپ ساٹھ ستر سو روپیہ دیتے ہیں' آپ کا دس ہزار روپیہ محفوظ ہوتا ہے۔ تو کہا یہ جو دین کی اور مملکت کی حفاظت میں خرچ کر رہے ہو' یہ جو تمہارے ذہنوں میں بار بار خناس آتا ہے کہ فوجیوں کو دیکھو ہٹے کٹے مشٹنڈے جو ہیں ''وردیاں پایاں ہوئیاں لیفٹ رائٹ کردے پھردے نہ کوئی کم نہ کاج جناب' کھا جاندے نیں صاحب سارے ملک دا روپیہ' کموندے ہوئے اسی مر جانے ہیگے آں''۔ کہیں ایک جگہ جان دینی پڑے نا تمہیں تو پتہ چل جائے۔ مفت میں کھانے والے ہیں یہ اپنی جان دے کر تمہاری حفاظت کرنے والے ہیں۔

قرآن حکیم کے معاشی نظام کی مثال تو مصر کے بازار میں حضرت یوسفؑ کو فروخت کرنے اور زلیخا کے خریدنے کا معاملہ ہے

قرآن کہتا ہے یُوَفَّ اِلَیۡکُمۡ یہ جو اس صحیح نظام میں خرچ کرتے ہو وہ لوٹ کے تمہاری طرف آجاتا ہے' ضائع نہیں چلا جاتا یہ واپس آتا ہے۔ یہ سونا بھٹی میں ڈالا جاتا ہے تو کندن بن کے نکلے گا۔ بڑی انوسٹمنٹ ہے تمہاری یہ جو کچھ کرتے ہو۔ وَ اَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ (8:60) تم پہ کچھ زیادتی نہیں کی جارہی' کچھ کمی نہیں اس میں ہوگی' پورے کا پورا واپس آئے گا۔ ملک کی حفاظت کے سامان جو ہیں یہ فوجیں یا یہ' ان کو کمزور ہونے دیجیے پھر دیکھیے جو اندر تمہارے پاس رکھا ہوا ہے وہ کتنا رہ جاتا ہے اور وہ کتنا محفوظ رہ جاتا ہے۔ یہ تو اتنی بڑی انوسٹمنٹ ہے کہ وہاں سے آتی ہے اور پھر ہم تو قومی سطح پہ گفتگو کر رہے ہیں۔ اگر اسلام کا نظام اور دین کا نظام قائم ہو اور اس نظام کے استحکام کی خاطر آپ یہ سب کچھ دیتے ہوں' دیکھیے کتنا لوٹ کے آتا ہے تمہاری طرف۔ وہ تو اتنا لوٹ کے آتا ہے کہ وہی بات یاد آگئی کہ مصر کے بازار میں جب زلیخا نے یوسف کو خریدا تھا تو مولانا جامی وہاں یہ چیز کہتا ہے' کہ سہیلیوں نے پوچھا کتنے میں خریدا ہے' کچھ قیمت انہوں نے زیادہ ہی لی ہوگی بیچنے والوں نے۔ تو اس نے کہا ہے کہ کیا پوچھ رہی ہو کتنے میں خرید کیا ہے' دراہم چند دادم جاں خریدم' چند سکے میں نے دیے چاندی اور سونے کے اور میں نے جان خرید لی' قال اللہ وارزاں خریدم' خدا کی قسم بڑا ہی سستا سودا کیا ہے۔ دین کی حفاظت کے اندر یہ کچھ دیدینا عزیزانِ من! دولت ہے۔ جان دینے والا جو دین کی حفاظت میں ہے' وہ جان دیتا ہوا بھی ہنستا ہے' کہتا ہے

کہ 'واللہ چہ ارزاں خریدم' اللہ کی قسم بڑا سستا سودا میں نے یہ مارا ہے۔ لیکن کیا بتائیں عزیزانِ من! باتیں ہی باقی رہ گئی ہیں۔ رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالیؓ نہ رہی۔ دین کا تصور ہی نہیں رہا۔ وقت ہو گیا عزیزانِ من! آج ہم سورۃ الانفال کی آیت 60 تک آ گئے 61 سے اگلی دفعہ ہم لیں گے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (2:127)

❀.....❀.....❀

آٹھواں باب: **سورة الانفال** (آیات 61 تا اختتام)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیزانِ من!

آج فروری 1973ء کی 4 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ الانفال کی آیت 61 سے ہو رہا ہے۔ (8:61)

تذکرہ چلا آ رہا ہے جنگِ بدر کا اور اسی جنگ کے سلسلے میں عام ہدایات دی جا رہی ہیں جہاد و قتال کے متعلق۔ وہ جنگ تو تاریخ کے ایک خاص مقام خاص زمانے میں ہوئی لیکن قرآنِ کریم تو تاریخ کی کتاب نہیں کہ وقائع نویسی اس کا مقصد ہو۔ وہ تو کسی ایک واقعہ کو لیتا ہے اور اس کے سلسلے میں ابدی ہدایات دیتا ہے جو ہمیشہ کے لیے رہنمائی کا کام دیتی ہیں۔

وحی کا مقصود یہ ہے کہ نوعِ انسانی باہمی جنگ و جدل کی بجائے انسانیت کی سطح پر علم و حکمت کے اس مقام تک پہنچ جائے کہ جنگ از خود ہتھیار رکھ دے

جنگ کے متعلق قرآنِ کریم نے یہ کہا ہے کہ یہ سلسلہ اس وقت تک کے لیے ہے جب انسان یعنی پوری نوعِ انسانی یا کم از کم اس کی اکثریت Rational Level پہ نہیں آ جاتی۔ وہ معاملات کے فیصلے باہمی تنازعات کے تصفیے ٹکراؤ اور تصادمات سے نہیں جذبات کی رو سے نہیں بلکہ عقل و بصیرت کی رو سے کرنے کے قابل ہو جائے۔ یعنی اس کے اندر وہ جو خوئے حیوانی ہے درندگی کی سطح جس پہ یہ عام طور پہ ابھی تک چلا آ رہا ہے اس سے اوپر ابھر کر تو یہ Reason کی سطح پہ آ جائے علم و بصیرت کی سطح پہ آ جائے۔ یہاں جب آئے گا تو قرآن نے خود کہا ہے کہ جنگ صرف اس وقت تک جاری رہے گی جب تک کہ جنگ خود اپنے ہتھیار نہ رکھ دے۔ یہ دو لفظ بڑے جامع ہیں قرآنِ کریم کے۔ عام جنگوں کے اندر تو ایک فریق ہی ہتھیار رکھتا ہے وہ شکست مانتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فریقِ غالب کے دل میں اپنی قوت کا زعم اور زیادہ ابھر آتا ہے۔ لیکن وہ منتہا قرآن یہ بتاتا ہے کہ جنگ خود اپنے ہتھیار رکھ دے۔ اور جب تک یہ صورت نہیں پیدا ہوتی تو دنیا میں وہ قومیں رہیں گی کہ جو قوت حاصل کر کے کمزور و ناتواں قوموں کے اوپر اپنا غلبہ اور استیلا قائم رکھنے کی کوشش کریں گی ظلم اور سلب و نہب ان کا معمول ہوگا۔

قرآن حکیم کی روشنی میں اُمت مسلمہ کا فریضہ ظلم کا خاتمہ ہے جس کے لیے قتال کی اجازت ہے

ان کی روک تھام کے لیے ضروری ہے ایک ایسی قوم کا وجود کہ جس کا مقصد دنیا میں قوت کا استیلا اور سلب و نہب نہ ہو بلکہ وہ ظالم کے ظلم کو روکے اور مظلوم کی حفاظت میں اٹھے۔ یہ ہے وہ جماعت وہ امت کہ جسے امتِ مسلمہ کہا گیا تھا۔ مؤمنین کا یہ فریضہ تھا۔ اور یہ جو جہاد ہے یا یہ جو قتال ہے یہ جو جنگ ہے اس مقصد کے لیے۔ یہ کوئی وقتی چیز نہیں ہے جب تک دنیا میں ظالم کا وجود ہے اس قسم کی امت کا وجود بھی ناگزیر ہے۔ اور اس امت کے لیے ایسے مقام پہ کہ جہاں فریقِ مخالف کسی Reason سے ماننے کے لیے تیار نہ ہو اور وہ اپنے ظلم اور استبداد اور قوت کے نشے میں بڑھتا چلا جائے اور اس کے ہاتھوں کمزور اور ناتواں کی زندگی اجیرن ہو جائے۔ اس جماعت کا کام ہے کہ یہ اٹھ کے ظالم کے بڑھتے ہوئے ہاتھ کو روکے۔ یہ ہے وہ قتال کہ جس کے لیے قرآن نے یہ فریضہ قرار دیا۔ یہ جیسا میں نے عرض کیا ہے ہمیشہ تک رہے گا جب تک دنیا کے اندر یہ ذہنیت انسانوں کی رہے گی کہ وہ قوت کے زور پہ معاملات کے فیصلے کرنے چاہیں۔ ایک

قوم ایسی ہونی ضروری ہے ایسی قوم کا رہنا ضروری ہے کہ جو ایسے وقت میں ظالم کے ظلم کی روک کرے اور مظلوم کی حمایت کرے۔ یہ تھا مقصد اس امت کی بعثت کا اور انہیں جنگ کی ہدایات دینے کا۔

آج کرہ ارض پر کوئی قوم بھی اپنے اوپر کیے گئے ظلم کا تدارک نہیں کر سکتی

آج دنیا کے اندر جو کچھ ہو رہا ہے کوئی کمزور اور کوئی ضعیف اپنے آپ کو محفوظ ہی نہیں پاتا۔ تو وہ اس لیے ہے کہ دنیا میں وہ قوم باقی نہیں رہی وہ جماعت نہیں رہی' وہ امت نہیں رہی کہ جس کا فریضہ یہ تھا کہ وہ ظالم کے ظلم کو روکے اور مظلوم کی حفاظت کرے۔ وہ امت جو اپنا نام ایسا رکھاتی ہے' اپنے آپ کو وارث قرار دے رہی ہے ان ہدایات کا ان اقدار کا۔ وہ دنیا میں سب سے زیادہ مظلوم ہے۔ اور وہ اپنی مدد کے لیے ساری دنیا کی طرف آنکھیں لگا کے تکتی رہتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب دنیا میں یہ صورت پیدا ہو جائے تو پھر تو ظالم کو روکنے والا کوئی باقی نہیں رہ سکتا۔

قرآنی معاشرے کی بنیاد پر امت مسلمہ کا وجود ناگزیر ہے تاکہ ملت اسلامیہ ہر قسم کی سیاسی اور مذہبی فرقہ بندی سے آزاد ہو

بہرحال یہ ہے وہ نقشہ عالمِ انسانیت میں انسانی معاشرے کا جو قرآن قائم کرتا ہے۔ اس امت کا وجود ناگزیر ہے۔ آج یہ نام کی ہے۔ جب بھی اس نے قرآن کی راہنمائی میں اپنی زندگی کو از سرِ نو متشکل کیا تو اس کا وجود وہ ہوگا کہ دنیا میں ہر ظالم کے ظلم کو روکنے کے لیے یہ سپر بن کے اٹھے گی۔ اور یہ جتنے احکام قرآن نے جنگ کے متعلق دیے ہیں ان کی راہنمائی میں وہ دنیا میں چلے گی۔ یاد رکھیے کہ یہ احکام قرآن کے' ان میں کوئی حکم بھی ایسا نہیں ہے کہ جو وقتی یا عارضی ہو اور کسی زمانے میں بھی وہ منسوخ سمجھا جائے۔ ان میں سے کوئی چیز بھی منسوخ ہونے والی نہیں ہے۔ یہ جہاد اور قتال کے متعلق جتنے احکام قرآن میں آئے ہیں' یہ بھی ابدی حقیقتیں ہیں' وقتی نہیں ہیں اور کسی کو حق حاصل نہیں اس کے متعلق کہ وہ یہ کہے کہ کسی زمانے کے لیے تو یہ تھیں' آج یہ منسوخ ہوگئی ہے۔ حالات کا تقاضا اگر نہ ہو تو احکام اس وقت کے لیے معطل ہوتے ہیں یعنی نافذ العمل نہیں ہوتے۔ جیسے اگر پانی نہ ملے تو تیمّم کا بھی تو حکم ہے قرآن میں۔ جب پانی مل جاتا ہے تو تیمّم کا حکم منسوخ نہیں ہو جاتا' وہ اس وقت نافذ العمل نہیں رہتا۔ تو یہی صورت ان احکام کی ہے یہ کسی وقت بھی منسوخ نہیں ہو سکتے۔

ہندوستان میں جہاد کے متعلق انگریز کی طرف سے کی جانے والی ایک گہری سازش

جیسا کہ میں نے ایک دفعہ بتایا تھا یہ تو ایک بہت بڑی سازش تھی یہاں ہندوستان کے اندر بالخصوص۔ انگریز کی آمد کے بعد جب اسے خطرہ پیدا ہوا کہ یہ ایک مسلمان کی قوم ہے کہ جو جہاد کے نام پہ اٹھ کھڑی ہونے والی ہے اور کفار کی حکومت کو یہ تسلیم نہیں کرے گی۔ ان کے ذہن میں یہ چیز تھی صلیبی جنگوں کے زمانے کی یاد کو تازہ کیے ہوئے۔ اس کی سازش سے یہاں اس نے یہ ایک چیز چلائی تھی کہ جہاد

کے احکام کو منسوخ قرار دیدیا جائے۔ وہ بہت بڑی سازش تھی اور واقعی اس قسم کی ایک غاصب فاتح قوم جو تھی اس کو ضرورت تھی کہ ہر حربے سے کام لیتا۔۔ انگریز نے اس حربے سے بھی کام لیا تھا۔ بہرحال یہاں تو خود ہی یہ کیفیت پیدا ہوگئی تھی کہ یہ امت جو تھی اس نے اپنا مقام کھو دیا ہوا تھا۔ لیکن میں پھر اسے یہ کہہ دوں کہ مقام یہی ہوگا اس امت کا۔۔ جب بھی وارثِ قرآن بنی اور قرآن پہ اس نے عمل کیا تو یہ ایک بڑی باقوت دنیا کے اندر امت اور قوم ہوگی۔ ہر قسم کے ظلم اور ہر قسم کے استبداد اور سلب و نہب کو روکنے کے لیے دنیا میں ایک قوم ہوگی۔ جہاں جہاں League of Nation اور متحدہ اقوام فیل ہوئی ہیں آج۔۔ یہ ایک ایسی امت کا وجود دنیا کے اندر اس کام کو کرے گا کہ جس کام کو لے کے یہ اٹھے تھے اور بری طرح سے ناکام رہے ہیں۔ یعنی مظلوم کی حفاظت' ضعیف کے لیے سہارا اور قوت بننا۔ اور اسی کا نام دین کی حفاظت ہے کہ دین ہوتا ہی مظلوم کی حفاظت کے لیے ہے۔ اس لیے یہ تمام احکام ابدی ہیں جتنے قرآن نے دیے ہیں۔ یہ ہدایات۔۔ جب بھی اس قسم کے حالات پیدا ہونگے اور ان کا تقاضا ہوگا اور یہ امت پھر سے امتِ مسلمہ ہو جائے گی یہ سارے احکامات اس وقت از سرِ نو اس کے سامنے ہونگے۔

پچھلی آیات کی چند ایک جھلکیں جو میدان جنگ کے لیے ضروری ہیں

کہا یہ تھا پچھلی آیات میں پچھلے درس کے اندر کہ اگر کسی قوم کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو جائے' تمہیں یہ احساس پیدا ہو کہ یہ اس معاہدے کی خلاف ورزی کرے گی' خیانت کرے گی تم سے' توڑ دے گی راستے میں تمہارے اعتماد کو۔ تو اس کے لیے یہ نہیں کہ تم دل میں یہ احساس کرو کہ یہ توڑے گی اور تم بغیر اسے بتائے ہوئے پہل کر کے اس کو توڑ دو۔۔ کہا یہ غلط ہے۔ تم اس کے معاہدے کو واپس لوٹا دو اُسے کہدو کہ اس قسم کی خیانتیں تم کر رہے ہو تم اس وعدے کا ایفاء نہیں کرو گے' اس واسطے تمہارا اور ہمارا یہ معاہدہ باقی نہیں رہ سکتا۔ اور اس میں علٰی سوآء جو قرآن نے کہا تھا اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ ایسا کرنے میں قبل از وقت تمہاری طرف سے معاہدہ ختم کیا جاتا ہے اور اس کو اس سے کچھ نقصان پہنچتا ہے تو اس نقصان کی تلافی کر کے بالکل مساوات کی سطح کے اوپر تمہیں آ جانا چاہیے۔ معاہدے کی پابندی کی اتنی بڑی تاکید تھی قرآن کی طرف سے کہ یہ کرو۔ اس کے بعد اگلی آیت میں تھا کہ پھر اپنی سرحدوں کو اتنا مضبوط رکھو کہ ان کے دل میں تمہارا رعب طاری رہے اور وہ جرآت نہ کر سکیں تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی۔ اگلی آیت میں اب یہ کہا گیا ہے جہاں سے آج درس کا آغاز ہوتا ہے کہ وَ اِنۡ جَنَحُوۡا لِلسَّلۡمِ فَاجۡنَحۡ لَهَا (8:61) اور اگر کسی وقت بھی فریقِ مقابل صلح کے لیے جھکے تو تم فوراً صلح کے لیے جھک جاؤ۔ اب آپ دیکھیے کہ یہ جنگ جو ہو رہی ہے' یہ جوع الارض کے لیے نہیں ہے' دوسروں کی سلطنت چھیننے کے لیے نہیں ہے' دوسروں کے ملک پہ قبضہ کرنے کے لیے نہیں ہے' ان کے ظلم کو روکنے کے لیے۔ اور اگر وہ خود ہی اس چیز کو تسلیم کر لے کہ ہاں ہم مقابلے سے مخالفت سے باز آتے ہیں۔۔ یہ جو لِلسَّلۡمِ (8:61) ہے جسے ہم صلح کہتے ہیں یہ تو وہی ہے جہاں سے اسلام ہے' جھک جانا' سرنڈر کر دینا' سلامتی چاہنا۔ تو وہ اگر اب سلامتی چاہتی ہے یعنی وہ جتنا انہوں نے اپنی قوت کے نشے میں دھاندلی مچا رکھی تھی اس کی بجائے وہ امنِ عالم کے لیے اب آمادہ ہے' وہ صلح چاہتی ہے' وہ سلامتی چاہتی ہے تو تمہارا مقصد تو پورا ہو گیا۔

خدائے علیم کی طرف سے ملنے والی رہنمائی یقیناً نتیجہ خیز ثابت ہوگی

اب ایسے وقت میں یہ نہ کہو کہ صاحب ہمیں اب دیکھیے فتح پہ فتح حاصل ہو رہی تھی اور اس قوم نے عین اس وقت میں آ کے سفید جھنڈی دکھا دی اور یہ صلح کے لیے آمادہ ہوگئی ہے' ہم ایسے وقت میں صلح نہیں کرتے۔ کہا کہ نہیں یہ بات نہیں۔ تم بھی صلح کے لیے جھک جاؤ۔ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (8:61) یہ خدا کی یہ جو رہنمائیاں دی جا رہی ہیں خدا کے یہ جو قوانین دیے جا رہے ہیں' ان کی نتیجہ خیزی کے اوپر بھروسہ رکھو تم۔ یہ ذہن میں نہ آئے تمہارے کہ ایسے وقت میں قرآن نے ہمیں کہہ دیا ہے کہ اگر وہ صلح کے لیے جھکیں تو تم صلح قبول کر لو ۔۔ اس سے ہمیں بڑا نقصان پہنچے گا۔ اور اگلی آیت میں یہ بتا دیا نقصان کی بات خود ہی قرآن نے واضح کر دی کہ وَ اِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ (8:62) اگر وہ تمہیں دھوکہ دینا چاہیں گے۔۔ یہی چیز ذہن میں آ سکتی تھی نا کہ یہ جو ایسے وقت میں صلح کی جھنڈی دکھائی جا رہی ہے' یہ دھوکہ دیا جا رہا ہے۔ کہا کہ اگر وہ تمہیں دھوکہ دینا چاہیں گے تو گھبراؤ نہیں!! تم جو اصول اپنے سامنے زندگی کے رکھے ہوئے ہو' وہ اتنے محکم ہیں کہ ان پر کاربند ہونے کے بعد ان کا دھوکہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

میدان جنگ میں بھی جذباتی کیفیت کی بجائے تدبر اور عقل و ہوش سے کام لینا ہوگا

اور آگے آ کے ایک بات آتی ہے جہاں میں پہنچوں گا تو عرض کروں گا کہ قرآن نے میدانِ جنگ میں جذبات میں مدہوش ہونے کے لیے اس کی اجازت نہیں دی۔۔ عقل و فکر سے کام لینے کی تاکید کی ہے' تدبر کی تاکید کی ہے' عقل و ہوش سے رہنے کی تاکید کی ہے۔ تو اگر صلح کے لیے انہوں نے ہاتھ اٹھایا ہے' جھنڈی کھڑی کی ہے۔ اس سلسلے میں ایک چیز یاد رکھیے قرآنِ کریم کی۔۔ ایک چیز ہوتی ہے First Impression یا First Reaction کسی کے طرزِ عمل سے تمہارے اندر پہلا ری ایکشن کیا ابھرنا چاہیے۔ آج کے معاشرے میں تو پہلا ری ایکشن یہی ابھرتا ہے نا کہ یہ کوئی نہ کوئی بدمعاشی کر رہا ہے۔ دوسرا اسلام بھی کرتا ہے تو سوچنا پڑتا ہے کہ آج اس کا کوئی مقصد ہے صاحب۔ صلح کے لیے بھی ہاتھ بڑھاتا ہے تو اس کے بعد یہ سوچنا پڑتا ہے کہ اس کے ساتھ ہاتھ ملانے کے بعد مجھے انگلیاں گن لینی چاہئیں کہ پانچ کی پانچ ہیں' چار تو نہیں رہ گئیں کہیں۔ اس قسم کے معاشرے کے اندر فرسٹ ری ایکشن یہ ہو جاتا ہے۔ ٹھیک ہے معاشرہ اسی قسم کا ہے۔ لیکن قرآن یہ کہتا ہے کہ اس قسم کے ری ایکشن اور اس قسم کے فرسٹ امپریشن سے خود تمہارے اندر بھی تو ایک زہر کا قطرہ ٹپکتا ہے۔ بڑی چیز کہی ہے۔

فوری طور پر پہلے ہی کسی شخص کے متعلق بدگمانی نہیں کر لینی چاہیے

یہ ٹھیک ہے کہ دوسرے کے فریب میں نہیں آنا چاہیے لیکن جب تک اس کی طرف سے یہ تجربہ نہیں ہوا' محض عام فضا سے متاثر ہو کر ہر شخص کے متعلق ذہن میں پہلا تصور یہ کہ یہ بے ایمان ہے۔۔ اس نے کہا تمہارے دل میں سے کشادگی کا جذبہ یہ ختم کر دے گا' وسعتِ ظرف نہیں رہے گی وسعتِ قلب نہیں رہے گی وہ جو مرضی کے گوشے ہیں تمہاری فطرت کے جو نہایت ضروری ہیں' وہ باقی نہیں رہیں گے۔ تو تم اس کے لیے اتنا بڑا نقصان اپنا کیوں کرتے ہو' تمہاری اپنی ذات کا نقصان ہو جائے گا۔ فرسٹ امپریشن قرآن نے یہ کہا ہے کہ

فرسٹ امپریشن ہمیشہ نیک رکھو۔ وہ جو ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنفُسِهِمْ خَيْرًا (24:12) کہا ہے اور قرآنِ کریم میں آگے چل کے سورۃ النور میں ہم دیکھیں گے خاص طور پہ یہ چیز کہی جہاں وہ ایک واقعہ اس نے دہرایا ہے کہ اس قسم کی بات تمہارے معاشرے میں پھیلائی گئی کسی کے متعلق کوئی بہتان لگایا گیا تھا۔ اس بہتان کے متعلق قرآنِ کریم نے یہ تاکید سے کہا ہے کہ جب تمہارے سامنے پہلی مرتبہ یہ بات آئی تھی کسی کے خلاف یہ بات۔۔ تو تمہاراری ایکشن یہ ہونا چاہیے تھا کہ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ (24:16) کہ نہیں صاحب یہ بہت بڑا الزام ہے۔ یعنی ملزم کو مجرم نہ تصور کرلو شروع میں ہی۔ یہ ابھی الزام ہی ہے اس کی تحقیق ہونی چاہیے۔ اور جب تک اس کی تحقیق ہونے کے بعد وہ مجرم ثابت نہیں ہوسکتا' اس کے متعلق تمہارے دل میں کبھی بھی بدظنی کے خیالات نہیں آنے چاہئیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ کیا تعلیم دے رہا ہے قرآن یہ۔ مجرم ثابت ہوجائے تو ٹھیک ہے پھر قانون اس کی سزا بھی دے گا' معاشرے میں اس کا مقام بھی متعین ہوجائے گا۔ لیکن جب تک تحقیق کے بعد اس کا جرم ثابت نہیں ہوتا' محض ملزم ہونے کی صورت میں اس پر الزام جو دیا گیا ہے اس الزام کے بعد تمہارا پہلا ری ایکشن یہ ہونا چاہیے کہ نہیں یہ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ (24:12) یہ بہت بڑا بہتان ہے۔ یہ الزام ہی تو ہے' ابھی ہم اس کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ یہ انفرادی چیز تھی' اسی کو اجتماعی طور پہ یہاں یہ کہا گیا کہ صلح کے لیے اگر وہ ہاتھ بڑھاتا ہے تمہارا فرسٹ ری ایکشن یہی ہونا چاہیے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ دیانتدار ہی ہو' اس ہاتھ کو جھٹکو نہیں' صلح کے لیے آمادہ ہوجاؤ۔ اور اگر وہ تمہیں دھوکہ دینے کی کوشش کرتا ہے تو کوئی بات نہیں ہم یہ تو نہیں کہتے کہ دھوکہ کھائے چلے جاؤ۔

حضرت عمر فاروق کا ایک عظیم قول اور قرآنی راہنمائی کا طریق

وہ تو آپ کو معلوم ہے میں نے کئی دفعہ دہرایا ہے حضرت عمرؓ کا وہ قول بڑا عظیم قول ہے کہ جب ان کے سامنے کسی نے یہ کہا تھا کہ مومن کی صفت یہ ہے کہ وہ کسی کو دھوکہ نہیں دیتا۔ تو آپؓ نے کہا تھا کہ فقرہ پورا کرو یہ آدھی بات ہے جو تم کہتے ہو۔۔ مومن کی صفت یہ ہے کہ وہ دھوکہ دیتا نہیں اور کسی سے دھوکہ کھاتا بھی نہیں ہے۔ اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی تھی کہ مومن تو اپنے اندر صفاتِ خداوندی کا عکس رکھتا ہے۔ تو خدا کسی کو دھوکہ دیتا نہیں تو خدا کسی سے دھوکہ کھاتا بھی نہیں ہے۔ تو یہ جو ہے فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ (8:62) کہا کہ یہ جو بات ہم نے کہی ہے کہ وہ صلح کے لیے ہاتھ بڑھائیں تو تم بھی صلح کے لیے ہاتھ بڑھاؤ اور تمہارا فرسٹ ری ایکشن یہ ہونا چاہیے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ دیانتداری سے صلح کے لیے آمادہ ہو۔ اور اگر وہ ارادہ کرے تمہیں دھوکہ دینے کا تو فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ کے معنی یہ ہیں۔۔ یہ نہیں کہ اس کا دھوکہ کھائے چلے جاؤ اور پھر چھوڑ دو اللہ کے اوپر کہ صاحب وہ کرے گا۔ یاد رکھو انسانوں کی دنیا کے اندر اللہ کی راہنمائی سب کچھ کرتی ہے' خدا براہِ راست کچھ نہیں کرتا۔ حَسْبَكَ اللّٰهُ کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے جو تمہیں ہدایات اور قوانین دیے ہیں اس معاملے کے اندر کہ ان کے اوپر تم کاربند ہوجاؤ گے تو ان کا دھوکہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ لیکن یہ ری ایکشن تمہارا پہلا نہیں ہونا چاہیے کہ یہ صاحب دھوکہ دینے والا ہے۔

لفظ حَسۡبَکَ اللّٰہُ عملی مفہوم

آگے یہ بتایا حَسۡبَکَ اللّٰہُ کا یہ جو ہے نا کہ خدا کافی ہے' جس کا ترجمہ کیا جاتا ہے اور اس کے بعد تاثر یہ لیا جاتا ہے کہ پھر آدمی کو خود کچھ کرنے کی ضرورت نہیں' پھر خدا کافی ہے تمہارے لیے۔ خدا کی کفایت ملاحظہ فرمائیے کیا کیا شرائط ہیں یعنی ایک لفظ یہاں کہا ہے حَسۡبَکَ اللّٰہُ اور اس خیال سے کہ اس کے بعد یہ غلط فہمیاں نہ پیدا ہوں۔ آپ دیکھیے چار آیتیں آئی ہیں اس کو واضح کرنے کے لیے کہ اس حَسۡبَکَ اللّٰہُ کے معنی کیا ہیں۔ هُوَ الَّذِیۡۤ اَیَّدَکَ بِنَصۡرِہٖ (8:62) اے رسول خدا وہ ہے کہ جس نے تمہیں اپنی نصرت سے تقویت بہم پہنچائی۔ تو اب یہاں یہ چیز آ گئی کہ خدا کی طرف سے کوئی مدد آتی ہے جس سے تقویت پہنچتی ہے۔ اور پھر ذہنوں میں آ گئی وہ ساری چیزیں جو خدا کی طرف سے وہ مدد پہنچتی ہے' وہ فرشتے آ کے تلواریں چلاتے ہیں اور ان کی توپیں چلاتے ہیں اور پھر جب شکست ہونے لگتی ہے بدر کے میدان میں تو رسول اللہ ﷺ ایک مٹھی بھرتے ہیں کنکریوں کی اور وہ دشمن کی طرف پھینک دیتے ہیں اور وہ سب اندھے ہو جاتے ہیں۔ تو اب ذہن میں یہ نقشہ آ گیا نا یہ کہ خدا کی نصرت جو ہے وہ اس طرح سے آیا کرتی ہے۔ تو اگر وہ تمہیں دھوکہ دیں گے تو کوئی بات نہیں' تم تو بیٹھے رہو' ایسی صورت ہو جائے گی کہ مٹھی بھر راکھ وہاں پھینک دینا' وہ سارے اندھے ہو جائیں گے۔ تمہارا کیا بگڑے گا۔ یہ تو نہیں۔۔ یہ میں نہیں کہہ رہا سنتے جایئے کیا کہہ رہا ہے۔۔

نصرتِ خداوندی کا مفہوم خدا کی طرف سے راہنمائی کا ملنا ہوتا ہے

خدا نے تمہیں اپنی نصرت سے تقویت دی۔ اور میں نے عرض کیا ہے نصرتِ خداوندی۔۔ سب سے بڑی مدد یہ ہے عزیزانِ من! کہ آپ کو صحیح راہنمائی مل جائے۔ دوراہے کے اوپر آ کے معلوم ہو جائے کہ راستہ صحیح جاتا کدھر کو ہے' یہ فارمولا پتہ چل جائے کہ جس کی رو سے چیز تیار کرنے کے ٹھیک نشانے کے اوپر جا کے بیٹھ جائے۔ یہ ہے صحیح نصرت۔ خدا نے تمہیں نصرت دی۔ لیکن یہ چیزیں جو ہیں یہ صحیح قوانین یہ ضوابط یہ اقدار' یہ اصول یہ فارمولا وہ تو الفاظ کے اور حروف کے اندر آتے ہیں۔ ان کے اوپر تو عمل کرنا چاہیے نا پھر۔ عمل کرنے کے لیے جماعت کی ضرورت ہے امت کی ضرورت ہے۔ سنیے قرآن کیا کہتا ہے کہ اے رسول اَیَّدَکَ (8:62) خدا نے تجھے تقویت پہنچائی اپنے اصول و قوانین کی نصرت سے

رسول اکرمؐ کے ساتھ جماعتِ مومنین کی جانفشانی اور رفاقت کی اہمیت

وَ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ (8:62) اور یہ جو جماعتِ مؤمنین ہے اس کو۔ جماعت کا ہونا نہایت ضروری ہے۔۔ رسول اللہ ﷺ کے لیے کہا گیا ہے۔ اَیَّدَکَ کہا ہے۔۔ تجھے تقویت دی۔۔ اپنی طرف سے یہ وحی کی رہنمائی' یہ اصول و اقدار جو دیے ہیں ان کی رہنمائی سے اور اس جماعت کو۔ تو اب سوچیے کہ رسول اللہ ﷺ جیسی ذات گرامی جن کے متعلق ہمارے ذہنوں میں یہ ہے کہ ایسے وقت میں' وہ میں نے جیسا ابھی عرض کیا ہے کہ ہمارے ہاں وہ مشہور روایت ہے کہ کنکریاں ماریں' دوسرے اندھے ہو گئے۔ قرآن نے یہ نہیں کہا کہ اس طرح سے تقویت۔۔ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ اس جماعت کے ساتھ تقویت پہنچائی۔ پھر جماعت جو تھی وہ کس قسم کی تھی۔ میں نے عرض کیا ہے نا کہ ایک لفظ

حَسْبَکَ اللّٰہُ جو ہے اس کی تشریح کرتا چلا آ رہا ہے کہ کہیں کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جانا کہ خدا کافی ہو جاتا ہے پھر ایسے وقت میں۔ وہ کیسے کافی ہوتا ہے۔۔ اس کی رہنمائی دی ہوئی رہنمائی کا اتباع کیا جائے۔ ایک جماعت ساتھ ہونی چاہیے ایک قوم امت جماعت وہ ہونی چاہیے۔

جماعت مومنین کی رفاقت کی خصوصیت قرآن حکیم کے الفاظ میں کہ ان کے دل ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہوں

وہ جماعت کس قسم کی ہونی چاہیے۔ وَ اَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ (8:63) جن کے دل ملے ہوئے ہوں ایک دوسرے کے ساتھ۔۔ جماعت وہ ہونی چاہیے۔ مردم شماری کے رجسٹر میں مسلمان نام لکھانے والی جماعت نہیں۔۔ وہ تو ایک دوسرے کو چھرا گھونپ رہی ہے۔ اس جماعت کی تو اب یہ کیفیت ہے اس امت کی کہ وہ جو رسم رہ گئی ہے السلام علیکم وہ تو اسی طرح سے چلی آ رہی ہے۔ ہر شخص آ کے یہ ایک دوسرے سے کہتا ہے بغیر جانے ہوئے کہ کہہ کیا رہا ہوں۔ کہا یہ گیا تھا السلام علیکم کہ میری طرف سے تم ہمیشہ سلامتی میں رہو گے' مطمئن رہو۔ کتنی بڑی یقین دہانی تھی۔ اب آپ بازار میں نکلتے ہیں تو ہر ایک کے متعلق شبہ ہوتا ہے کہ اس کی آستیں میں بھی خنجر چھپا ہوگا' بچ کے ذرا چلنا چاہیے۔ سلامتی سے گھر آ جاتے ہیں تو اطمینان ہوتا ہے کہ شکر ہے آج خیریت بچی۔ یہ ہے بالمؤمنین جن سے تقویت دی۔ وَ اَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ (8:63) جماعت یہ ہونی چاہیے۔ اور کتنی بڑی چیز ہے یہ۔۔ میں نے عرض کیا ہے کہ

عربوں کے ہاں لفظ تالیف یا الفت کی عملی شکل اور اس کی قدر و منزلت

یہاں قرآن نے یہ تالیف یہ جو الفت جسے آپ عام الفاظ میں کہتے ہیں یہ اس قسم کا 'من تو شدم تو من شدی' والی کیفیت ہوتی ہے۔ عرب یہ جس طرح سے بادل کا ایک ٹکڑا دوسرے ٹکڑے میں آ کے مل جاتا ہے اس قسم کا جو باہمی ادغام ہوتا تھا' اُسے تالیف قلب کہا کرتے تھے۔۔ یوں دلوں کا ایک دوسرے ساتھ مل جانا 'تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری'۔ اس قسم کے قلوب ملے ہوئے ہوں آپس میں۔ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ (8:63) کہا یہ اتنی بڑی چیز ہے کہ اگر یہ خدا کی بتائی ہوئی رہنمائی اور اصول کے مطابق ڈھالنا نہ ہوتا۔۔ دنیا بھر کی دولت صرف کر دیتا یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ چیزیں بازار سے خریدنے سے مل ہی نہیں سکتیں۔ یہ ٹھیک ہے خریدنے سے آپ کو ریکروٹ مل سکتے ہیں' رضا کار مل سکتے ہیں' لیبر مل سکتی ہے' مزدور مل سکتے ہیں' کام کے لیے ساتھی بھی مل سکتے ہیں Wages کے اوپر۔ قرآن کہتا ہے کہ دنیا بھر کی دولت صرف کرنے سے بھی قلوب نہیں ملا سکتے تم ایک دوسرے کے ساتھ۔

باہمی طور پر دلوں کی اس ہم آہنگی کا تمام تر دارو مدار فکر قرآنی کا ہی زمین منت تھا

یہ جو قلوب کے نہ ملنے سے جو جماعتیں بنتی ہیں اس کے متعلق بھی قرآن نے کہا ہے یہودیوں کے متعلق کہا ہے نا کہ تَحْسَبُھُمْ

جَمِیۡعًا وَّقُلُوۡبُهُمۡ شَتّٰی (59:14) تم انہیں یہ سمجھ رہے ہو کہ یہ اجتماعی جماعت ہے اجتماعیت ہے۔۔تو کہا کہ یہ غلط بات ہے۔۔ان کے دل ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں۔تو وہ جماعت کہ جو باعثِ تقویتِ رسول ﷺ بن رہی تھی خدا کی رہنمائی میں۔۔وہ تھی کہ جن کے قلوب ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ (48:29) دشمن کے مقابلے میں چٹان کی طرح سخت' ایک دوسرے کے ساتھ بریشم کی طرح نرم۔اس لیے کہ ان کے تو قلوب ملے ہوئے تھے ایک دوسرے کے ساتھ۔یہ ان مؤمنین کی کیفیت ہے۔مَّآ اَلَّفۡتَ بَیۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ (8:63) ساری دنیا کی دولت بھی خرچ کر دیتا تو ایسی جنس نہیں تھی کہ جسے تو خرید کے لے آتا۔یہ چیز جو تھی خدا کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق اس قالب میں اپنی سیرتیں ڈھالنے سے یہ کیفیت پیدا ہو سکتی تھی جو ان کی ہوئی ہے کہ قلوب ملے ہیں ایک دوسرے کے ساتھ۔اِنَّهٗ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ (8:63) غلبہ بھی رکھتا ہے حکمت بھی ساتھ ہے' Reason پہ مبنی ہے اس کے یہ جتنے احکام کی قوتیں ہیں۔

نبی اکرمؐ کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے زادِ راہ کی وضاحت اور ہمارے ہاں کے تراجم کا نتیجہ

اور پھر آگے دہرایا یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ (8:64) اے نبی حَسۡبُکَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ (8:64) اب یاد رکھو کہ تیرے لیے خدا کی راہنمائی اور اس کے دیے ہوئے اصول اور یہ مؤمنین کہ جو تیرا اتباع کرتے ہیں' بس یہ کافی ہے اب اس کے بعد کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ایک لفظ کی بات ہے یہاں اگرچہ عام طور پہ آپ کے ذہن میں تو نہیں آئے گا لیکن وہ کہا کرتے ہیں مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کہ صاحب اس کے معنی ہیں مؤمنین سے جو تیرا اتباع کرتے ہیں۔گویا مؤمنین ایسے بھی تھے جو اتباع رسول کا نہیں کرتے تھے۔۔کتنا غلط ہے یہ تصور۔ایک لفظ کے غلط ترجمے سے آپ دیکھتے ہیں کہاں بات پہنچا دیتے ہیں اور کتنی بڑی سازش ہے جس کے ماتحت اس قسم کے ترجمے یہ ہوتے ہیں۔مؤمنین میں سے جو تیرا اتباع کرتے ہیں۔گویا ذہن میں فوراً بات ڈال دی گئی کہ رسول اللہ ﷺ کے وقت میں بھی مؤمن تھے وہ اور وہ ایسے تھے جو رسول اللہ ﷺ کا اتباع نہیں کرتے تھے۔۔پھر وہ مؤمن رہ جاتا ہے؟؟؟

آپؐ کی زندگی کے بعد خود ساختہ تاریخ کے تحت مومنین کو جنگ جمل کی شکل میں دو صفحوں میں کھڑا کر دیا

لیکن زہر کا ایک قطرہ تھا جو ٹپکا دیا گیا ایک بیج تھا جو ڈال دیا اور اس نے پھر آگے چل کے آپ کی تاریخ نے' پوچھو نہیں کیا کیا گل کھلائے اتنی سی چیز نے کہ جی خود رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایسے لوگ تھے کہ جنہیں مومن کہا جاتا تھا اور وہ اتباع رسول اللہ ﷺ کرتے تھے نہیں۔تو پھر رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد تو انہوں نے وہ گل کھلانے ہی تھے جو کچھ ہوا ہے۔پھر وہ تاریخ بنائی آپ کی کہ جس تاریخ کے اندر۔۔یہ سارے مؤمنین جن کے متعلق قرآنِ کریم شہادت دیتا ہے' مومنِ حقا ہونے کی۔۔یہ تمام مؤمنین جو تھے تاریخ پھر اس قسم کی آپ کی مرتب کی گئی کہ چند ہی دنوں کے بعد رسول اللہ ﷺ کے بعد یہ سارے صحابہؓ موجود تھے' یہ پورے صحابہؓ پھر تاریخ میں دو صفوں میں کھڑے کر دیے۔وہ جنگِ جمل آ گئی جناب۔۔آدھے ان میں سے مؤمنین میں سے ایک طرف' آدھے دوسری طرف۔۔

ایک دوسرے کے خلاف میدان میں کھڑے ہیں ۔ وہ مومن جن کے متعلق خدا فخر سے کہہ رہا ہے کہ ہم نے ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی الفت ایسے ڈال دی کہ تو ساری دنیا کی دولت صرف کرتا تو پھر بھی کیفیت یہ نہ پیدا ہوتی۔ جن کو رحماء بینھم کی شہادت قرآن دے رہا ہے۔ یہ سارے تھے۔۔ان کی اگلی اولاد نہیں' نسل اگلی نہیں یہی سارے۔۔آپ کی تاریخ نے لا کے کھڑا کر دیا ان کو جنگِ جمل میں آدھے ایک طرف' آدھے ایک طرف۔

تاریخ ان مومنین حقہ کو ایک دوسرے کے ساتھ لڑا بھی رہی ہے اور پھر ہم ان کو شہید بھی کہہ رہے ہیں

اور اس کے بعد کہ جی دس ہزار دونوں طرف سے شہید ہوئے۔۔اب اس کے بعد شہید بھی کہتے ہیں ان کو۔۔کیفیت ملاحظہ ہو اس قوم کی۔ پوچھو اس تاریخ سے اور پوچھو اس تاریخ کے وضع کرنے والے سازشیوں سے کہ قرآن کہتا ہے کہ وَ مَنۡ یَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ (4:93) جو کوئی کسی مومن کو عمداً قتل کر دیتا ہے' اس کی سزا جہنم ابدی جہنم ہے۔ اور آگے ہے خدا کی لعنت' خدا کا غضب۔ ایک مومن کو عمداً کرنے والا قرآنِ کی نص صریح کے مطابق سیدھا جہنم میں' لعنت اور غضب خدا کا اس کے اوپر۔ اور آپ سوچئے اس تاریخ کے بیان کے مطابق عام مومن ہی نہیں' یہ مؤمنین جن کے متعلق قرآن کہتا ہے کہ مومن حقا تھے جن کو کہتا ہے رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ تھے ان کی کیفیت یہ ہے کہ آدھے ایک طرف' آدھے ایک طرف۔ یہ سارے صحابہؓ آ گئے اکٹھے میدان میں آدھے اُدھر آدھے اِدھر۔۔وہ ان کو مار رہے ہیں یہ اِن کو مار رہے ہیں۔ قرآن کہتا ہے جس نے ایک مؤمن کو متعمداً مار دیا' جہنم میں چلا گیا۔ سوچئے عزیزانِ من! یہ تاریخ کہاں پہنچا رہی ہے آپ کو۔

10 ہزار کے بعد دوسری جنگ میں 70 ہزار شہید ہوئے علاوہ ازیں لفظ من کے سلسلہ میں کئے گئے تراجم کی نوعیت

اور یہ پہلی جنگ ہے۔ اس سے بھی ابھی جی نہیں بھرا' ایک اور پیدا کر دی۔۔اس میں کہا کہ ستر ہزار شہید ہو گئے تھے۔ اللہ اکبر۔ جب کہا جائے کہ صاحب یہ مومنین کے متعلق کہتے ہیں۔۔کہا کہ صاحب قرآن نے کہا ہے کہ وَ مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں وہ جو تھے' ورنہ یہ کہنے کی ضرورت کیا تھی کہ مؤمنین میں سے جو تیرا اتباع کرتے ہیں۔ دیکھا یہ ایک آیت نہیں اس قسم کی کئی آیتیں جن میں ذرا سا یوں کیا' ایک اینٹ رکھ دی اور پھر اس کے اوپر عمارت استوار کر دی۔ پھر آپ کی تاریخ نے یہ کہہ دیا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد تو پانچ مومن صرف باقی رہ گئے تھے۔ چل بھئی۔ یہ ساری شہادتیں قرآن کی۔۔عربی زبان کی رو سے عربی جاننے والے افراد جانتے ہیں کہ یہ جو من آتا ہے عربی زبان میں اس کے بعض اوقات تو یہ معنی ہوتے ہیں' اس میں سے' اور بعض اوقات من اس کو کہتے ہیں تبین کے لیے آتا ہے' وضاحت کے لیے آتا ہے۔ یہاں وضاحت ہے اس چیز کی کہ یاد رکھو اے رسول تیرے لیے خدا کے اصول اور رہنمائی اور یہ مؤمنین جن کی ہم وضاحت کیے دیتے ہیں یہ کافی ہیں اس کے سوا کسی اور چیز کی تمہیں ضرورت نہیں ہے۔ یہ ہیں وہ بیج جو آپ کے ڈالے گئے ہیں سازش کے' کہ قرآن کی آیتوں کا ترجمہ ذرا سا یوں لپٹا کے کر دیا گیا۔ بتا دیا کہ یہ خدا

کی نصرت جماعتِ مؤمنین جن کے دلوں کے اندر خدا نے ایک دوسرے کی الفت ڈال دی ہے' بس یہ کافی ہے۔ اور اس کے بعد پھر نہ تو خدا کی وہ نصرت نہ اس کے اصولوں پہ اور اس کے قوانین کے اوپر عمل' نہ وہ مومنوں کی جماعت کہ جن کے دل ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔۔ تو پھر کس طرح سے خدا کی نصرت۔ مانگ رہے ہیں دعائیں صاحب ہر نماز کے بعد' ہر جمعہ کے بعد' ہر عید کے اندر' وہ حج کا اجتماع جس میں کہتے ہیں سولہ لاکھ جمع تھے صاحب' چلے آ رہے ہیں۔ اور ہر اجتماع کی دعا کے بعد اس سے زیادہ نکبت اور زبوں حالی اس قوم کے اوپر اس سے زیادہ خدا کا غضب اس کے اوپر نازل ہو رہا ہے۔ وہ تو یہ شرطیں لگا رہا تھا اَلَّفۡتَ بَیۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ (8:63) یہ ہونے چاہئیں مومن' اس کی نصرت ہو اس کے اصولوں کے اتباع میں اور اس کے بعد پھر وہ کہتا ہے کہ حَسۡبَکَ اللّٰهُ (8:62) اس سے زیادہ اور چاہیے کیا' کافی ہے یہ۔

لفظ حرض' کا حقیقی مفہوم یعنی تعلیم و تربیت کی کمیوں کو پورا کرنے کے ہوتے ہیں

اب اس کے بعد پھر جنگ کی بات آ گئی۔ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ عَلَی الۡقِتَالِ ؕ (8:64) ایک اور لفظ آیا۔۔ یہ ترجمہ عام طور پہ اس کا کیا جاتا ہے کہ اے نبی مؤمنوں کو جنگ کے لیے تو اکساتا رہ' ترغیب دیتا رہ۔ وہ ہوتا ہے نا لڑانے کے لیے کسی کو۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ بہرحال اگر وہ جنگ وہی ہے جو قرآن نے کہی ہے' ظالم کے ظلم کی روک تھام کے لیے۔ ٹھیک ہے۔ لیکن یہ اکسانے والی بات جو ہے یہ کچھ صحیح تصور نہیں پیدا کرتی ذہنوں کے اندر۔ ویسے بھی اس لفظ کے یہ معنی ہیں نہیں۔ بات عجیب ہوتی ہے پتہ نہیں کہاں لے جاتے ہیں پھر ان ترجموں سے' پھر ان تفسیروں سے آپ کے ہاں یہ چیزیں آتی ہیں۔ یہ جو حَرِّضِ ۔۔ اس کے معنی ہوتے ہیں کہ یہ جو جماعت ہے تمہارے ہاں کی' ان کے ہاں جس قدر کمزوریاں ہیں جنگ کی تکنیک سمجھنے کی' صلاحیتوں میں کچھ فقدان ہے۔۔ تو اپنی تعلیم و تربیت سے ان کی یہ کمزوریاں رفع کرتا چلا جا۔ یہ حَرِّضِ (8:64) کے معنی یہ ہیں کہ کسی کی کمی کو رفع کرنا۔ یہ نئے ریکروٹ جو آپ کے ہاں آتے ہیں وہ جو دو سال کے لیے پہلے ہی آپ پی ایم اے میں بھیجتے ہیں اس کو' وہ حَرِّضِ ہے۔ اس کو کچھ پتہ نہیں ہوتا انہیں بھی کہ میدانِ جنگ کیا ہے اس کی تکنیک کیا ہے اس کے لیے کیا کیا Qualification چاہیے' کس قسم کی تعلیم ہونی چاہیے۔ اور پھر وہ دو سال کا وہ پی ایم اے کا نہیں ہے ساری عمر ان کی کیفیت یہ ہے کہ آخر تک ان کے کورس کے اوپر کورس ہوتے چلے جاتے ہیں۔ پھر روز کی ٹریننگ ہوتی ہے' روز ان کے ہاں کے آرڈرز نکلتے ہیں۔ یہ سب کس لیے ہے۔۔ کہ یہ جو کمی ہوتی ہے اس کے اندر Perfection کی طرف لے جانے کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے' وہ یہ لفظ جو ہے۔ اور آپ دیکھیے کہ پھر یہ نبی جو ہے یہ صرف وعظ کہنے کے لیے نہیں آتا' یہ جہاد بالقلم کرنے کے لیے نہیں آتا۔

نوعِ انسانی میں نبی اکرمؐ کا مقامِ بلند تو کمانڈر ان چیف کی حیثیت سے تھا اور ہے

نبی کس مقام پہ ہے۔۔ سب سے بڑا آپ کے ہاں جو کمانڈر ان چیف جو ہوگا' اس کی یہ کیفیت ہوگی کہ جو نئے آنے والی جماعت ہے' اس میں جو فنونِ جنگ کی کمزوریاں اور کمیاں ہیں' ان کو بھی دور کرے۔۔ نبی اس مقام پہ کھڑا ہوتا ہے۔ نبی کے متعلق قرآن نے یہ بتایا

ہے کہ وہ صبح اٹھ کے فوجوں کی پوزیشنیں ٹھیک کرتا تھا وہ میدانِ جنگ میں' خود میدانِ جنگ میں ہوتا تھا وہ سامنے۔ یہ تھا نبوت کا مقام۔۔ جسے اس کے بعد فقط سمجھ لیا اللہ ہو' اللہ ہو اور اللہ ہو۔ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ (8:65) وہ کمزوریاں رفع کر کہ جس کے بعد یہ میدانِ جنگ میں آئیں۔

مقام نبوتؐ کے بعد مقام مومن حاصل کرنے کے لیے مختلف شرائط کی تفصیل

اور اس کے بعد پھر آیا مؤمنین کی صفات۔ وہ جو تھا خدا کی نصرت دیکھیے کس کس طرح سے وہ گنائی گئی۔ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (8:65) سنتے جایئے عزیزانِ من! اتنے اتنے ٹکڑوں میں کیا کیا ہدایات مل رہی ہیں صاحب۔ وہ جو نصرتِ خداوندی کہا کہ یہ ان کی کمزوریاں رفع کرتا چلا جا' ان کی صلاحیتوں کو بھرپور نشوونما دیتا چلا۔ اور اس کے بعد پھر صورت ان کی یہ ہوگی کہ اگر ان میں سے بیس ہونگے فریقِ مقابل کے دوسو کے اوپر غلبہ پالیں گے' ایک سو ہونگے تو فریقِ مقابل کے ہزار پر غلبہ پالیں گے۔ اس قسم کے تیار کیے ہوئے جو تمہارے سولجرز ہونگے ان کی کیفیت پھر یہ ہوگی۔ دس گنا کے اوپر غلبہ پالیں گے۔ ابھی وہ شرائط نہیں میں نے پیش کیں جو قرآن نے بتایا ہے۔ یہ کون ہیں جو غلبہ پالیں گے۔ بس یہی کہ انہوں نے کلمۂ شہادت پڑھا' مومن ہوگئے' تمہارے ساتھ آ کے مل گئے۔ قرآن نے وعدہ کرلیا خدا نے کہ چلیے صاحب یہ پھر غلبہ پالیں گے اپنے سے دس گنا کے اوپر۔ سنیے شرائط کیا ہیں۔ پہلی چیز تو یہ ہے اتباع کرنے والے وہ ہیں اپنے امیر کی اپنے رسول کی۔۔ ڈسپلن کی ان کی کیفیت یہ ہے۔ یہ مومن جو فی الحقیقت اتباع کر رہے ہیں تمہارا۔ پہلی چیز تو وہیں دیکھ لی ہم نے اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ (8:63) یہ جو چلے جا رہے ہیں ان کے صرف پاؤں ہی نہیں مل رہے' ان کے دل ملے ہوئے ہیں۔۔ دوسری شرط۔ یہ جو ہے نا دس پر غالب آنے کی شرائط ملاحظہ فرمایئے۔ دو شرطیں اتنی بڑی ہوگئیں۔ اور شرط ہے صابرون ۔۔ بڑی سے بڑی مخالفت اور تکلیف میں بھی ثابت قدم رہنے والے۔ دیکھا شرائط۔ اپنے سے دس گنا پر غلبہ پانے کے لیے یہ شرائط کیا ہیں۔ خدا کی راہنمائی میں اپنے امیر کی اپنے امام کی اطاعت کرنے والے' اتباع کرنے والے جس طرح سے وہ جا رہا ہے' اس کے پیچھے اسی طرح سے جانے والے۔ صٰبِرُوْنَ : سخت سے سخت مقابلے میں بھی لغزش پاؤں میں نہ آنے پائے' ثباتِ قدم۔ آپ کے ہاں تو معلوم ہے نا کہ صبر کے معنی کیا ہوتے ہیں ''اچھا جی میرا صبر میں کی کر سکنا آں'' انتہائی بیچارگی بے بسی کا عالم جہاں کچھ نہ ہو سکے ''او میاں صبر کر ہُن صبر دے سوا چارہ وی کی اے'' یعنی جب بیچارگی کی انتہا ہو جائے تو وہاں یہ لفظ آتا ہے کہ صبر کر میاں۔ جب بھی ترجمہ ہمارے ہاں ہوا اور صبر سے ہمارا ذہن منتقل ہوا اس طرف کہ ہاں صاحب ہاتھ پاؤں توڑ کے بیٹھ جانے' جب کوئی چارہ گری باقی نہ رہے تو اس وقت کا نام صبر ہے۔ عربی زبان کے اندر یہ صبر کے معنی ہوتے ہیں کہ سخت سے سخت مصیبت میں بھی پاؤں میں لغزش نہ آنے پائے' چٹان کی طرح ثبات کے ساتھ کھڑا ہو جائے مقابلے کے لیے۔ یہ بات ہوگئی۔ اور اگلی چیز ابھی باقی ہے ایک اور۔۔ کہا کہ وہ ہزار بھی ہونگے مخالفین' تو ان پہ یہ غلبہ پالیں گے۔۔ کیوں ان پہ غلبہ پالیں گے ۔۔ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ (8:65) اس لیے کہ یہ وہ جماعت ہے مقابلے کی جو صرف جذبات سے کام لے رہی ہے' عقل وہوش سے

میدانِ جنگ میں کام نہیں لے رہی۔ اللہ اکبر۔ خدا کی دی ہوئی راہنمائی میں اپنے امام کے نقشِ قدم پہ چلے جانے والے' دلوں کے اندر ایک دوسرے کی الفت اس طرح سے جاگے۔ قوانین وضوابط بڑے بڑے مقرر ہوئے ہیں لیکن میں پوچھتا ہوں کہ یہ جو بتائی گئی ہیں بنیادی خصوصیات اس سپاہی کی اس غلبے کے لیے۔۔ کیا اس کے اوپر اضافہ بھی ہوا ہے آج تک یہ؟

1965 کی جنگ میں واہگہ سرحد پر سکھوں کے لیے شراب کے ڈرم کے ڈرم

میں سمجھتا ہوں یہ جو ہے بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ (8:65) یہ تو کہیں شاید آج ہی مل سکے کہ میدانِ جنگ میں بھی یہ کیفیت تمہاری ہونی چاہیے۔ ورنہ جنگ کے میدان کے اندر تو آپ نے دیکھا تھا نا کہ واہگہ کی سرحد کے اوپر جو بعد میں آپ نے دیکھا کہ وہ رنگ کے ڈرم کے ڈرم پڑے ہوئے تھے خالی وہ دیسی شراب کے۔۔ دھت کر کے شراب میں وہ لایا کرتے تھے ان سکھوں کو لڑانے کے لیے سامنے۔ جو یوں شراب نہیں پیتے تھے' ان کو پروپیگنڈے کی شراب پلائی جاتی تھی' نازی ازم میں فاش ازم میں جیسا ہوتا تھا۔ پاگل کرنے کے تو کئی طریقے ہوتے ہیں نا۔ لیکن یہ' یہ بتا رہا ہے کہ یہ اس لیے ان پہ غلبہ پا جائیں گے کہ فریقِ مقابل وہ ہے کہ جو جنگ میں عقل وفکر سے تفکر سے کام نہیں لیتا۔

میدان جنگ میں وحی کی طرف سے دی گئی راہنمائی کے نقوش اور ہماری حالتِ زار

عزیزانِ من! ایک لفظ اور آگے ہے یہ خالی عقل وفکر نہیں ہے۔۔ تفقہ کے معنی ہوتا ہے حالات جو سامنے ہوان پہ نظر رکھنے کے بعد کسی صحیح نتیجے پہ پہنچنا کہ اب کرنا کیا چاہیے صاحب۔ یہ ہے صورت۔ لیکن آگے اور ایک شرط ابھی لگائی۔ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا (8:66) وہ کہتا ہے کہ یہ دس گنا کی بات وہ ہے کہ سامانِ حرب وضرب جو ہے وہ تو ہو یکساں برابر کا اور صرف قلت جو ہو تعداد کی ہو۔ اور کہا کہ اگر صورت یہ ہے کہ اگر تمہارے پاس یہ سامانِ حرب وضرب' مدافعت کی چیزیں بھی بہت کم ہیں۔ اس صورت میں پھر دس کی نہیں' اس صورت میں دگنے کے اوپر تو اس صورت میں بھی تم فتح پا سکو گے۔ اللہ اکبر۔ عزیزانِ من! یہ تو بڑی اونچی باتیں ہیں یہ عام چیزیں بھی جو ہمارے ہاں کے حرب وضرب کی ہیں اور جنگ کی ہیں اگر وہ بھی سامنے ہوتیں' کم از کم یہ نوے ہزار دو لاکھ کو تولے کے مرتا۔ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ (8:66) اس صورت میں بھی کہ جب ابھی ہنوز یہ مدینے کی ابھی پہلی جنگ تھی۔ میں نے کہا ہے نا کہ سواریاں بھی نہیں تھیں ان کے پاس' پناہ گزیں تھے بیچارے' پوری تلواریں بھی نہیں تھیں۔ اس صورت میں بھی یہ کہا کہ کوئی بات نہیں! دوگنے کے اوپر تو اب بھی تم فتح پا لو گے۔ اور بدر کے میدان میں تو بہر حال تین گنا کے اوپر انہوں نے فتح پا لی تھی۔ غلبہ حاصل کر لو گے۔

ایک بار پھر غلط تراجم کی وہ کیفیت جو قابل غور ہے

بِاِذْنِ اللّٰهِ پھر آیا غلط ترجمہ۔۔ اللہ کے حکم سے تم کرو گے۔ اگر نہیں کہیں کامیابی ہوئی تو سیدھی سی بات کہ صاحب اللہ کا حکم ہی نہیں تھا' ہم کیا کریں۔ یہ اللہ کے حکم سے ہی یہ سب کچھ ہونا ہو تو پھر یہ ساری شرطیں کاہے کے لیے۔ او اس کے حکم سے تو کائنات عدم سے وجود

میں آ جاتی ہے۔۔وہ بھی رادھا نچانے کے لیے نو سو من تیل کی شرطیں لگا رہا ہے۔اذن کے معنی ہی قانون کے ہیں۔۔جب کوئی حکم اس وقت دیا جائے تو اسی وقت اس کی تعمیل ہو تو وہ حکم ہوتا ہے۔جب کوئی حکم مستقل طور پہ دیا جائے کہ ہمیشہ ایسا ہوتا چلا جائے گا تو اسے قانون کہتے ہیں' اسے اذن کہا جاتا ہے۔یہ جو اوپر خدا نے قوانین اپنے بیان کیے ہیں اس کے مطابق پھر کم از کم دو گنے کے اوپر تو تم کامیابی حاصل کر لو گے۔اور آگے پھر دہرا دیا کہ وہ اس لیے کہ وَ اللّٰہُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (8:66) خدا کی نصرت ان کے ساتھ ہوتی ہے جو سخت مشکل میں بھی پاؤں میں لغزش نہیں آنے دیتے' ثابت قدم رہتے ہیں۔یہ ہے اذن اللہ۔آگے پھر اگلی چیز آئی۔میں نے کہا تھا کہ عربوں کے ہاں سٹینڈنگ آرمی تو تھی نہیں کہ ان کو تنخواہ ملتی رہتی تھی۔ان کے ہاں تو جنگ میں جانے کے لیے ایک ہی کشش ہوتی تھی کہ مالِ غنیمت ہاتھ آئے گا۔

جنگ کے بعد مالِ غنیمت کے سلسلہ میں دی گئی راہنمائی اور اس کا نتیجہ

مالِ غنیمت کے متعلق میں نے عرض کیا کہ پہلے ہی قرآن نے یہ پتہ کاٹ دیا کہ لوٹ کا مال سپاہی کا نہیں ہے۔۔مملکت کی تحویل میں آئے گا۔جو چیز صدیوں سے نسلاً بعد نسلاً ان کی گھٹی میں چلی آ رہی تھی' لوٹ کے لیے ہی جنگ کرنا۔۔پہلے ہی ختم کر دیا اُسے۔اگلی چیز یہ ہوتی تھی کہ بہت سے جنگی قیدی پکڑ لیے جائیں' وہ انہیں غلام اور لونڈیاں بنا لیا کرتے تھے یا کم از کم ان کو اپنے قبضے میں رکھتے تھے تو ان کو یرغمال کے طور پہ استعمال کرتے تھے۔پھر فدیہ مل جاتا تھا وہ بھی مال ہی کی کشش والی بات تھی۔اس لیے ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ میدانِ جنگ میں ایسا کچھ کیا جائے کہ زیادہ سے زیادہ قیدی ہاتھ میں آ جائیں۔میں نے عرض کیا ہے نا کہ قیدیوں کو وہ غلام بنایا کرتے تھے ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنایا کرتے تھے۔تو گویا ان کے لیے جنگ میں کشش کی یہ بات تھی۔غلام اور لونڈیوں کا تو قرآنِ کریم نے قطعاً خاتمہ کر دیا۔۔جنگ کے قیدیوں کے متعلق اس نے یہ حکم دیدیا' جنگ کے قیدیوں کو بہر حال تم نے چھوڑنا ہے یا تو Exchange میں فدیۃً اور اگر ایسی صورت نہیں ہے تو احساناً تمہیں چھوڑنا ہوگا۔آج جس کی ہم غلط توقع لگائے بیٹھے ہیں اس بھارت سے کہ ان کے اب قیدی ہمارے پاس تو نہیں ہیں نا۔تو اس کے لیے یہ صورت یہ ہے نا کہ عالمگیر ضمیرِ عامہ کو بیدار کیا جائے کہ وہ اخلاقی سطح کے اوپر ان کو قیدیوں کو چھوڑ دے۔بھارت' اخلاقی سطح۔

ہم کو ان سے وفا کی ہے امید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

قرآن نے چودہ سو سال پیشتر عزیزانِ من! جب کسی کے تصور میں نہیں آ سکتا کہ جنگ میں پکڑے ہوئے قیدی جو ہیں' اپنا قیدی بھی مقابل میں کوئی نہیں ہے' وہ فدیہ بھی نہیں اس کا دینے کے لیے تیار۔۔عالمگیر انسانیت کے صدقے میں چھوڑ وان کو۔کوئی انسان دوسرے انسان کی غلامی میں نہیں رکھا جا سکتا۔جنگ کے خاتمے ہو جائیں دنیا میں عزیزانِ من! اگر یہ اصول دنیا کے اندر رائج ہو جائے۔۔احساناً چھوڑو۔آپ دیکھتے ہیں کہ وہ جو محرکات تھے جنگ کرنے کے۔

وحی کے نزدیک جنگ کے محرکات کے تعین کرنے کا بنیادی مقصد

اس زمانے کے۔۔کس طرح ایک ایک کو ختم کرتا چلا جاتا ہے۔اس لیے کہ اس نے کہا یہ تھا کہ بھئی جنگ جو ہے یہ تو کَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا (9:40) خدا کے اصول وقوانین جو ہیں ان کی برتری اور بلندی کے لیے یہ جنگ کرنے کی تمہیں اجازت ہے۔۔ملک گیری کے لیے نہیں، دوسرے کو شکست دینے کے لیے نہیں۔اور اسی لیے یہ کہا مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ط (8:67) کہتا ہے یاد رکھو مقصد تمہارا یہ ہے کہ یہ جو اس طرح دھاندلی مچا رہے ہیں ان کی قوت کو توڑ دیا جائے۔مقصد یہ نہیں ہے کہ ان کے زیادہ سے زیادہ آدمی قید کر لیے جائیں۔اور پھر وہ قید کرنے کا میں نے عرض کیا ہے نا کہ ان کے ذہن میں یہی تھی نا ترغیب کہ یا ان کو غلام بنایا جائے۔۔وہ تو قرآن نے ختم کر دیا۔۔یا ان کے بدلے میں بہرحال اتنا روپیہ ہی لیا جائے۔قرآن نے کہا یہ جذبہ نہیں ہونا چاہیے۔۔جذبہ صرف یہ ہو کہ ان کی قوت ٹوٹ جائے۔اس لیے یہ جائز نہیں ہے کہ دشمن کی قوت توڑنے کی بجائے نگاہ رکھی جائے زیادہ سے زیادہ ان کے لوگوں کو قید کرنے پہ۔۔یہ ٹھیک نہیں ہے۔تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا (8:67) کہا کیا تمہارے ذہن کے اندر دنیاوی مفاد آ گیا۔۔غلط بات ہے یہ۔وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ط (8:67) تم پیش پا افتادہ مفاد جو ہے، قریبی مفاد جو ہیں، تمہاری نگاہ اس پہ ہے۔۔خدا تمہارے لیے مستقبل کے مفادات چاہتا ہے۔مستقبل دور تک جانے والے، بعد میں آنے والے۔اور بڑی چیز ہے صاحب۔ دشمن کی قوت توڑ دینا، ظالم ظلم کے قابل نہ رہے، اس کے ہاں کے جو لوگ قید میں بھی تمہارے ہاں آئے ہیں اگر وہ ایسے نہیں چھڑاتا، احساناً چھوڑ دینا۔آپ دیکھتے ہیں مستقبل کے مفادات جن کا تعلق عالمگیر انسانیت سے ہے، کتنے حاصل ہوتے ہیں اس سے۔کہتا ہے خدا یہ چاہتا ہے۔وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (8:67) وہ دیکھیے وہی الفاظ آ جاتے ہیں۔۔خدا غلبہ چاہتا ہے لیکن دھاندلی نہیں چاہتا۔عقل و بصیرت کو نہیں چھوڑنا۔لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (8:68) اگر پہلے سے ہمارے ہاں یہ چیز نہ ہوتی کہ سہواً کوئی خطا کے طور پہ لغزش ہو جائے تو اس کے لیے مغفرت کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔۔اگر ایسی بات نہ ہوتی، یہودی شریعت ہی ہوتی تو جو کچھ تم کرنے لگے تھے۔۔یہ رسول اللہ ﷺ نہیں کرنے لگے تھے، یہ جنگ کے اندر سپاہیوں کی باتیں ہو رہی ہیں۔۔کہ جس طرف تمہاری نگاہ گئی تھی، اس کے اوپر تم کو بڑا عذاب ملتا یاد رکھو۔یعنی یہ کہ دشمن کی قوت نہ توڑی جائے، زیادہ سے زیادہ ان کا مالِ غنیمت ہاتھ میں آ جائے یا ان کے قیدی ہاتھ میں آ جائیں۔یہ جو تمہارے ذہن میں بات آئی تھی، یہ بڑی غلط بات تھی۔

اسلام کی پہلی جنگ بدر کے سلسلہ میں مجاہدین کے لیے قرآن حکیم کی طرف سے دی گئیں ہدایات

عزیزانِ من! پہلی جنگ یہ ہو رہی تھی نا اسلام کے بعد۔یہ سارے وہ تھے جنہوں نے اپنی عمر کا پورا حصہ پہلا اُس قسم کی جنگوں کے اندر بسر کیا ہوا تھا جہاں مقصودِ منتہا مالِ غنیمت یا قید کر لینا ہوتا تھا۔یہی لوگ ہیں پہلی جنگ ہو رہی ہے اور اس پہلی جنگ میں یہ تعلیم دی جا رہی ہے۔۔نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی۔آپ دیکھتے ہیں کہ کس طرح سے یہ تربیتِ نبوی ﷺ نے سیرتوں کو دوسرے قالبوں میں ڈھال دیا تھا۔۔یہ وہی عرب تھے۔اور کس مقام پہ کیا ہدایتیں ملتی ہیں تو تمہارے ذہن میں آیا وہ آیا ذرا دنیا کا لالچ۔۔غلط بات ہے۔پیش

پا افتادہ مفاد کو نہیں دیکھا کرتے' نگاہیں دور تک رکھا کرتے ہیں۔ جو تمہارے ذہن میں بات آئی تھی اگر تم کر گذرتے تو تمہیں بڑا عذاب ملتا اس کا' بڑی سزا ملتی یاد رکھو۔ پہلی جنگ میں یہ کچھ ہو جاتا۔ باقی رہا مالِ غنیمت ٹھیک ہے ہر سپاہی جو لوٹ کے لے جائے اس کا نہیں ہے۔۔ لا **وَفَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ ط** (8:69) ٹھیک ہے مالِ غنیمت جو ہے آیا ہے' سربراہ کے پاس آیا ہے وہ اس کو تقسیم کرے گا قرآن نے بتایا ہوا ہے کہ اس میں یتیم' مساکین' محتاج' صاحبِ ضرورت یہ سب کا حصہ اس کے اندر آتا ہے۔ ٹھیک ہے حلال ہے تمہارے لیے' خوشگوار طریقے سے اس کو کھاؤ۔ اور خدا کے قوانین کی نگہداشت کرو **وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** (8:69) یاد رکھو جو کبھی ایسے خیالات بھی آ جاتے ہیں جب اس کی اصلاح ہوتی ہے تو اس سے جو نقصان ہونا تھا اس سے خدا حفاظت دیتا ہے' تمہاری نشو ونما کا سامان کرتا ہے۔

جنگ کے سلسلہ میں قرآن حکیم کی طرف سے قیدیوں کے ساتھ کیا جانے والا سلوک اور آج کی جنیوا کنونشن

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى لا اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ط وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (8:70) عزیزانِ من! سنیے چودہ سو سال پہلے بیشتر ساری دنیا وحشت اور درندگی کے اندر ڈوبی ہوئی تھی۔۔ یہ احکام دیے جا رہے ہیں۔ آج جنیوا کنونشن کو بار بار دہرایا جا رہا ہے' جسے کوئی پوچھتا تک نہیں۔ چودہ سو سال پیشتر عرب کی وحشت نگری میں یہ چیزیں' یہ احکام دیے جا رہے ہیں کہ میدانِ جنگ میں فاتح کی حیثیت سے تم واپس آئے' کچھ قیدی بھی تمہارے پاس آ گئے۔ ان قیدیوں کے متعلق یہاں کہا جا رہا ہے۔۔ پہلی چیز تو یہ تھی کہ وہ ان کو قیدی کہتے نہیں تھے' مہمان کہتے تھے۔ ان قیدیوں میں سے یہ بیانات ملتے ہیں جو چھوڑے تھے تو مکے میں جا کے انہوں نے بیان اپنے دیے تھے انہوں نے یہ کہا تھا کہ جس کے ہاں میں مہمان تھا۔۔ اس زمانے میں الگ الگ قید خانے نہیں تھے۔ ان کے گھروں میں ان کو دیدیا گیا تھا کہ ان کو اپنے پاس رکھو اور ان سے کہا گیا تھا کہ جتنی دیر تم نے ابھی یہاں رہنا ہے' ان میں سے جو پڑھے لکھے تھے ان سے کہا کہ تمہارا فدیہ یہ ہے کہ تم ہمارے بچوں کو پڑھا دو۔ ان کے ساتھ سلوک کی کیفیت یہ تھی کہ وہ خود جا کے بیان کرتے ہیں مکے میں۔۔ کہنے لگے میں تو وہاں یہ دیکھ کے آیا ہوں جس کے گھر میں میں تھا' وہ دن بھر محنت کرتے تھے شام کو وہ آتے تھے جتنا لاتے تھے اس میں سے ان کے ہاں جو روٹی پکتی تھی اتنی کافی نہیں ہوتی تھی کہ سب کھاتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ خود یا اپنے بچوں کو تو کھجور کھلاتے تھے اور مجھے روٹی دیتے تھے۔ اور جب میں ان سے کہتا تھا کہ بھئی مجھے وہی تم دو جو انہیں دیتے ہو' وہ کہتے تھے کہ تم مہمان ہو اور مہمان کی عزت ہمارے ہاں ضروری ہے۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ ان قیدیوں سے کہدو کہ بہر حال تم یہاں ہو کچھ اور مشقت نہیں تو یہ کچھ محنت تم کر رہے ہو یہی سہی' کچھ فدیہ کے طور پہ بھی تم سے کچھ لیا جائے گا یہی سہی۔ لیکن یہ یاد رکھو اگر ہم نے یہ دیکھا کہ تمہارے دل میں خیر سگالی کے جذبات ہیں تو جو بھی تم سے لیا جائے گا' ہم تمہیں اس سے زیادہ بہتر واپس دیں گے۔ خیر سگالی کے جذبات قیدیوں کے دل کے اندر پیدا کرنا۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ۔

جنگ کے قیدیوں کے سلسلہ میں ایک قدم اور آگے بڑھانے کا نتیجہ

بدر کی جنگ کے بعد یہ جب قیدی واپس گئے ہیں انہی میں سے بیشتر تھے جو وہاں سے پھر واپس آ کے مسلمان ہو کے مدینے میں آ گئے تھے۔قیدیوں کے ساتھ یہ سلوک ہوتا ہے۔کہا گیا' حکم دیدیا گیا کہ تمہارے دل میں اگر خیر سگالی کے جذبات ہوئے تو یہ نہ کہو کہ تم سے یہ کچھ لے لیا گیا ہے۔۔اس سے بہتر ہم تمہیں دیں گے یاد رکھو۔وَ اللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ (8:70) جو کچھ تم سے پہلے ہو گیا ہے وہ بھی ہم معاف کر دیں گے اس کے بعد تمہاری نشو ونما کا سامان بھی ہم کریں گے۔۔تمہارے دل میں اگر بہتری کے جذبات ہوئے۔اور یہ کہہ کے روک نہیں لیا' یہ کہہ کے چھوڑ دیا ہے۔جن سے یہ سلوک کیا جائے اور یہ کہہ کے چھوڑا جائے پھر وہ جائیں گے کہاں عزیزانِ من! وہ تو بغیر زنجیر کے دروازے پہ کھڑے رہتے ہیں۔وَ اِنۡ یُّرِیۡدُوۡا خِیَانَتَکَ فَقَدۡ خَانُوا اللّٰہَ مِنۡ قَبۡلُ فَاَمۡکَنَ مِنۡہُمۡ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ (8:71) اور یاد رکھو کہ اگر تم اس حسنِ سلوک کے بعد بھی پھر خیانت اسی قسم کی کرو گے تو بھئی جو تم نے پہلے خیانت کی تھی' اس کا نتیجہ تمہارے سامنے آ گیا' پھر کرو گے پھر نتیجہ سامنے آ جائے گا۔سیدھی سی بات ہے۔ہم تو کچھ زیادتی نہیں کریں گے' تم اگر خیانت کرو گے تو تم نے دیکھ لیا کہ خیانت کا نتیجہ کیا ہوا کرتا ہے۔تم خود سوچ لو کہ خیانت کرنی چاہیے تمہیں یا نہیں۔اب آئے صاحب وہ مؤمنین جن کے متعلق یہ کچھ کہتے چلے آ رہے تھے' بدر کے میدان میں جنہوں نے اپنے ایمان کی شہادت بہم پہنچا دی تھی۔شہادت کے تو معنی گواہی ہوتا ہے۔ایمان کی شہادت' پھر لفظِ شہادت ہمارے اسی سے بنا ہے۔

جنگِ بدر کے بعد ایک نئی امت کی تشکیل اور اس کی خصوصیات

ان کے متعلق اب یہ سورۃ الانفال کی آخری آیات سامنے آ رہی ہیں عزیزانِ من! جھوم جھوم جایئے۔اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ ہَاجَرُوۡا وَ جٰہَدُوۡا بِاَمۡوَالِہِمۡ وَ اَنۡفُسِہِمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ الَّذِیۡنَ اٰوَوۡا وَّنَصَرُوۡۤا اُولٰٓئِکَ بَعۡضُہُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ (8:72) یہ لوگ جو مکے کی تیرہ سالہ زندگی کی مصیبتیں جھیلنے کے بعد اپنا سب کچھ وہاں چھوڑ کے خدا کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے مدینے میں آ گئے۔ ہجرت ہے یہ۔پھر اس کے بعد مسلسل سعی و کاوش سے جدوجہد سے بلکہ میدانِ جنگ میں آ کر سر بکف میدانِ جنگ میں آ کے' انہوں نے اپنے ایمان کی شہادتیں دیں۔اور یہ مدینے والے کہ جنہوں نے اس طرح سے بے سروسامان آنے والوں کو پناہ دی' ان کے لیے سہارے بہم پہنچائے' یہ سارے کے سارے۔۔اب یہ باقی دنیا کی نسبتیں کٹ کے قومیت کی' نسلوں کی' خون کے رشتے' یہ سارے کٹ کے یہ آ گئے اور یہ ایک دوسرے کے بھائی بن گئے اور ایک دوسرے کے دوست بن گئے۔ایک نئی امت کی تشکیل ہو رہی ہے عزیزانِ من! مقصد کی' وحدت کی بناء پر۔وہ بھی خدا کی بات کو بلند کرنے کے لیے یہاں آئے' اِنہوں نے بھی اسی طرح سے ان کی مدد کی۔پھر یہ دونوں ملے اور میدانِ جنگ تک چلے گئے۔یہ ہیں جواب ایک دوسرے کے دوست اور بھائی بنے ہیں۔وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ لَمۡ یُہَاجِرُوۡا مَا لَکُمۡ مِّنۡ وَّلَایَتِہِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ حَتّٰی یُہَاجِرُوۡا (8:72) ہجرت جسے کہا جاتا ہے ہمارے نزدیک تو وہ بھی تاریخ کے خاص زمانے میں ایک واقعہ ہو گیا تھا نا کہ رسول اللہ ﷺ مکے سے مدینے چلے گئے۔۔بس ہجرت ختم ہو گئی۔یہ تو زندگی کے ہر شعبے میں چیز ہے۔پہلی چیز

جیسے میں نے کہا ہے کہ چھوڑتے چلے جانا' بلند مقصد کے حصول کے لیے جس چیز کو چھوڑنا بھی مقصود ہو اس کو چھوڑتے چلے جانا حتیٰ کہ وطن بھی چھوڑنا پڑے تو وطن بھی چھوڑتے چلے جانا۔ لیکن یہاں ایک چیز قرآن نے عجیب کہی ہے۔ کہا یہ ہے کہ جو لوگ اب بھی ہجرت کر کے نہیں آئے ہیں' نہیں آ رہے تو یاد رکھو کہ پھر ان کی دوست داری یا مدد جو ہے' تمہارے اوپر لازم نہیں آ رہی۔ اب یہ دیکھیے یہ کیا بات ہو گئی کس وقت یہ کہا جا رہا ہے۔ یہ اس وقت کہا جا رہا ہے جب مدینے میں ان کی اپنی مملکت قائم ہوئی اور وہاں اتنا سامان جمع ہو گیا کہ آنے والوں کے لیے یہاں ٹھکانہ ہو ان کے لیے۔ ایک مقام ایسا آ گیا جہاں خدا کی حکومت قائم ہوئی تھی' مملکتِ خداوندی کی تشکیل ہوئی تھی۔

کفار کی عمل داری میں اسلامی مملکت کا قیام کسی طرح بھی ممکن نہیں ہو سکتا

تو یہ ہوا یہاں کہ جب کسی مقام میں ایسا ہو جائے اور وہاں اس چیز کی گنجائش موجود ہو تو پھر کفر کی حالت میں زندگی بسر کرنا' کسی ایسی مملکت میں کہ جہاں کفر کی حالت ہو' وہاں مسلمان کی حیثیت سے زندگی بسر کرنا۔ قرآن کہتا ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ تمہاری دوست داری بھی جائز نہیں ہے۔ یہ جو پھر ہمارے ہاں بعد میں یہ وہ چلے آپ کے ہاں نیا اسلام اور اس میں یہ کہا کہ ٹھیک ہے صاحب یہ کفار کی عملداری ان کی حکومت میں محکومیت کی زندگی بسر کرنا بھی عینِ اسلام ہے آپ کے ہاں۔ کیوں جی۔۔ کہ جی وہ نماز روزے حج زکوٰۃ کی اجازت دیتے ہیں۔ گن گائے گئے انگریز کی حکومت کے جب وہ یہاں آیا تو' دعائیں مانگی گئیں اس کے لیے' اس کی اطاعت کو فرض قرار دیدیا گیا صاحب۔ قرآن یہ کہہ رہا ہے یعنی وہاں یہ جو لوگ تھے جہاں سے کہا گیا ہے کہ تم پہ لازم ہے کہ وہاں سے چھوڑ کے ادھر آ جاؤ۔ کیا فرق تھا دونوں کے اندر۔۔ یہی فرق تھا نا کہ یہاں اب امکان اس کا ہو گیا ہے کہ تم قوانینِ خداوندی کے مطابق زندگی بسر کر سکو۔ وہاں اس کا امکان نہیں ہے۔ تو وہاں سے اگر ان حالات میں چھوڑ کے نہیں آتے تو اس صورت میں انہیں کہا گیا کہ تم پہ ان کی دوست داری اور ولایت لازم نہیں آ رہی' مدد بھی تم نہیں ان کی کر سکتے۔ وَ اِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْكُمُ النَّصْرُ (8:72) ٹھیک ہے ان کے دین کا کوئی معاملہ اگر آ جائے اور اس وقت یہ تم سے کچھ مدد مانگیں تو ٹھیک ہے ان کی مدد تو کرنی ہو گی۔ آپ دیکھیے قرآن کا بلند اصول۔

وحی کی طرف سے 14 سو سال پیشتر ملنے والے قوانین آج بھی انسانیت کے لیے راہنمائی کا باعث ہیں اور رہیں گے

عزیزانِ من! میں نے کہا ہے نا کہ دنیا انگشت بدنداں ہے آج کہ چودہ سو سال پیشتر یہ اصول دیے گئے۔ وہ مخالفین کے اندر ہیں وہ لوگ آپ کے ہاں کے' وہ ادھر نہیں آئے۔ دین کے معاملے میں کوئی مدد مانگ رہے ہیں۔ کہا کہ ٹھیک ہے ان کی مدد تو دینی ہو گی۔ اِلَّا عَلٰی قَوْمٍ بَیْنَكُمْ وَ بَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ (8:72) لیکن اگر تم میں اور اس مخالف قوم میں جن میں وہ گھرے ہوئے ہیں' ان میں تمہارے ہاں معاہدہ کوئی ہو گیا ہوا ہے' اس معاہدے کے خلاف تم ان کی مدد بھی نہیں کر سکتے۔ معاہدہ کا احترام یہ ہے۔ ٹھیک ہے معاہدہ کو کالعدم قرار دیجیے پھر یہ کچھ ہو گا۔ جیسے یہ مدینے والے پھر مکہ کے مظلومین کی مدد کے لیے اٹھ کے گئے تھے اور مکہ فتح کیا تھا۔ معاہدہ جو ہے اس کو کالعدم

کرنے کے بعد' مساوات کے درجے کے اوپر آنے کے بعد۔ ورنہ کہا ہے کہ اگر معاہدہ ہے تمہارا اور ان کا اور وہ دین کے معاملے میں بھی کوئی مدد مانگ رہے ہیں تم اس معاہدے کے خلاف ان کی اس معاملے میں بھی مدد نہیں کر سکتے۔ یہ ہے معاہدے کا احترام۔ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ (8:72) جو کچھ تم کرتے ہو ہم دیکھتے ہیں۔ معاہدے کے اوپر یہ کہا کہ مواخذہ ہمارے ہاں ہوگا کیونکہ ہم واچ کر رہے ہیں کہ تم معاہدے کی پابندی کرتے ہو یا نہیں کرتے۔

کفر خواہ کسی شکل میں ہو دین کی مخالفت میں ہمیشہ یہ یک جان ہوتا ہے

وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بَعۡضُہُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ اِلَّا تَفۡعَلُوۡہُ تَکُنۡ فِتۡنَۃٌ فِی الۡاَرۡضِ وَ فَسَادٌ کَبِیۡرٌ (8:73) تو کہا ہے کہ یہ باقی جو کفر والے ہیں یاد رکھو یہ سب اکٹھے ہوتے ہیں' ایک ملتِ واحدہ ہوتی ہے یہ۔ الگ الگ قومیں نام کے لیے ہیں یہ' جب بھی کہیں تمہارے دین کا معاملہ آئے گا' یہ سب اکٹھے ہونگے تمہاری مخالفت میں۔ اور اس کے بعد کہا کہ اگر تم یہ نہ کروگے جو کچھ ہم نے اوپر کہا ہے تو یاد رکھو پھر زمین میں' ملک میں دنیا میں' فساد مچ جائے گا۔ تو اب یہ نظر آیا کہ فساد مٹانے کے لیے بھی اس جنگ کی ضرورت ہو جاتی ہے جو قرآن نے کہا ہے تا کہ عالمگیر انسانیت امن کے اندر رہے۔ اور آخر کی دو آیتیں۔ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ ہَاجَرُوۡا وَ جٰہَدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ الَّذِیۡنَ اٰوَوۡا وَّ نَّصَرُوۡۤا (8:74) ہاں یہ لوگ کہ جو مکے سے ہجرت کر کے آئے یہ کہ جو خدا کا دین' اس کی حفاظت اور اس کا نام بلند کرنے کے لیے' عالمگیر انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے' یہ لوگ جو مسلسل جدوجہد کرتے ہیں حتیٰ کہ عند الضرورت میدانِ جنگ میں بھی چلے جاتے ہیں۔ یہ لوگ ہجرت کر کے آنے والے اور یہ مدینے والے انصار جنہوں نے ان کی مدد دی' ان کو پناہ دی' ان کو حفاظت کا مقام دیا۔

وہ تمام صحابہ اکرامؓ جنہوں نے ہجرت کی اور جنہوں نے ان کو پناہ دی یہ سب کے سب مومن حقاً تھے

سنیے عزیزانِ من! جو میں نے کئی دفعہ آپ سے کہا یہاں آ گئی وہ آیت' قرآن کی شہادتِ عظمیٰ' خدا کہہ رہا ہے اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا (8:74) یہ سب مؤمن حقا ہیں پکے سچے مومن۔ خدا کی کسوٹی کے اوپر پورا اترنے والا مومنِ حقا۔ دیکھتے ہیں قرآن یہ شہادت دے رہا ہے' تمام صحابہؓ اس کے اندر موجود ہیں۔ وہ جو ہجرت کر کے آئے' یہ انصار مدینے کے جنہوں نے ان کو پناہ دی' یہ سب ہو گئے یہ سب مومنِ حقا قرآن کی رو سے۔ ان میں سے کسی ایک کے متعلق بھی یہ دل میں خیال آنا کہ ان سے کوئی ایسی چیزیں سرزد ہوئی تھیں کہ جو مومنِ حقا کے شایانِ شان نہیں تھیں' قرآن کی شہادت کے خلاف جاتا ہے۔ تاریخ آپ کو اب یہ چیزیں بتائے گی تین سو سال بعد مرتب کی ہوئی بغیر کسی قسم کے Previous Written Record کے' کوئی تحریری مواد نہیں ہے زبانی تین سو سال بعد بیٹھ کے۔ اورنگزیب کے زمانے کی تاریخ آج کوئی مرتب کرنے بیٹھے اور کوئی تحریری مسالہ نہ ہو۔ پھر درمیان میں جو سازشیں ہوئیں' گروہ بندیاں ہوئیں وہ بھی ساتھ شامل ہیں۔ پھر انہوں نے کیا کہا آپ سے۔

تین سو سال کے بعد لکھی گئی تاریخ نے ملت اسلامیہ کو تباہ کر دیا ہے

میں یہاں گروہ بندانہ باتیں نہیں کیا کرتا۔ سنیوں کے ہاں کی لیجیے۔ کہاں کہاں یہ چیزیں سازش کر کے گئی ہوئی ہیں۔ بخاری کی یہ حدیث ہے اس کے بعد کہ رسول اللہ ﷺ قیامت کے دن حضو ﷺ بیٹھے ہونگے اور ایک گروہ فرشتے ان کو جہنم کی طرف لیے جا رہے ہونگے۔ حضو ﷺ دور سے دیکھیں گے' پکار اٹھیں گے او یہ تو میرے صحابہؓ ہیں' یہ تو میرے صحابہؓ ہیں' ان کو جہنم میں لیے چلے جا رہے ہو۔ خدا آواز دے گا کہ ہاں لیے جا رہے ہیں جب تک تم ان کے درمیان تھے یہ ایمان پر تھے تمہارے جانے کے بعد یہ مرتد ہو گئے تھے (معاذ اللہ)۔ مومن حقا قرآن کہتا ہے۔ اوستیاناس تمہارا۔

مجموعہ بخاری کے متعلق جمعیت اہلحدیث کے صدر مولانا اسماعیل مرحوم کا فرمان

بخاری کی حدیث ہے۔ اور اس کے متعلق مجموعہِ بخاری کے متعلق ہم سے یہ کہا جا رہا ہے جمعیت اہلحدیث کے صدر مولانا اسماعیل مرحوم رسالہ ان کا موجود ہے جماعتِ اسلامی اور نظریۂ حدیث۔۔ اور ان کی بھی ضرورت نہیں ہے ان کا یہ ایمان ہے۔ اس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ مسلم اور بخاری کی کسی ایک حدیث کا انکار کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ یعنی اگر آپ نے اس حدیث کا انکار کر دیا بخاری کی حدیث جو ہو گئی تو آپ دائرہ اسلام سے خارج۔

مرتد کی سزا قتل کے متعلق مفتی محمود صاحب اور جناب مولانا مودودی صاحبؒ کا فتویٰ

اور رات مفتی صاحب فرما رہے تھے ٹی وی پر' مفتی محمود صاحب' رو رہے تھے' پیٹ رہے تھے کہ یہ جو نیا Constitution آ رہا ہے اس میں اسلامی قوانین آپ کہہ رہے ہیں؟؟ اسلام کی علی الرغم مخالفت اس میں کی گئی ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ صاحب کوئی مثال۔۔ کہنے لگے مثال یہ ہے کہ اس میں مسلمانوں کو مرتد ہونے سے بچانے کے لیے کوئی سزا نہیں تجویز کی گئی۔ مذہب تبدیل اگر کرتا ہے مسلمان تو اسے مرتد کہتے ہیں۔ اس نے پوچھا کہ جی وہ کیا سزا ہو گی۔ اُنہوں نے کہا قتل ہو گی۔ مرتد کی سزا قتل۔ بخاری شریف کی کسی ایک حدیث سے انکار یہ دائرہ اسلام سے خارج تو مرتد تو ہو گیا وہ۔۔ مرتد کی سزا قتل۔ تو وہاں اسلامی حکومت اگر ان کی یہ قائم ہوئی تو رات یہ کہہ رہے تھے کہ یہ نہیں ہے اس میں۔ مرتد کے معنی یہی نہیں ہے کہ کوئی شخص اعلانیہ کہدے کہ صاحب میں اب مسلمان نہیں رہتا' میں اب عیسائی ہو گیا ہوں۔ نہ۔ انہوں نے جو معیار مقرر کیے ہوئے ہیں نا دائرہ اسلام میں رہنے کے اور دائرہ اسلام سے نکل جانے کے۔ تو جو دائرہ اسلام سے خارج ہوا اس پہ کفر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں نا۔ کفر کا فتویٰ لگا' وہ مرتد ہوا۔ وہ چیختا رہے' چلاتا رہے' بے شک قرآن اٹھاتا رہے کہ بابا میں مسلمان ہوں۔ اُنہوں نے کہا نہیں صاحب تم نے تو وہ کام کر دیا کہ دائرہ اسلام سے خارج ہو گئے' کافر ہو گئے' مرتد ہو گئے۔۔ مرتد کی سزا قتل ہے۔ اور پھر یہ ہول سیل ریٹ پہ بھی ہو گا۔ مولانا مودودی صاحب ارشاد فرماتے ہیں 'مرتد کی سزا' ان کا پمفلٹ ہے اس کے آخری صفحہ کے اوپر لکھتے ہیں پاکستان میں اسلامی حکومت قائم ہونے کے بعد ان کے موجودہ مسلمان باشندوں کو ایک سال کا نوٹس دیا جائے گا ''بچو کھا پی لے جو کچھ کھانا جے آ گئی اے تہاڈے اسلام دی حکومت'' ایک سال کے بعد پھر دیکھا جائے گا جو لوگ پھر اس اسلام

کے اوپر قائم نہیں رہیں گے۔ کہنے لگے ہے تو بات بڑی دل پہ جبر سے کہی جاتی لیکن کرنی پڑتی ہے شریعتِ حقہ کے لیے ان سب کو قتل کر دیا جائے گا۔ چل بھئی۔ بات ہنسنے کی نہیں ہے۔ رات انہوں نے یہ کہا ہے کہ یہاں ہم اسلامی قوانین رائج کرا کے رہیں گے اور اس میں مثال دی پہلی یہ کہ اس میں مرتد کی سزا قتل رکھی جائے گی۔ اور مرتد وہی نہیں کہ جو یہ کہے کہ میں مسلمان نہیں رہتا' میں مثلاً عیسائی ہو جاتا ہوں۔ نہ۔ بخاری شریف کی ایک حدیث کا انکار کرنے والا بھی مرتد۔ سمجھ لیا نا آپ نے۔ یہ حدیث جو میں نے ابھی عرض کی ہے بخاری شریف کی حدیث ہے۔ اب سوچیے کہاں کھڑے ہوئے اسے مانئے' صحابہ کبارؓ جتنے بھی ہیں ان کو مانئے کہ یہ جہنم میں جانے والے تھے اور کہیے قرآن نے کہا تھا اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا اور اس سے انکار کیجیے۔ اس سے انکار کرنے سے نہیں وہ کہتے کافر ہوتا آدمی' اُس سے انکار کرنے سے کافر ہو جاتا ہے جو بخاری کی حدیث ہے۔ قرآن کہتا ہے اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا (8:74)۔ اور پھر میں نے کہا ہے نا یہ تو وہ گروہ کو لے جا رہے ہیں۔ اور وہ جو جنگِ جمل میں اور جنگِ صفین میں کھڑے کر رہے ہیں ایک دوسرے کے سامنے۔۔ تو مومنِ حقا دونوں طرف۔ کہاں ہیں آپ۔

قرآن حکیم کی روشنی میں ایک نئی تاریخ مرتب کرنے کی ضرورت

عزیزانِ من! جب تک آپ اپنی تاریخ جو ہے اس کو از سرِ نو قرآنِ کریم کی روشنی میں مرتب نہیں کریں گے صدرِ اول کی تاریخ کے متعلق جن کے متعلق قرآنِ کریم نے شہادت دی ہوئی ہے۔ میں وہاں تک کی بات کر رہا ہوں' اس کے بعد سے ہمیں واسطہ نہیں ہے کہ وہ کیسے تھے اور کیسے نہیں تھے۔ کیونکہ قرآن نے یہ کہہ دیا کہ ہم ان کے متعلق تم سے پوچھیں گے ہی نہیں وَ لَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (2:141) ہم پوچھیں گے ہی نہیں کہ انہوں نے کیا کیا۔ جن کے متعلق اس نے کہا ہے کہ مومن حقا ہیں۔۔ ان میں سے کسی ایک کے متعلق کسی ایسی چیز کا تصور کہ جو مومن حقا کے شایانِ شان نہیں' قرآن کا انکار ہے۔ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (8:74) مغفرت رزقِ کریم ان کے لیے۔ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا مَعَكُمْ (8:75) کہتا ہے اس کے بعد بھی یعنی اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی جن کی یہ کیفیت ہوگی کہ وہ ہجرت کریں وہ جہاد کریں فَاُولٰٓئِکَ مِنْكُمْ (8:75) وہ بھی تم میں سے ہیں۔ عزیزانِ من! نبی اکرم ﷺ کی ساری زندگی کے متعلق بتا دیا کہ آخر تک بھی جو شخص صحابہؓ کے اندر شامل ہو گیا ہے' قرآن نے اس کے لیے شہادت دیدی۔ دوسرے مقامات میں صرف یہ کہا ہے کہ ٹھیک ہے' خدا کے ہاں مدارج جو ہیں وہ الگ ہوتے ہیں۔۔ السابقون الاولون ہیں اور اس کے بعد آنے والے ہیں۔ لیکن مومن حقا کے متعلق قرآن نے کہا یہ سب ہیں۔ کسی ایک صحابیؓ کے متعلق بھی ذہن میں یہ چیز نہیں ہمارے آنی چاہیے کہ ان سے کوئی ایسی بات جسے معصیتِ خداوندی کہتے ہیں' چھوٹی موٹی یونہی سہواً کوئی بات ہو جانا خطا کے طور' یہ بات ہونا یہ تو بشریت کا خاصہ ہے۔ کوئی ایسی معصیت کہ جو مومن حقا کے شایانِ شان نہ ہو۔۔ یہ ذہن میں تصور کرنا کہ ایسا ہوا ہوگا قرآن کی ان شہادتوں کے خلاف ہے عزیزانِ من!۔ اور آپ کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ میں نے تو ابھی ایک بخاری کی روایت بتا دی اور آپ کے ہاں تاریخ سے دونوں واقعات بتا دیے۔ اس میں سے تو ایک بھی مسلمان باقی نہیں رہتا۔ دونوں کو کھڑا کر دیا میدانِ جنگ میں لا کے۔

مومنِ حقا کے متعلق قرآن نے کہا ہے کہ وہ کسی دوسرے مومن کو ایک فرد کو قتل نہیں کرتا۔ مجھے یہ معلوم ہے کہ مومنِ حقا جو ہیں قرآن کی شہادت یہ ہے کہ ان سے کوئی ایسی بات سرزد نہیں ہوسکتی جو قرآن کے کسی حکم کے خلاف جاتی ہو۔ اور قرآن کا وہ حکم ہے۔ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡۢ بَعۡدُ وَ ہَاجَرُوۡا وَ جٰہَدُوۡا مَعَکُمۡ فَاُولٰٓئِکَ مِنۡکُمۡ ؕ وَ اُولُوا الۡاَرۡحَامِ بَعۡضُہُمۡ اَوۡلٰی بِبَعۡضٍ فِیۡ کِتٰبِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ (8:75) اور اس کے بعد یہ بڑی چیز قرآن نے یہ بتادی۔

تمدنی زندگی میں حقوق کے معاملہ میں قرآن حکیم کی وضاحت

قرآن اس قدر نازک مقامات کا بھی بیان رکھتا ہے۔ کہتا ہے یہ ٹھیک ہے یہ ایک نئی قوم وجود میں آ گئی یہ تمہارے بھائی ہیں تمہارے دوست ہیں ایک امت بن گئی یہ سب کچھ ہے۔ لیکن کہتا ہے کہ معاشرے کے اندر یہ جو اپنے رشتہ داروں کے تعلقات ان کے کچھ حقوق ہوتے ہیں وہ اپنے مقام پہ رہیں گے۔ اس نے گنایا ہے کہ وراثت میں ترکے میں یہ اس قسم کے وہ جو حقوق ہیں وہ کہتا ہے کہ ٹھیک ہے یہ تمدنی زندگی سے متعلق ہیں وہ چیزیں وہ اپنے مقام پہ رہیں گی۔ لیکن جہاں تک باہمی قلبی تعلق کا سوال ہے مومن ہونے کا سوال ہے مومنِ حقا ہونے کا سوال ہے ایک دوسرے کے ساتھ تمہارا قلوب کے اندر ایک دوسرے کی الفت کا جو سوال ہے اس سے یہ ایک نئی امت تشکیل ہوئی ہے۔ اس امت کی یہ خوبیاں بتا رہا ہے عزیزانِ من!۔

صحابہ اکرام کی خصوصیات اور قرآن حکیم

اور پھر میں نے آپ کو یہ عرض کیا ہے کہ تاریخ کو ہمیشہ اس معیار پہ پرکھو کہ محمد رسول اللہ ﷺ والذین معہٗ تک کی جو تاریخ ہے رسول اللہ ﷺ اور حضور ﷺ کے صحابیؓ جو قرآن کہتا ہے ان کی خصوصیات قرآن بتا رہا ہے وضاحت سے کہ یہ یہ خصوصیات تھیں۔ ان کے متعلق وہ ٹھوس فکیٹ دے رہا ہے کہ مومنِ حقا تھے رحمآء بینھم تھے۔ ان کے متعلق کہہ رہا ہے کہ ان کے دلوں کے اندر ایک دوسرے کی محبت تھی وہ کوئی بات ایسی نہیں کر سکتے تھے جو مومنِ حقا کی شان کے خلاف ہو۔ قرآن نے بتایا ہے مومن کی صفات کیا ہوتی ہیں۔ تاریخ انسانوں کی مرتب کی ہوئی تاریخ ہے یہ شہادت خدا کی دی ہوئی شہادت ہے۔ دونوں میں جہاں ٹکراؤ آپ کے ہاں ہوگا اس میں کسی دوسرے سے پوچھنے کی بات ہی نہیں ہے سیدھی سی بات ہے کہ انسانوں کی مرتب کردہ تاریخ جو ہے خدا کی شہادت کے مقابلے میں اس کی کوئی وقعت نہیں ہے عزیزانِ من!۔ جب قرآن کی شہادت آئے گی تو ہم کہیں گے تاریخ کے بیان کو کہ قطعاً غلط ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ خدا کی شہادت کے یہ بات خلاف جاتی ہے۔ ایمان ہمارا خدا کے قرآن پہ ہے طبری کی تاریخ پہ نہیں ہے عزیزانِ من!۔ اور یہی ہے وہ صحیح چیز جیسا میں نے کہا تھا تاریخ کو از سرِ نو آپ کو مرتب کرنا ہوگا اس معیار کے مطابق۔۔ قرآن سامنے رکھیے۔ یہ تو صحابہؓ کی بات ہے خود رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے اندر اس قسم کی چیزیں آپ کے ہاں تاریخ میں حدیث میں روایات میں ملتی ہیں (معاذ اللہ معاذ اللہ) شایانِ شان نہیں کسی رسول کی ہوسکتی۔ آپ کو ان سب چیز کا؟؟ کرنا ہوگا ان کو دوبارہ مرتب کرنا ہوگا۔ لیکن سازش کی انتہا یہ ہے کہ انہیں مقدس اتنا بنا کے رکھ دیا گیا ہے کہ کوئی شخص سننے کے لیے بھی اس کو تیار نہیں ہے کہ ہاں اس کو Touch کیا جائے گا۔ Touch نہیں

کیا جائے گا خدا کی کتاب کو عزیزانِ من! باقی تمام چیزیں انسانی کوششیں جہاں تک ہیں' ٹھیک ہے سہو و خطا بھی ہوسکتا ہے' اس میں سازشیں بھی ہوسکتی ہیں۔ ہم مکلّف نہیں ہیں ان کے اوپر ایمان لانے کے لیے۔ لہٰذا جو جو چیز ان میں ایسی ہے جو قرآن سے ٹکراتی نہیں ہے' ان صحابہؓ اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے ٹکراتی نہیں ہے اُسے ہم تسلیم کرنے کو تیار ہیں۔ جہاں ان دونوں میں ٹکراؤ ہوگا ہم قرآن کو اوپر رکھیں گے ان سب چیزوں کو اس کے نیچے رکھیں گے۔ عزیزانِ من! طبری اور بخاری کی دس کوششیں بھی اگر قرآن کے خلاف جانے کی وجہ سے مسترد کی جانے والی ہیں' تو بلا تامل مسترد کیجیے۔ قرآن کی شہادت ہے جس کو آپ ہمیشہ بلند رکھیے یہ ہے ایمان کا تقاضا۔ سورۃ الانفال ختم ہوگئی۔ اگلے درس میں سورۃ توبہ ہم شروع کریں گے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

❀.....❀.....❀

مجھے اپنے فہمِ قرآن کے متعلق کبھی یہ دعویٰ نہیں ہوسکتا کہ وہ سہو وخطا سے منزہ ہے۔ یہ قرآن فہمی کی ایک انسانی کوشش ہے اور ہر انسانی کوشش کی طرح اس میں غلطیوں کا امکان ہے۔ لہٰذا! میری تحریر میں جو کچھ آپ کو صحیح نظر آئے، وہ نورِ قرآنی کا تصدق ہے اور جہاں کہیں سہو وخطا دکھائی دے، وہ میرے ذہن کی نارسائی۔ (پرویز۔۔معراجِ انسانیت)